إنّ من الشعر لحكمة وإنّ من البيان لسحرا

حصہ اوّل

کلیات اکبر الٰہ آبادی

معروف بہ

لسان العصر

کلام بلاغت نظام عالی جناب خان بہادر سید اکبر حسین صاحب مرحوم پنشنر جج۔ آنریری فیلو الٰہ آباد یونیورسٹی

حسب الحکم جناب سید عشرت حسین صاحب ڈپٹی کلکٹر

باہتمام حاجی حافظ خواجہ قطب الدین احمد پروپرائٹر

نامی پریس لکھنؤ میں چھپا

بار ششم | اگست سنہ ۱۹۳۱ء
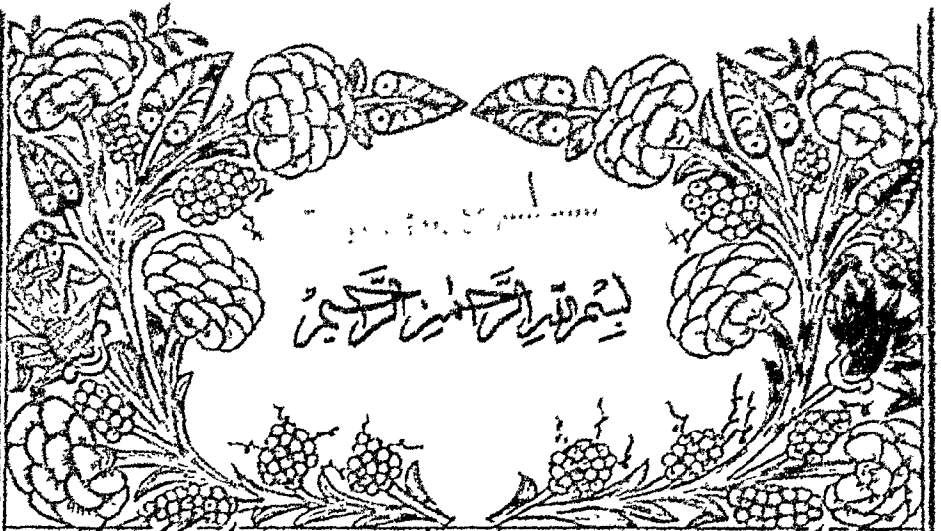
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کہو۔ کریگا حفاظت مری خدا میرا — رہوں جو حق پہ مخالف کریگا کیا میرا

خدا کے در سے اگر میں نہیں ہوں بیگانہ — تو ذرّہ ذرّہ عالم ہے آشنا میرا

مری حقیقت ہستی یہ مشت خاک نہیں — بجا ہو مجھ سے جو پوچھے کوئی پتا میرا

اُنھیں ہو عقل جو محتاج غیر ہو ہر دم — مجھے ہو عشق کہ جو خود ہو مدّعا میرا

غرور اُنھیں ہے تو مجھ کو بھی ناز ہو اکبر — سوا خدا کے سب ان کا ہو اور خدا میرا

دل مرا جس سے بہلتا کوئی ایسا نہ ملا — بت کے بندے ملے اللہ کا بندہ نہ ملا

بزم یاراں سے پھری باد بہاری مایوس — ایک سر بھی اُسے آمادۂ سودا نہ ملا

گل کے خواہاں تو نظر آئے بہت عطر فروش — طالب زمزمۂ بلبل شیدا نہ ملا

واہ کیا راہ دکھائی ہے ہمیں مرشد نے — کر دیا کعبے کو گم اور کلیسا نہ ملا

رنگ چہرے کا تو کالج نے بھی رکھا قائم — رنگ باطن میں مگر باپ سے بیٹا نہ ملا

سید اُٹھے جو گزٹ لیکے تو لاکھوں لائے — شیخ قرآن دکھاتے پھرے پیسا نہ ملا

ہوشیاروں میں تو اِک اِک سے سوا ہیں اکبر — مجھ کو دیوانوں میں لیکن کوئی تجھ سا نہ ملا

عنایت تخلیے میں بزم میں نا آشنا ہونا
غضب ہیں یہ ادائیں دم ہی بھر میں کیا سے کیا ہونا

بتوں کے پہلے بندے تھے مسوں کے اب ہوئے خادم
ہمیں ہر عہد میں مشکل رہا ہے با خدا ہونا

مرا محتاج ہونا تو مری حالت سے ظاہر ہے
مگر ہاں دیکھنا ہے آپ کا حاجت روا ہونا

جو دقت ہے وہ یہ ہے دل نہیں ہے میرے کہنے میں
مجھے تسلیم ہے ارشاد واعظ کا بجا ہونا

خدا بنتا تھا منصور اسلئے مشکل یہ پیش آئی
نہ کھنچتا دار پر ثابت اگر کرتا خدا ہونا

بچاتا ہے ہزاروں کفر سے اے واعظ ناداں
بلائے دام گیسوئے بتاں میں مبتلا ہونا

مجھے جوش طبیعت سے ہوا شوق گناہ آخر
عجب کیا ناز سکھلائے اگر ان کو خفا ہونا

صفات حق تعالیٰ فہم منکر میں نہیں آتے
وہ کہتا ہے کہ گویا کچھ نہ ہونا ہے خدا ہونا

خدا انسے ملائے تو نہایت ہی خوش آئیگا
نیا عہد وفا بندھنا گزشتہ کا گلا ہونا

طریق مغربی کی کیا یہی روشن ضمیری ہے
خدا کو بھول جانا اور محو ما سوا ہونا

دلیل خود بیں کو پوچھتی ہے کہ تم مسلّم مگر خدا کیا
دل کے عاشق سے کہہ رہا ہے کہ اسکے ہوتے یہ ماسوا کیا

نہ کچھ تکلف نہ کچھ بناوٹ جو بات تھی دل میں صاف کہدی
اگر وہ مانیں تو مہربانی اگر نہ مانیں تو پھر گلا کیا

کبھی لرزتا ہوں کفر سے میں کبھی ہوں قربان بھولپن پر
خدا کو دیتا ہوں واسطے جب تو پوچھتا ہے وہ بت خدا کیا

جو تمہارے لب جاں بخش کا شیدا ہوگا
اٹھ بھی جائیگا جہاں سے تو مسیحا ہوگا

وہ تو موسیٰ ہوا جو طالب دیدار ہوا
پھر وہ کیا ہوگا کہ جسنے تمہیں دیکھا ہوگا

قیس کا ذکر مری شان جنوں کے آگے
اگلے وقتوں کا کوئی بادیہ پیما ہوگا

آرزو ہے مجھے اک شخص سے ملنے کی بہت
نام کیا لوں کوئی اللہ کا بندہ ہوگا

لعل لب کا ترے بوسہ تو میں لیتا ہوں مگر
ڈر یہ ہے خون جگر ہجر میں پینا ہوگا

غنچۂ دل کو نسیم عشق نے وا کر دیا
میں مریض ہوش تھا مستی نے اچھا کر دیا

شان محبوبی صانع کا نشاں رکھا ہے یہ
ورنہ کیا تھا جسنے دل میں درد پیدا کر دیا

دین سے اتنا الگ حد فنا سے یوں قریب
اس قدر دلچسپ پھر کیوں رنگ دنیا کر دیا

ہو رہے غفلت جوانی میں تو لذت دے گئی
ہاں مگر پیری میں اس نے مجھ کو رسوا کر دیا

کیا مزا اک دل کو خوش کرنے پہ جو قادر نہیں
ایک کن سے دو جہاں کو جس نے پیدا کر دیا

بے تمہارے دیکھے اب دم بھر بھی چین آتا نہیں
سچ بتاؤ جانِ جاں تم نے مجھے کیا کر دیا

سب کے سب باہر ہوئے وہم و خرد ہوش و تمیز
خانۂ دل میں تم آؤ ہم نے پردا کر دیا

ہو طلب کامل تو بس نعمت اسی کا نام ہے
بھوک نے نانِ جویں کو منّ و سلویٰ کر دیا

یوسفِ معنی کے جلووں کو دکھا کر عشق نے
میری بیداری کو بھی خوابِ زلیخا کر دیا

ق

شاہدِ بزمِ ازل نے اک نگاہِ ناز سے
عشق کو اس انجمن میں مسند آرا کر دیا

شورِ شیریں کا مزا رکھا سرِ فرہاد میں
قیس کو دیوانۂ اندازِ لیلیٰ کر دیا

گردنِ پروانہ میں ڈالی کمندِ شوقِ شمع
رنگِ گل کو دیدۂ بلبل کا پھندا کر دیا

ذوقِ نظارہ سے جانوں کو ملایا خاک میں
گردشِ چشمِ بتاں سے حشر برپا کر دیا

جس نے یہ سب کچھ کیا اکبر میں اسے کیا کہوں
اس نے مجھ کو کیا کیا دل کو مرے کیسا کر دیا

بے غرض ہو کر مزے سے زندگی کٹنے لگی
ترکِ خواہش نے ہمارا بوجھ ہلکا کر دیا

رنگ اڑانا اہلِ یورپ کا تو ہے اک بد مآل
مفت اپنے آپ کو تم نے تماشا کر دیا

نعت

دُرفشانی نے تری قطروں کو دریا کر دیا
دل کو روشن کر دیا آنکھوں کو بینا کر دیا

خود نہ تھے جو راہ پر اوروں کے ہادی بن گئے
کیا نظر تھی جس نے مردوں کو مسیحا کر دیا

اسطرح سے نہ پوچھ اے ہمنشیں خاصیت الفت
مجھے معلوم ہے سن لے اثر تھا اک مزا اچھا

نقاب اسکے رخ رنگیں سے اٹھا دیں محفل میں
کھلایا گل یہ تو نے واہ اے بادِ صبا اچھا

بنایا زلف کو اسکے رخ رنگیں سے گلشن میں
کھلایا گل یہ تو نے واہ اے بادِ صبا اچھا

دلا کر جھوٹی امیدیں دلوں کو خون کرتے ہو
نہ یہ طرز ادا اچھی نہ یہ شوق جفا اچھا

نہ ملنے ہی سے اکثر رنج بھی ہو جاتے ہیں پیدا
جو سچ پوچھو تو ملنے سے نہ ملنے کا گلا اچھا

ابھی بیمار ہیں سب کر رہے ہیں قول و عہد اکبر
اسی کوچے میں پھیرے ہوینگے ہونے دو ذرا اچھا

تصوف کی بیاں کو ہوش نے روح آشنا پایا
معانی کچھ نہ سمجھا پر قیامت کا مزا پایا

جوانی چھن گئی حسرت رہی باقی تماشے کو
عروس دہر ہنسنے دل لگا کر تجھ سے کیا پایا

ہے کام ترا ساقی اک جام پلا دینا
یا دو کو بھلا دینا یا میں کو مٹا دینا

مستوں کو حقیقت کا اک جلوہ دکھا دینا
موج مے وحدت کو آئینہ بنا دینا

ہجر میں خون جگر آخر کو پینا ہی پڑا
موت بھی آئی نہیں مجبور جینا ہی پڑا

قلب انساں میں کبھی پڑ جاتی ہے اک نیک بات
جب پڑا لیکن تمہارے دل میں کینا ہی پڑا

وضع ان کی دیکھ کر لازم ہوئی قطع امید
کل ستم کی چل رہی تھی منہ کو سینا ہی پڑا

تجربے کے بعد نسخے سے کٹا آخر گلاب
کھینچنے میں تیرے عارض کا پسینا ہی پڑا

دل بھی کانپا ہونٹ بھی تھرائے شرمایا بھی خوب
شیخ کو لیکن تری مجلس میں پینا ہی پڑا

الفت احمد پہ تکمیل ایماں تھی ضرور
راہ حق جوئی میں اے اکبر مدینا ہی پڑا

اردو میں وزن قاآنی کا نمونہ

تصور ان کا جب بندھا تو پھر نظر میں کیا رہا
نہ بحث این و آں رہی نہ شور ما سوا رہا

زبان خلق پر بس اک فسانۂ فنا رہا
نہ ہم رہے نہ دل رہا نہ دل کا مدعا رہا

نئے بنائے ساز عیش چرخ نے سدا مگر
فنا کی دھن پہ مستقل جہاں بے بقا رہا

پردا توڑا آپ نے اُس بت کو آیا کر دیا
خود پری تھی اب اُسے پریوں کا سایا کر دیا

کر گئے تھے حضرت سید عقیدوں کو درست
چرخ نے رسموں کا بھی آخر صفایا کر دیا

کم ہوئی آخر بصارت روشنی میں لیمپ کی
بڑھ گئی جو کچھ بصیرت تو جلایا کر دیا

ہم کو زیر آسماں ہو کر گذرنا ہی پڑا
منزل ہستی میں رکنے کو ٹھہرنا ہی پڑا
مدتیں عشووں کی آگے ناز مطلق کچھ نہ تھا
دل کو مذہب کے قدم پر سر کو دھرنا ہی پڑا
جانتی تھی قوت اپنی مدت عمر عروج
بحر میں لیکن حبابوں کو ابھرنا ہی پڑا

خوان فلک پہ جو ملے شکر کے ساتھ کر قبول
غم کی شکایتیں ہیں کیا آیا ہے پیش کھا بھی جا
ساغر مے ہے سامنے شیخ سے کہہ رہی ہیں وہ
دیکھتا کیا ہے ہر طرف مرد خدا چڑھا بھی جا
اے دل با تمیز و ہوش حرم کا کام یاں نہیں
لطف فریب حسن اٹھا فقر دنیا نکل آ بھی جا

بنائے کار جہاں کو خراب ہی دیکھا
ہمیشہ ہمنے یہاں انقلاب ہی دیکھا
ہم انقلاب کے شائق نہیں زمانے میں
کہ انقلاب کو بھی انقلاب ہی دیکھا

وفا میں ثابت قدم نکلنا فدائے عشق حبیب ہونا
یہ کامیابی ہے عاشقی کی یہی تو ہے خوش نصیب ہونا
ادھر وہی طبع کی نزاکت ادھر زمانہ کی آنکھ بدلی
بڑی مصیبت شریف کو ہے امیر ہو کر غریب ہونا
عطا ہوئی ہو اگر بصیرت تو ہے یہ حالت مقام حیرت
خدا سے اتنا بعید رہنا خودی سے اتنا قریب ہونا
رسول اکرم کی ہسٹری کو پڑھو تو اول سے تا بہ آخر
وہ آپ ثابت کریگی اپنا عظیم ہونا عجیب ہونا
جو لب پہ گذرے کروں گذارش بغیر پیچیدگی و سازش
فقیہ ہونیکی ہے نہ خواہش نہ چاہتا ہوں ادیب ہونا
رہ طلب میں ہے بس مقدم شکستہ دل اور چشم پر نم
نہیں موثر کچھ اس میں ہمدم امیر ہونا غریب ہونا
نظر کر انکی طرف ادب سے تو پھیر دیں تیرے دل کو رب سے
عجب نہیں عاشقان رب سے ظہور کار عجیب ہونا

جو مل گیا وہ کھانا داتا کا نام جپنا
اسکے سوا بتاؤں کیا تمسے کام اپنا
رونا تو ہے اسی کا کوئی نہیں کسی کا
دنیا ہے اور مطلب مطلب ہے اور اپنا
اے برہمن ہمارا تیرا ہے ایک عالم
ہم خواب دیکھتے ہیں تو دیکھتا ہے سپنا
یہ دھوم دھام کیسی شوق نمود کیسا
بجلی کو دل کی صورت آتا نہیں تڑپنا
بے عشق کی جوانی کٹتی نہیں مناسب
کیونکر کہوں کہ اچھا ہے جیٹھ کا نہ تپنا

نفس کے تابع ہوئے ایمان رخصت ہوگیا
وہ زنانے میں گھسے مہمان رخصت ہوگیا

مگر انھوں نے پی اب انکے پاس کیونکر دل لگے
جانور اک رہ گیا انسان رخصت ہوگیا

فرق ظاہر ہوگیا جب سے قلم اور تیغ کا
دل میں انشا کا تھا جو ارمان رخصت ہوگیا

کہدیا تھا میں نے کٹجائیں جو ناقص شعر ہوں
یہ نتیجہ تھا کہ کل دیوان رخصت ہوگیا

عقل کو کچھ نہ ملا علم میں حیرت کے سوا
دلکو بھایا نہ کوئی رنگ محبت کے سوا

آئیگی تجھ کو نظر صانع عالم کی جھلک
سامنے کچھ نہ رکھ آئینۂ فطرت کے سوا

تیرے الفاظ نے کر رکھے ہیں پیدا دفتر
ورنہ کچھ بھی نہیں اللہ کی قدرت کے سوا

جلوہ نظر آیا نہیں اے یار تمھارا
تڑپا ہی کیا طالب دیدار تمھارا

بڑھنے تو ذرا دو اثر جذبۂ دل کو
قائم نہیں رہنے کا یہ انکار تمھارا

دم بھر کیلئے آکے اسے شکل دکھا جاؤ
مہمان دم چند ہے بیمار تمھارا

ہر دم نظر شوق کیا کرتا ہوں تم پر
ہر وقت میں رہتا ہوں گنہگار تمھارا

صدمے شب فرقت کے اٹھائے نہیں جاتے
اب موت کا طالب ہے طلبگار تمھارا

عازم ہو تم اے حضرت دل کوئے بتاں کے
اللہ رہے یار و مددگار تمھارا

کس ناز سے کہتا ہے شب وصل وہ ظالم
برہم نہ کرے گیسوؤں کو پیار تمھارا

اکبر کی تمناؤں سے کہتا ہے یہ گردوں
اس دور سے اٹھنے کا نہیں بار تمھارا

بتکدے میں مطمئن رہنا مرا دشوار تھا
بت تو اپنے تھے برہمن درپئے آزار تھا

اکبر مرحوم کتنا بے خود و سرشار تھا
ہوش ساری عمر اس کی زندگی پر بار تھا

نزع میں آئی تجلی روئے جاناں کی نظر
زہر سمجھے تھے جسے وہ شربت دیدار تھا

دل ہی دل میں ہو لیے مست مئے منصور ہم
شرع میں لٹنے کا خطرہ تھا نہ خوف دار تھا

خانۂ تن کی حسن ابی کا میں کرنا بیچ گیا
گوہر جاں پر فقط اک گرد کا انبار تھا

رنگ گلزار جہاں کا قدرداں سمجھا تھا کون
جو گل رنگیں تھا میرے ہی گلے کا ہار تھا

نسوں بت سے بچا بند باب دیر رہا
خدا نے فضل کیا قفل دل بخیر رہا

تعجب آتا ہے اُن کے مذاق پر مجھ کو
چمن خزاں میں بھی جن کا محل سیر رہا

فسانے رہ گئے اکبر کی بت پرستی کے
نہ بت رہے نہ برہمن رہے نہ دیر رہا

نہ کتابوں سے نہ کالج کے ہے در سے پیدا
دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا

جو خردمند ہیں وہ خوب سمجھتے ہیں یہ بات
خیر خواہی وہ نہیں ہے جو ہو ڈر سے پیدا

رنج دنیا سے بہت مضطرب الحال تھا یہ
دل میں تسکیں ہوئی مذہب کے اثر سے پیدا

یہ بُت پنہاں نہیں ہوتے خدا ظاہر نہیں ہوتا
غنیمت وہ زمانہ ہے کہ میں کافر نہیں ہوتا

ترا ناوک بھی اے صیاد کیا ہی طرح پر رہا
کہ تیرا صید بسمل رہتا ہے آخر نہیں ہوتا

علوم دنیوی کے بحر میں غوطے لگانے سے
زباں گو صاف ہو جاتی ہے دل طاہر نہیں ہوتا

تری چشم فسونگر کا اشارہ ہے یہ نرگس سے
فقط نظارہ کرنے سے کوئی ساحر نہیں ہوتا

نہ خلق اسکی خبر لیتی نہ عقل اُسکی مدد کرتی
خدا جب تک کسی کا حافظ و ناصر نہیں ہوتا

حضور قلب اگر حاصل نہیں تجھ کو تعجب کیا
خدا جب دل سے غائب ہو تو دل حاضر نہیں ہوتا

یہ حق گوئی ہے اکبر کی کہ ہے جسکا اثر اتنا
فسوں کیسا مسلماں آدمی ساحر نہیں ہوتا

یہ سست ہے تو پھر کیا وہ تیز ہے تو پھر کیا
نیٹو جو ہے تو پھر کیا انگریز ہے تو پھر کیا

رہنا کسی سے دب کر ہے امن کو ضروری
پھر کوئی فرقہ ہیبت انگیز ہے تو پھر کیا

رنج و خوشی کی سب میں تقسیم ہے مناسب
بابو جو ہے تو پھر کیا چنگیز ہے تو پھر کیا

ہر رنگ میں ہیں پاتے بندے خدا کے روزی
ہے پنٹیر تو پھر کیا رنگریز ہے تو پھر کیا

جیسی جسے ضرورت ویسی ہی اُسکی چیزیں
یاں تخت ہے تو پھر کیا واں منبر ہے تو پھر کیا

حق سے اگر ہے غافل ہرگز نہیں ہو عاقل
ہنری جو ہے تو پھر کیا پرویز ہے تو پھر کیا

مفقود ہیں اب اسکے سننے سمجھنے والے
میرا سخن نصیحت آمیز ہے تو پھر کیا

کیسی ہی سلطنت ہو سب خوش نہ رہ سکیں گے
گر ترک ہے تو پھر کیا انگریز ہے تو پھر کیا

منزل وہی ہے جس کو نبیوں نے ہے بتایا
اسٹیم ہے تو پھر کیا ہمیز ہے تو پھر کیا

گھر کا چراغ دیکھو یعنی کہ دل سنبھالو
کوئی انار دم بھر گلریز ہے تو پھر کیا

اسلام و حق کے حامی ہرگز نہیں ہیں ہم تم
حرص و غرور حسرت انگیز ہے تو پھر کیا

دونوں ہی مر رہے ہیں دونوں کا حشر ہوگا
نیٹو جو ہے تو پھر کیا انگریز ہے تو پھر کیا

وہ حجاب ان کا آج تک نہ گیا
نہ گیا ان کے دل سے شک نہ گیا

اک جھلک ان کی دیکھ لی تھی کبھی
وہ اثر دل سے آج تک نہ گیا

کیا ٹھہرتا ہمارے آگے غیر
دیکھئے آخرش کھسک نہ گیا

می خانۂ رفارم کی چکنی زمیں پر
واعظ کا خانداں بھی آخر پھسل گیا

کیسی نماز بال میں ناچو جناب شیخ
تم کو خبر نہیں کہ زمانہ بدل گیا

یہ پاس اور وہ پاس نہ موجد نہ اہل زر
اخبار میں جو چھپ گئے ارمان نکل گیا

فطرت میں سلسلہ ہے کمال و زوال کا
گھٹنا ہے بدر کا تو ہے بڑھنا ہلال کا

پرتو جو اس میں ہے ترے حسن و جمال کا
عالم ہے شیفتہ مرے رنگ خیال کا

نظارہ کر رہا ہوں بت بے مثال کا
شان خدا ہے ساتھ شباب و جمال کا

ہم اپنے فقر میں بھی ہیں اک آن بان سے
کملی ہماری رنگ دکھاتی ہے شال کا

اُس مس پہ کون میرے سوا ہو فریفتہ
گاہک میں ہی ہوں ان دنوں لندن کے مال کا

رکھنا پڑا ہے اُس بت کافر سے میل جول
موقع نہیں ہے بحث حرام و حلال کا

الفت میں فرض ہے بت کافر کا اتباع
موقع نہیں ہے بحث حرام و حلال کا

دور فلک میں چاند کی قسمت بھی خوب ہے
ہے بس عروج خاتمہ اُسکے زوال کا

اک عکس ناتمام پہ عالم کو وجد ہے
کیا پوچھنا ہے آپ کے حسن و جمال کا

ماضی[1] تو ختم ہو چکا مستقبل آئے گا
ممکن نہیں بیان کروں حال حال کا

بلبل کی شاخ گل پہ نہ باقی رہے نظر
نشو و نما جو دیکھ لے اس نونہال کا

طریق عشق میں مجھ کو کوئی کامل نہیں ملتا
گئے فرہاد و مجنوں اب کسی کو دل نہیں ملتا

بھری ہے انجمن لیکن کسی سے دل نہیں ملتا
ہمیں میں آگیا کچھ نقص یا کامل نہیں ملتا

پرانی روشنی میں اور نئی میں فرق اتنا ہے
اُسے کشتی نہیں ملتی اِسے ساحل نہیں ملتا

پہونچنا داد کو مظلوم کا مشکل ہی ہوتا ہے
کبھی قاضی نہیں ملتے کبھی قاتل نہیں ملتا

حریفوں پر خزانے ہیں کھلے یاں ہجر گیسو ہے
وہاں پہ بل ہے اور یاں سانپ کا بھی بل نہیں ملتا

یہ حسن و عشق ہی کا کام ہے شبہ کریں کس پر
مزاج ان کا نہیں ملتا ہمارا دل نہیں ملتا

چھپا ہے سینہ و رخ دلستاں ہاتھوں سے کروٹ میں
مجھے سوتے میں بھی وہ حسن سے غافل نہیں ملتا

حواس و ہوش گم ہیں بحر عرفان الٰہی میں
یہی دریا ہے جس میں موج کو ساحل نہیں ملتا

کتاب دل مجھے کافی ہے اکبر درس حکمت کو
میں اسپنسر سے مستغنی ہوں مجھ سے مل نہیں ملتا

ہستیٔ حق کے معانی جو مرا دل سمجھا
اپنی ہستی کو اک اندیشۂ باطل سمجھا

وہ شناور ہوں جو ہر موج کو ساحل سمجھا
وہ مسافر ہوں جو ہر گام کو منزل سمجھا

حضرت دل کو چڑھا آیا ہے سمجھانے میں
اُنکے انداز سے اُن کو اسی قابل سمجھا

ہوئی دنیا میں مرے جوش جنوں کی تکریم
تیرے دیوانے کو عاقل نے بھی کامل سمجھا

کافری سہل نہ تھی عشق بتاں کھیل نہ تھا
بخدا میں تو اسی سے اسے مشکل سمجھا

ان نگاہوں کے اشاروں سے طبیعت تڑپی
ان اشاروں کے معانی کو مرا دل سمجھا

ضعف سے میں جو گھٹا اور بڑھا اُسکا ستم
یاں زباں ہل نہ سکی وہ متحمل سمجھا

اُتر آیا میں پئے غسل جو وہ غیرت گل
شور امواج کو میں شور عنادل سمجھا

[1] زمانۂ ماضی ۱۲

کفر و اسلام کی تفریق نہیں فطرت میں
یہ وہ نکتہ ہے جسے میں بھی بمشکل سمجھا

شیخ نے چشم حقارت سے جو دیکھا مجھ کو
سجدہ میں اُسے اللہ سے غافل سمجھا

حُسن نے ناز کیے عشق کی تکمیل ہوئی
نہ فقط آپ کی سمجھی نہ مرا دل سمجھا

آپ دیکھیں مجھے اور میں نہ کروں یاد خدا
موت سے آپ نے ایسا مجھے غافل سمجھا

وہ بھی نافہم ہے جو خضر کا طالب نہ ہوا
وہ بھی نادان ہے جو خضر کو منزل سمجھا

نہ کیا یار نے اکبر کے جنوں کو تسلیم
لگ گئی آنکھ تو کچھ سوچ کے عاقل سمجھا

مہربانی ہے عیادت کو جو آتے ہیں مگر
کس طرح اُن سے ہمارا حال دیکھا جائیگا

دفتر دُنیا اُلٹ جائے گا بالکل یک قلم
ذرہ ذرہ سب کا اصلی حال دیکھا جائیگا

آفیشل اعمال نامہ کی نہ ہوگی کچھ سند
حشر میں تو نامۂ اعمال دیکھا جائیگا

بچ رہو طاعون سے تو اہل غفلت بول اُٹھے
اب تو مہلت ہے پھر اگلے سال دیکھا جائیگا

تذکرۂ صاحب نسب نا ہو وہ وقت آیا ہوا اب
سب اثر ہند کی شرافت مال دیکھا جائیگا

رکھ قدم ثابت نہ چھوڑ اکبر صراط مستقیم
خیر چل جانے دے انکی چال دیکھا جائیگا

سینے کا زخم آہ کی سختی سے چھل گیا
اچھا ہوا مزہ تو محبت کا مل گیا

ایسے ستم کئے کہ مرا قلب ہل گیا
اور اسطرح کہ سینہ کا ہر داغ چھل گیا

تیرا پتہ چمن کو صبا سے جو مل گیا
بلبل کو وجد آگیا غنچہ بھی کھل گیا

تعلیم مذہبی کا خلاصہ یہی تو ہے
سب مل گیا اُسے جسے اللہ مل گیا

ہوتا ہے انبساط غذائے لطیف سے
غنچے کو دیکھئے کہ ہوا کھا کے کھل گیا

کسنے نگاہ ناز سے دیکھا ہے اس طرف
فریاد کر رہا ہے جگر ہائے دل گیا

خوش قسمتی یہ اپنی بجا ہے کروں جو ناز
اپنے ہی جیسا میں مجھکو مرا رب بھی مل گیا

کھلتا نہیں کہ شیخ سے اکبر نے کیا کہا
آیا تھا جوش دل سے مگر مشتعل گیا

وہ شعلۂ شوق کا سینے میں مشتعل نہ رہا
تری نظر نہ رہی وہ مراد دل نہ رہا

ملا جو خانۂ تن خاک میں تو سمٹنے دو
یہ بچ گیا ہے کہ زندان آب و گل نہ رہا

چودھویں منزل میں وہ ماہ خوش اقبال آگیا
صبر و تقوی پہ جو بھاری ہے وہی سال آگیا

الفت گیسو نے آخر دی مرے دل کو شکست
ہائے کیا انمول شیشہ تھا مگر بال آگیا

عالم فطرت پہ ہے میری نظر بھی اے حکیم
فرق یہ ہے تجھ کو عقل آئی مجھے حال آگیا

دعوی علم و خرد میں جوش تھا اکبر کو رات
ہوگیا ساکت مگر جب ذکر اقبال آگیا

وہ مطرب اور وہ ساز وہ گانا بدل گیا
نیندیں بدل گئیں وہ فسانا بدل گیا

رنگ رخ بہار کی زینت ہوئی نئی
گلشن میں بلبلوں کا ترانا بدل گیا

فطرت کے ہر اثر میں ہوا ایک انقلاب
پانی خاک پہ کھیت میں دانا بدل گیا

حد شہر عافیت کی نئی طرز پر بندھی
وہ چوکیاں بدل گئیں تھانا بدل گیا

اس گوہر نایاب سے واقف نہیں دنیا
آسان نہیں دل کا مرے دام لگانا

خوب آتا ہے صاحب کو خود اک بات کا کرنا
اور بات پڑے جب تو مرا نام لگانا

زلف نے پرتو دیں نام کو رہنے نہ دیا
آخر اس لام نے اسلام کو رہنے نہ دیا

وہ مرادیں جو ملیں چار تمنائیں کیں
ہم نے خود قلب میں آرام کو رہنے نہ دیا

موت کو بھول گیا دیکھ کے جینے کی بہار
دل نے پیش نظر انجام کو رہنے نہ دیا

نور عرفاں عقل کے پردے میں پنہاں ہوگیا
ہوش میں آنا حجاب روئے جاناں ہوگیا

بتکدے میں شور ہے اکبر مسلماں ہوگیا
بے وفاؤں سے کوئی کہہ دے کہ ہاں ہاں ہوگیا

انتشار اہل معنی فیض سے خالی نہیں
بوئے خوش پھیلی اگر غنچہ پریشاں ہوگیا

باعث تسکیں نہ تھا باغ جہاں کا کوئی رنگ
جس روش پر میں چلا آخر پریشاں ہو گیا

خواب راحت بن گیا خوف خدا بعد فنا
حشر میں حسن عمل گلزار رضواں ہو گیا

ان کی صورت دیکھ کر آنے لگی یاد خدا
نور رخ ان کا چراغ راہ عرفاں ہو گیا

دونوں کو تشبیہ دی تھی عارض محبوب سے
آئینہ حیرت میں آیا گل پریشاں ہو گیا

تیغ کھینچی اس نے ممنون توجہ ہم ہوئے
حسن وہ افسوں ہے جس سے ظلم احساں ہو گیا

ترک دنیا سے ہوئی جمعیت خاطر نصیب
حال میرا گو کہ ظاہر میں پریشاں ہو گیا

طاقت فریاد بھی مجھ میں نہ باقی رہ گئی
ظلم کرنا آپ کو مجھ پر اب آساں ہو گیا

خوان الوان فلک پر کیا مسرت ہے مجھے
گور کا لقمہ ہوا جو اس کا مہماں ہو گیا

فرقت جاناں میں کیسی خوشدلی اے ہمنشیں
انبساط طبع نذر رنج ہجراں ہو گیا

صورت ظاہر میں دل اک قطرۂ خوں تھا فقط
آ گیا جب جوش میں معنی کا طوفاں ہو گیا

جس سے کہتے ہیں وہ کہتا ہے کہ یہ سب وہم ہے
اب ہمارا حال گویا خواب پریشاں ہو گیا

بس یہی دولت مجھے دی تو نے اے عمر دراز
سینہ اک گنجینۂ داغ عزیزاں ہو گیا

اور عالم میں ہوں میں راہی فاتحہ خواں بعد مرگ
میں نہ تھا وہ جسم جو مٹی میں پنہاں ہو گیا

بڑھ گئی سوزش جو تجھ بن گل کھلے گلزار میں
زخم دل کے حق میں ہر غنچہ نمکداں ہو گیا

کر دیا اہل بصیرت فیض ساقی نے مجھے
ساغر مے آفتاب اوج عرفاں ہو گیا

اک نظر کا ہے تعلق اس جہاں سے ہوش کو
سب کا سب اک جنبش مژگاں میں پنہاں ہو گیا

دیکھنا مشروط دیں ہوتا تو ہوتا بت پرست
کچھ نہ دیکھا اس کی برکت سے مسلماں ہو گیا

ور نے جا میں کی اک سوز نہاں ہو گیا
للہ الحمد اب مرا دل بھی مسلماں ہو گیا

جلوۂ حسن بتاں آشوب دوراں ہو گیا
اللہ اللہ آفت دین مسلماں ہو گیا

اشک خوں آلود آنکھوں میں نمایاں ہو گیا
دیکھئے دل بھی شریک چشم گریاں ہو گیا

رنگ خوں اب صاف آنکھوں میں نمایاں ہو گیا
دیکھئے دل بھی شریک چشم گریاں ہو گیا

تو کہیے اگر وقعت عاشق نہیں دل میں
یہ کون سی سیکھی ہے زباں آپ نے تمکین کیا

زلف پیچاں کا تصور مجھے کرنا ہی نہ تھا
ہو گئی مفت طبیعت میں اک الجھن پیدا

شرم کی جا ہو نہ دل میں جو داغوں کی بہار
سینۂ خاک بھی کر لیتا ہے گلشن پیدا

میری ہر بات کا رخ ہے طرف عارض یار
میرے ہر شعر سے ہیں معنی روشن پیدا

دیدۂ دل سے کھٹکتے رہو ہر دم اکبر
دوستوں ہی میں سے ہو جاتے ہیں دشمن پیدا

کوئی ہے دھر میں خون جگر کہیں پیتا
کوئی زمانے میں ہے شیر و انگبیں پیتا

میں انکی بزم سے اٹھ آیا قبل دور شراب
محل شرم تھا کہنا کہ میں نہیں پیتا

سرور روح ہے حاصل ولائے حیدر سے
میں جام کوثر و تسنیم ہوں یہیں پیتا

نہ ملتی پشے کو دنیا میں قوت پرواز
اگر یہ خون کسی کا برادر کہیں پیتا

ہر ایک قطرے کے بدلے میں دیتا اک دانہ
تری طرح کوئی پانی جو اسے زمیں پیتا

جھجکتے کیوں ہو جو ہوتا ہے اعتراض اکبر
جواب کیوں نہیں دیتے بہت نہیں پیتا

شکایت جوش الفت سے ہوئی تھی اک حسیں پیدا
تعجب ہو اگر اس سے ہوئی چین جبیں پیدا

فریب عقل ظاہر میں ہے یہ سب ورنہ اے اکبر
ہمیں فانی ہمیں باقی ہمیں پنہاں ہمیں پیدا

مری تقریر کا اس مس پہ کچھ قابو نہیں چلتا
جہاں بندوق چلتی ہے وہاں جادو نہیں چلتا

مگر پابندی بھی یاروں نے جو راہ حسب وقتی میں
وہ بولے تو نہیں چلتا وہ بولے تو نہیں چلتا

کہا پیر طریقت نے اکڑ کر اپنی ٹٹو پر
یہی منزل ہے جس میں شیخ کا ٹٹو نہیں چلتا

لطیف الطبع ساتھی چاہیے فیاض طینت کا
چمن سے بے ہوا کے کاروان بو نہیں چلتا

ستم دور گردوں کے سہہ جاؤں گا
جو گذرے گی دل پر وہ کہہ جاؤں گا

دعا یہ ہے کہ مر کر بھی رہ جاؤں پہ نچھر
وگرنہ یوں نہیں مر سکے رہ جاؤں گا

ہمیشہ آپ کے آگے میں دست بستہ رہا
اگر دل آپ کے قابو میں تھا شکستہ رہا

وزارت پختہ شریفوں کو باغ دہر میں دیکھ
انھیں کی حال ہر اک سے زیادہ خستہ رہا

جناب شیخ سے جاکر ذرا اللہ کہہ دینا
کہ گمراہی تھی مجھ سے رند کو گمراہ کہہ دینا

بہت مشکل ہے بچنا بادۂ گلگوں سے خلوت میں
بہت آساں ہے یاروں میں معاذ اللہ کہہ دینا

مرے خط میں سلام اغیار کو قاصد کیا ہے
نہایت رنج ہے اسکا مجھے واللہ کہہ دینا

تمہاری مرحبا سے شعر کی ہو جائیگی عزت
نہ نکلے داد دل سے تو زباں سے واہ کہہ دینا

اگرچہ لیکیں طبع ملت ہے حب قومی میں آہ کرنا
مفید تر ہے مگر دلوں کو رجوع سوئے اللہ کرنا

دکھائے وعدے سے چشم پوشی ہمیشہ شام و پگاہ کرنا
حضور نے کیا اثر اب سمجھا ہے منتظر کو تباہ کرنا

یہ کس سے سیکھا ہے تیری آنکھوں نے اس بلا کی نگاہ کرنا
بنائے دیں کو خراب کرنا دلوں کو اتنا تباہ کرنا

کہیں اگر تمہیں ذات پر ہو نشان دو یا تباہ
بتوں کے آگے ہے سخت مشکل خدا کو اپنا گواہ کرنا

نئی ادائیں ہیں فلک کی سزا سے اسکا یہی ہے شیوہ
کسی کو حد سے سوا بڑھانا کسی کو بالکل تباہ کرنا

کہا جو میں نے نہ توڑ دل کو تجھے مناسب ہے دلنوازی
تو ہنس کے بولا کہ سہل ہوگا دل شکستہ میں راہ کرنا

یہاں صورت کا ذرہ ذرہ جمال معنی کا آئینہ ہے
مگر انھیں کو جو دیکھتے ہیں جو جانتے ہیں نگاہ کرنا

کہے کوئی شیخ سے یہ جاکر کہ دیکھیے آکے بزم تہذیب
یہ دل لگی اور یہ چہل پہل ہو تو کیا برا ہو گناہ کرنا

وہ دور چرخ آرہا ہے اکبر کہ اہل تقویٰ ہیں زار و مضطر
بزرگ بھی طفل دل کو اپنے سکھا رہے ہیں گناہ کرنا

مجھ کو نہ کبھی اس بت دلخواہ سے نے چاہا
اب میں بھی نہ چاہونگا جو اللہ نے چاہا

ساتھ ان کا نہ چھوڑا کسی حالت میں بھی اس نے
شعروں کو مرے خوب ہی اس واسطے چاہا

خوشی سے باخبر ملنے پہ راضی ہو نہیں سکتا
خیال دین و عزت امر واقعی ہو نہیں سکتا

تحمل بیجا اگر ہو درگذر واجب ہے اکبر کو
امیدوں پر مگر کچھ حکم قاضی ہو نہیں سکتا

جس روشنی میں لوٹ ہی کی آپ کو سوجھے
لاکھوں کو مٹا کر جو ہزاروں کو ابھارے
تہذیب کی میں اس کو تجلی نہ کہوں گا
اس کو تو میں دنیا کی ترقی نہ کہوں گا

ہے غضب جلوہ دیرِ فانی کا
پوچھنا کیا ہے اس کے بانی کا

دیدہ ہے محو دیرِ فانی کا
دل ہے مشتاق اس کے بانی کا

جان دیدی غمِ حسیناں میں
حق ادا کر دیا جوانی کا

خوب جی بھر کے ہو لیے بدنام
حق ادا کر دیا جوانی کا

کرتے ہیں مجھ سے غیر کا شکوہ
شکر ہے ان کی مہربانی کا

دل میں سوزش ہے آنکھ میں آنسو
عشق ہے کھیل آگ پانی کا

غور کر، کیا ہے زندگی کی بنا
سوچ کیا حق ہے اس کے بانی کا

نہ ملا خاک میں عمل اپنے
شوق رکھ فیض آسمانی کا

ہوش بھی بار ہے طبیعت پر
کیا کہوں حال ناتوانی کا

قتل سے پہلے ہے کلورا فارم
شکر ہے ان کی مہربانی کا

ق

شیخ در گور و قوم در کالج
رنگ ہے دورِ آسمانی کا

انجن آیا نکل گیا زن سے
سن لیا نام آگ پانی کا

بات اتنی اور اس پہ یہ طومار
غل ہے یورپ پہ جانفشانی کا

علم پورا نہیں سکھاتے اگر
تب کریں شکر مہربانی کا

ایک مری شیخ سے ہو سکتی ہے جوانی پیدا
جیسے ساون کی گھٹا ان سے ہو پانی پیدا

کیا غضب ہے کہ ہے مستِ مے بادہ فروش
شیخ فانی میں ہو از رنگِ جوانی پیدا

یہ جوانی ہے کہ پایا ہے جنوں جس سے ظہور
یہ نہ سمجھو کہ جنوں سے ہے جوانی پیدا

بیخودی میں ہے تو پہچان تجھے ہے نہیں آئینہ کوئی ہوش
تو سمجھ کر دیکھا ہے ایک عالمِ فانی پیدا

کوئی موقع نکل آئے کہ بس آنکھیں ملجائیں
راہیں پھر آپ ہی کر لے گی جوانی پیدا

ہر تعلق مرا سرمایہ ہے اک ناول کا
میری ہر بات سے ہر ایک کہانی پیدا

جنگ ہر جرم محبت سے خلاف تہذیب
ہو چکا ولولۂ عہد جوانی پیدا

کھو گئی ہند کی فردوس نشانی اکبر
کاش ہو جائے کوئی ملٹن؎ ثانی پیدا

جو ناصح مرے آگے بکنے لگا
میں کیا کرتا منہ اسکا تکنے لگا

محبت کا تم سے اثر کیا کہوں
نظر مل گئی دل دھڑکنے لگا

بدن چھو گیا آگ سی لگ اٹھی
نظر مل گئی دل دھڑکنے لگا

جو محفل میں اکبر نے کھولی زباں
گلستاں میں بلبل چہکنے لگا

نظام عالم بتا رہا ہے کہ ہے اک اسکا بنانیوالا
ظہور آدم دکھا رہا ہے کہ دل میں ہے کوئی آنیوالا

نسیم مستانہ چل رہی ہے چمن میں پھر رت بدل رہی ہے
صدائے دل سے نکل رہی ہے وہی ہے یہ گل کھلانیوالا

خودی گم کر چکا ہوں اب خوشی و غم سے کیا مطلب
تعلق ہوش سے چھوڑا تو پھر عالم سے کیا مطلب

قناعت جسکو ہے وہ رزق یا محتاج پر خوش ہے
سمجھ جسکو ہے اس کو بحث بیش و کم سے کیا مطلب

جسے مرنا نہ ہو وہ حشر تک کی فکر میں الجھے
بدلتی ہے اگر دنیا تو بدلے ہم سے کیا مطلب

مری فطرت میں مستی ہے حقیقت بیں ہے دل میرا
مجھے ساقی کی کیا حاجت ہے جام جم سے کیا مطلب

خود اپنی ریش میں الجھے ہوئے ہیں حضرت واعظ
بھلا ان کو بتوں کے گیسوئے پر خم سے کیا مطلب

نئی تعلیم کو کیا واسطہ ہے آدمیت سے
جناب ڈارون کو حضرت آدم سے کیا مطلب

صدائے سرمدی سے مست رہتا ہوں سدا اکبر
مجھے نغموں کی کیا پروا مجھے سرگم سے کیا مطلب

خدا کے منکر نہیں ہیں غافل کہاں کے پیر اور امام صاحب
انھیں کے در پر جھکی ہے خلقت سلام حضرت سلام صاحب

؎ MILTON ایک مشہور انگریزی شاعر ۱۲

کہاں کی پوجا نماز کیسی کہاں کی گنگا کہاں کا زمزم
ڈٹا ہے ہوٹل کے در پہ ہر اک ہمیں بھی دو ایک جام صاحب

ہزار سمجھاتے ہیں وہ سب کو کہ سب نہیں نا مدار ہوٹلے
کرو خموشی و نیک بختی سے جا کے تم گھر کا کام صاحب

مگر نہیں مانتا ہے کوئی ہر اک کی یہ التجا ہے ان سے
مجھے بھی تم چھاپ دو کہیں پر ابھی ہو جائے نام صاحب

مری تمہاری نہیں نبھے گی سدھارتا ہوں میں اب یہاں سے
سلام صاحب سلام صاحب سلام صاحب سلام صاحب

اے جان جہاں حور نہ اچھی نہ پری خوب
ہے میری نگاہوں میں تری جلوہ گری خوب

تشبیہ میں دونگا اسے رفتار صنم سے
واللہ تری چال ہے اے کبک دری خوب

یوں ترچھی نگاہوں سے مجھے قتل بھی کرنا
پھر صاف مکرنا کہ میں ہوں اس سے بری خوب

کھلتا ہے مرا غنچۂ دل آہ سحر سے
عاشق کے لئے ہے یہ نسیم سحری خوب

منہ کھول کے سویا ہے وہ گل صحن چمن میں
لطف آج اٹھا لے گی نسیم سحری خوب

سچ یہ ہے کہ واعظ مجھے بھاتا ہے نہ اکبر
وہ خبط ہی اچھا نہ یہ شوریدہ سری خوب

کہتے ہیں فطرت جسے یہ ہے نقاب روئے دوست
ہے اسی پردے میں پنہاں آفتاب روئے دوست

پردۂ فطرت خرد افروز و حکمت خیز ہے
ہے جنوں انگیز لیکن آب و تاب روئے دوست

دیکھ لی جسنے جھلک اسکی وہ پہونچا دار پر
زینت منبر ہوا محو حجاب روئے دوست

ذوق معنی ہو تو اے اکبر نظر آگے بڑھا
عالم نیچر تو ہے لوح کتاب روئے دوست

ماہ نو بھی نہیں چمکا ترے ابرو کی طرح
نکہت گل بھی نہ نکلی تری خوشبو کی طرح

کون سی تیغ ہے تیغ خم ابرو کی طرح
کہ اشاروں ہی میں چل جاتی ہے جادو کی طرح

وہ ادا کی کہ قضا آگئی خود داری کی
وہ نظر کی کہ اثر کر گئی جادو کی طرح

گل میں وہ شوخی رنگ رخ محبوب کہاں
سرو میں لوچ کہاں اس قد دلجو کی طرح

مجھ کو دم بھر بھی زمانے میں نہیں چین نصیب
مضطرب شیشۂ ساعت میں ہوں بالو کی طرح

حسن میں کب ہو قمر کو ترے مانند ثبات
کبھی مانند رخ کی طرح ہے کبھی ابرو کی طرح

نہ یہ جنبش ہے نہ یہ نوک پلک ہے اس میں
قبضہ میں گو ہے ہلال آپ کے ابرو کی طرح

کم بضاعت کو جو اک ذرہ بھی ہوتا ہے فروغ
خود نمائی کو وہ اڑ چلتا ہے جگنو کی طرح

دل کا میلان یقینی ہے سخن میں جو ہو وزن
طبع سنجیدہ و سامع ہے ترازو کی طرح

کیا کہوں شوق شہادت کو میں تجھ سے قاتل
روز افزوں ہے تری قوت بازو کی طرح

خالی از لطف نہیں آنکھ چرانا اُن کا
فرحت افزائے نظر ہے رم آہو کی طرح

گلشن عشق میں ہے اشک اگر جوئے رواں
خوشنما آہ بھی ہے سرو لب جو کی طرح

ہر زمیں میں ترا مضمون ہے مطلوب یدِ دست
کہیں ہو ہو کی طرح ہے کہیں کو کو کی طرح

نیچی نظروں سے مرے دل کو وہ کرتے ہیں شہید
ظلم پوشیدہ کیا کرتے ہیں جادو کی طرح

فرحت انگیز تو ہے ولولہ انگیز نہیں
نکہت گل بھی نہیں ہے تری خوشبو کی طرح

رنگ گل سے بھی سوا شوخ ہے تو رنگ میں یار
مگر افسوس کہ آوارہ بھی ہے بو کی طرح

ہمسر اس طرۂ مشکیں کی نہیں کوئی بلا
کوئی فتنہ نہیں اُس نرگس جادو کی طرح

ٹکڑے میرے دل روشن کے جو دیکھے تو کہا
کیا گلے میرے یہ پڑ جائیں گے جگنو کی طرح

جام سے غیر کے دو میں نہ کروں گا شکوہ
رنج کی بات ہے پی جاؤں گا آنسو کی طرح

سر جھکا فکر میں بیٹھا اپنی حقیقت کھل جائے
حق نما کون ہے آئینۂ زانو کی طرح

رشک آتا ہے جو تکیے پہ وہ سر رکھتے ہیں
صاحب حسن کہیں ہو گئے زانو کی طرح

نام کر جاتے ہیں دنیا میں جو خوش قسمت ہیں
کوئی مجنوں کی طرح کوئی ارسطو کی طرح

واعظا تیری زباں پر ہے مذمت مے کی
یہ سخن تیرا گلوگیر ہے اچھو کی طرح

ہوا شمار دل کا اگر اہل نظر کے تابع
حلق آنکھوں میں جگہ دے تجھے ابرو کی طرح

گلشن دہر میں اکبر کا کلام رنگیں
کھل گیا گل کی طرح پھیل گیا بو کی طرح

اظہار مدعا میں کروں گا اسی طرح — وہ پیش آئیں اچھی طرح یا بُری طرح
بیجا ہونگا تخلیہ نہ زیادہ بٹھاؤں گا — تشریف لائیے کبھی تو حضرت کسی طرح

دل ہو وفا پسند نظر ہو حیا پسند — جس حسن میں یہ وصف ہو وہ ہے خدا پسند
توڑو نہ یہ تیرے جھومنے لگتی ہے شاخ گل — بیجا ہے تیرا ناچ مجھے اے صبا پسند

پھرتی ہے ارض آفتاب کے گرد — بندہ چکر میں ہے جناب کے گرد
نہیں ٹلتا ہزار اسے ٹالو — عشق رہتا ہے ہر شباب کے گرد
شعلہ رویوں میں گو ہیں سوختہ دل — آنچ لگتی رہے کباب کے گرد
کون مستی مری سنبھالے گا — میں تو جاتا نہیں شراب کے گرد

وقت بہار گل دلم از ہوش دور بود — موج نسیم دشمن شمع شعور بود
میگفت دوش قصۂ شوقت زبان دل — ہر حرف او حکایت موسیٰ و طور بود
یک جلوہ کرد و صورت پروانہ سوختم — آرے ہمیں علاج دل ناصبور بود
خوش بود آں زماں کہ خودی از خرد خبر نداشت — ہوشم بخواب بود و دلم در حضور بود
یکساعت حضور میسر این چنیں گذشت — من عجز بودم او ہمہ ناز و غرور بود
بیدل مشو بگفتۂ منکر کہ او ز جہل — وہمش بگفت آنچہ بچشمم تو نور بود

اکبر بہ پیش پیر مغاں کرد اعتراف
غوغائے من بہ خلق ہمہ مکر و زور بود

گذشتند آں قدرداں ز حد سید سے اکبر — کہ آں مرحوم اکنوں در شمار شیخ می آید

فسردگی ہوئی پیدا اُس انتشار کے بعد — ہزار حیف کہ فالج گرا بخار کے بعد
کہا جو میں نے کہ دل چاہتا ہے پیار کروں — تو مسکرا کے وہ کہنے لگے کہ پیار کے بعد
بہت ہی بگڑی وہ کل مجھ سے پہلے بوسہ پر — خموش ہو گئے آخر کو تین چار کے بعد
گیا شباب تو اب آئنہ میں کیا دیکھوں — وہ لطف ہی نہ رہا باغ میں بہار کے بعد

نہ بھول اِنَّ مع العسر یسرا اے اکبر
خدا سکوں بھی دیگا اس انتشار کے بعد

مذاقِ درد ہو دل کو مرے ہوا پسند
عجب نہیں اُسے کرے تری نگاہ پسند

خدا کا شکر دیا اُسنے مجھکو وہ رب
کرے نصیب جو اُسے بادشاہ پسند

محلِ طعن نہیں ہو ہماری مے خواری
ہنر کے حکم میں ہو عیب بادشاہ پسند

یہ ذوقِ اصول لغزش بری ہو سالک کو
خدا کرے وہ استقم کرلو ایک راہ پسند

نہ حلق سر کا ہو سودا مجھے نہ تیر تجدد کا
بتوں سے گو کہیں کرتا ہوں رسم و راہ پسند

خدا پرست بنائیگا کیا وہ دلبر بچہ
کرے جو طبع کو بے قید اور گناہ پسند

گناہ سخت بتوں سے سہی ہو جا طلبی
غضب تو ہو کہ مجھے ہے یہی گناہ پسند

ق

فلاسفی کو ہے مرغوب طبع الا اللہ
طریق سینٹفک کو ہے لا الٰہ پسند

رہا رسول کا درجہ سو وہ تو ہے قانون
کرے حریف اُسے ناپسند خواہ پسند

اب اسکے آگے ہو جو کچھ گروہ بندی ہو
ہر اک کو اپنی ہی نسبت ہو واہ واہ پسند

ملحداں را ہمہ اوصاف و ثنا ہا خواندند
مومناں را بجز اشند بہ دشنامے چند

غیرت دیں بکفر دشنند بہ یک غمزۂ کفر
چشم پوشند ز ملت پئے خود کامے چند

روح خود را چو سپردی بہ غلامی حریف
چہ کنی ناز بہ نامے دو بہ خداسے چند

پختہ وضعے کہ خدا عقل و تمیزش داد است
قدمے ہم نہ نہد در رہِ ایں خامے چند

در ایں نغمۂ حافظ کن و خوش باش اکبر
ہاں تو از بادۂ شیراز بزن جامے چند

اے گدایان خرابات خدا یار شماست
چشم انعام مدارید ز انعامے چند

دلا لے چل ہمیں سوئے محمدؐ
دکھا دے جنت کوئے محمدؐ

شب عاشق ہیں گیسوئے محمدؐ
خدا کا نور ہے روئے محمدؐ

چمن قرآن ہی ہر لفظ اسکا ہے گل
نہاں ہر گل میں ہے بوئے محمدؐ

مشام جاں معطر ہو رہا ہے
زہے سودائے گیسوئے محمدؐ

محمد پھول ہیں واعظ صبا ہیں
کہ پھیلاتے پھریں بوئے محمدؐ

یہ مژدہ اہل عالم کو سُنا دو
بھری رحمت سے ہے خوئے محمدؐ

خدا کے گھر سے ہے الحاق اسکو
یہ دیکھو رفعت کوئے محمدؐ

درود اُس پر ملائک بھیجتے ہیں
توجہ جس کی ہو سوئے محمدؐ

ہوئی زائل جہاں سے ظلمت کفر
پڑا جب پرتو رُوئے محمدؐ

ہوئے دل دوز تیر الفت حق
کھنچی جب قوس ابروئے محمدؐ

منور نور وحدت سے ہوا دل
نثار پرتو روئے محمدؐ

خدا کا پیار ہے اُس دل پہ اکبر
کشش جس دل کی ہو سوئے محمدؐ

آتا ہے وجد مجھ کو ہر دین کی ادا پر
مسجد میں ناچتا ہوں ناقوس کی صدا پر

لے برہمن کہونگا ہر تکر کو میں مائی
موقوف کچھ نہیں ہے گنگا و نربدا پر

پڑ جائے آتے جاتے شاید نگاہ سلطاں
جو راہ سے الگ ہے افسوس اُس گدا پر

مجھے ہمنشیں ملا کیا اُنھیں حال دل سُنا کر
وہ کہہ آئے ساری باتیں مرے دشمنوں سے جا کر

مری زندگی ہو کیونکر جو تو بیخبر ہو مجھ سے
نہ ہو شوق اگر وفا کا تو میں خوش ہوں تو جفا کر

مرا یار مہ جبیں ہے خوش ادا ہے نازنیں ہے
مگر اسکا کم یقیں ہے کہ جیوں گا اُسکو پا کر

کرو شوق سے محبت مگر ایک بات سُن لو
کسی اور کام کے پھر نہ رہو گے دل لگا کر

نظر آیا چاند چھپکا تو جھپک گئے ستارے
شب ماہ بھی نہ چمکی جو تو نکلا جگمگا کر

موقوف کچھ نہیں ہے فقط مے پرست پر
زاہد کو بھی ہے وجد تری چشم مست پر

عزت ملی ہے شرکت کونسل کی شیخ کو
خمازد ملا گیا ہے رخ فاقہ مست پر

رندان سخت کار کو موسم کی قید کیا
موقوف میکشی نہیں ماہ اگست پر

بلبل کی شاخِ گل کی نمو پر نگاہ ہو
میری نظر ہے تیرے رنگ ہی کے دار و بست پر

پھیکا ہو رنگ مے ترے عارض کے سامنے
مستی ہے خود نثار ترے حسنِ مست پر

منظور مدحِ حسن ہے ہو یا نہ ہو کمر
موقوف شاعری نہیں اس نیست ہست پر

بند نقاب باندھتے ہیں مجھ کو دیکھ کر
اہلِ نظر کا صاد ہے اس بند و بست پر

چل پھر نے انکی آنکھوں کی مجھ کو لبھا لیا
کیوں کر نہ پیار آئے غزالوں کی جست پر

اس باوفا کو حشر کا دن ہوگا روزِ وصل
قائم رہا جو دہر میں عہدِ الست پر

ہے نشۂ غرور میں زاہد خراب تر
پھر کیا میں اعتراض کروں مے پرست پر

اکثر مرے عزیز نئی روشنی میں ہیں
رحمت خدا کی چاہیے اب نیچر پرست پر

بجلی کو ہاتھ آگیا تیری ہنسی کا طرز
غنچوں کو رشک کیوں نہ ہو اس تیز دست پر

گو حافظے کو یاد نہ ہو قصۂ ازل
ہم تو جمے ہوئے ہیں قرارِ الست پر

کرسی نہیں ہے عرش تو پھر کیا یہ فخر و ناز
کیوں معترض ہو فرشِ زمیں کی نشست پر

نظر ان کی رہی کالج میں بس علمی فوائد پر
گرا کیں چپکے چپکے بجلیاں دینی عقائد پر

بس اصل کارِ دیں تو صرف تسبیح و قناعت ہے
عوام الناس باہم جنگ کرتے ہیں زوائد پر

بہت ہی کم پائے اپنے عارف کلامِ باری فہم میں آ کر
بہت ہی بگڑا ہے سچ جو پوچھو عرب کا مذہب عجم میں آ کر

اثر تھا عیسوی نفس کا کہ زندہ ہوتا تھا جسمِ بیجاں
یہاں تو ہم مر رہے ہیں لیکن بتانِ ترسا کے دم میں آ کر

جو ضعف پوشیدہ دیں میں تھا عیاں ہوا وہ ترے عمل سے
زبانِ غیر میں تھی جو خرافت چھپی وہ میری قلم میں آ کر

جو شوقِ مستی ہو دل کے اندر تو آپ سنئے کلامِ اکبر
اگر ہو ذوقِ شرابِ ساغر تو پیجئے بزمِ جم میں آ کر

جس نے ابھارا خلق کو طاعتِ کردگار پر
نقش اسی کا رہ گیا صفحۂ روزگار پر

شاہ و وزیر سب کے تو نام دب گئے ہسٹری کے ساتھ
سکۂ نامِ انبیا اب بھی ہے ہر دیار پر

مغربی تو لیں گے تمہیں شیطان سے بہتر
ہادی نہ ملے گا کوئی قرآن سے بہتر

ذی علم و مصنف ہو رہے حامیِ ملت ارمان نہیں کوئی اس ارمان سے بہتر
انسان اگر معرفتِ حق سے ہو غافل کیا شک کہ بہائم ہیں اس انسان سے بہتر
مخلوقِ الٰہی میں عمل پر جو نظر کر انسان سے بدتر ہے نہ انسان سے بہتر
ہر حال میں ہو دل کے لئے حافظ و ناصر دولت کوئی ممکن نہیں ایمان سے بہتر
یہ ہو کہ جھکاتا ہے مخالف کی بھی گردن سن لو کہ کوئی شے نہیں احسان سے بہتر
سن لے جو توجہ سے بزرگوں کی نصیحت پھر کان جواہر نہیں اس کان سے بہتر

خدا نے عقل کی نعمت عطا کی مہرباں ہوکر ادائے شکر کر دیوانۂ حسنِ بتاں ہوکر
کھلیں وہ شرمگیں آنکھیں شبِ وصلت زباں ہوکر محبت کی نظر نے دی اجازت مجھ کو ہاں ہوکر
کمال اس دامِ گیسو میں تھا یا کچھ نقص تھا میں پھنسا آخر یہ کیونکر طائرِ عرش آشیاں ہوکر
عطا کر قسمتِ تصنیفِ سعدی یارب اس گل کو پھلے پھولے زمانے میں گلستاں بوستاں ہوکر
ترا قد دیکھ کر اے گل میں تجھ کو سرو سمجھا تھا مگر تو سرو سے بھی بڑھ گیا آخر رواں ہوکر
مجھی کو سب یہ کہتے ہیں کہ نیچی رکھ نظر اپنی کوئی ان سے نہیں کہتا نہ نکلو یوں عیاں ہوکر
جھکایا ہے جبیں کو آستانِ یار پر میں نے سعادت ہے اگر رہ جائے سنگِ آستاں ہوکر
کمال ان کی عنایت ہے نہایت مہربانی ہے کہیں آئیں محلے میں انہیں جانا یہاں ہوکر
اگر اللہ دیتا قوتِ گفتار شمعوں کو تو دادِ ہمتِ پروانہ دیتیں یک زباں ہوکر
ہوائے نفس سے ہو کر الگ الفت میں مر جانا وہ حالت ہے کہ رہ جاتی ہے زندہ داستاں ہوکر
مجالِ گفتگو کس کو ہے اُنکے حسن کے آگے زبانیں بند کر دیں ان بتوں نے بے زباں ہوکر
قریبِ ختم تھی مجلس کہ آ نکلے ادھر وہ بھی غرض واعظ کی محنت رہ گئی سب رائگاں ہوکر
یہ ارشاد آپ کا بالکل بجا ہے حضرتِ واعظ مگر میں کیا کہوں کچھ بن نہیں پڑتی جواں ہوکر
نگاہیں مل گئیں تھیں میری انکی رات محفل میں یہ دنیا ہے بس اتنی بات پھیلی داستاں ہوکر
بہت مشکل ہوا ہے ختم کرنا مجھ کو نامے کا وفورِ شوق ہے رکتا نہیں خامہ رواں ہوکر

پھری قسمت بڑا کی آپ کی زلفوں کے حصے میں
پریشاں ہو کے اٹھی تھی تجلی خیبر فشاں ہو کر

ہوئے گر خسرو اقلیم دل شیریں زباں ہو کر
جہانگیری کرے گی یہ ادا نور جہاں ہو کر

دلوں کا قرب حاصل کیجئے راحت رساں ہو کر
نفس نے سینہ میں جا پائی ہے آرام جاں ہو کر

غریبوں سے لپٹ جاتی ہے دنیا قدرداں ہو کر
امیروں کے مقابل ہوتی ہے حسن بتاں ہو کر

پئے دا‌خلہ مجت عقل مذہب میں ہوئی داخل
بنی وجہ عناد آخر نصیب دشمناں ہو کر

مجال گفتگو کس کو قضا کا جب پیام آیا
ہوئی خاموش آخر شمع بھی آتش زباں ہو کر

کسی نے خوب فرمایا اک اسلامی کمیٹی میں
نمازی ہیں نہ اور وہ گئی خالی اذاں ہو کر

کرم تھا دوستوں پر علم ایام گذشتہ میں
ستم ہے اس زمانے میں نصیب دشمناں ہو کر

جو دانشمند ہیں وہ یوں دعا دیتے ہیں لڑکوں کو
نہ ہو کار پیمبری میں نہ ہو عاشق جواں ہو کر

جوانی کی دعا لڑکوں کو ناحق لوگ دیتے ہیں
یہی لڑکے مٹاتے ہیں جوانی کو جواں ہو کر

پھنسایا جھوٹی باتوں سے مجھے دنیا نے غفلت میں
سلایا مجھ کو اس مکار نے افسانہ خواں ہو کر

تمہیں اوج ترقی کا غرہ مجھ کو تواضع کا
یہاں تو خاکساری ہے رہو تم آسماں ہو کر

بدی طینت کی چھپ سکتی نہیں شیریں زبانی سے
دل اچھا ہو تو بجھ جاتی ہے شاید بدزباں ہو کر

زمیں کی طرح جس نے عاجزی و خاکساری کی
خدا کی رحمتوں نے اسکو ڈھانکا آسماں ہو کر

ضعیفی زور پر آئی ہوئے بیدست و پا اکبر
کیا پچوں سے بدتر ہم کو پیری نے جواں ہو کر

روش ہو راست آزادانہ ساتھ اسکے تواضع بھی
چلو تم مثل تیر اکبر جھکو لیکن کماں ہو کر

خیال عزت مجنوں نہ چھوڑا سے دامن مجنوں
نہیں ہے ہوش اسکو خود تو اڑ جا دھجیاں ہو کر

نگین بے بہا تھا دل ضرورت تھی حفاظت کی
ترا نقش تصور اس میں بیٹھا پاسباں ہو کر

مری زردی رخ کا ذکر ہے لبہائے جاناں پر
مزا دیکھو کہ حلوے میں پڑا ہوں زعفراں ہو کر

بلندی مراتب سے تلون ہو گیا پیدا
بدلتے ہیں ہزاروں رنگ اب وہ آسماں ہو کر

اسی سے آشکارا ہے بلندی تیرے ایواں کی
پڑا ہے آسماں بھی تیرے در پر آستاں ہو کر

یہیں تک تھا تلاش پیر کی دے کر صلاح انکو
ہوے وہ اور بھی ظالم مرید آسماں ہو کر

ق

بہار آئی کھلے گل زیب صحن بوستاں ہو کر
عنادل نے مچائی دھوم سرگرم فغاں ہو کر

بچھا فرش زمرد اہتمام سبزۂ تر میں
چلی مستانہ وش باد صبا عنبر فشاں ہو کر

عروج نشۂ نشو و نما سے ڈالیاں جھومیں
ترانے گائے مرغان چمن نے شادماں ہو کر

بلائیں شاخ گل کی لیں نسیم صبح گاہی نے
ہوئیں کلیاں شگفتہ روئے رنگین بتاں ہو کر

جوانان چمن نے اپنا اپنا رنگ دکھلایا
کسی نے یاسمن ہو کر کسی نے ارغواں ہو کر

کیا پھولوں نے شبنم سے وضو صحن گلستاں میں
صدائے نغمۂ بلبل اُٹھی بانگ اذاں ہو کر

ہوائے شوق میں شاخیں جھکیں خالق کے سجدے کو
ہوئی تسبیح میں مصروف ہر پتی زباں ہو کر

زبان برگ گل نے کی دعا رنگیں عبارت میں
خدا سرسبز رکھے اس چمن کو مہرباں ہو کر

نگاہیں کاملوں پر پڑ ہی جاتی ہیں زمانہ کی
کہیں چھپتا ہے اکبر پھول پتوں میں نہاں ہو کر

بہار آئی ہے اک آئینۂ معنی نشاں ہو کر
چمن میں بوئے گل پھیلی ہے تیری داستاں ہو کر

خموشی میں جمال شاہد معنی نظر آیا
عبث الجھے رہے لفظوں میں ہم محو بیاں ہو کر

قیامت کیا ہے خلقت کو نہ صبر آنا جدائی پر
یہ فطرت خود بنے گی صور سرگرم فغاں ہو کر

جو راہ معرفت میں کاروان دل قدم رکھے
تو ساری کائنات اُڑ جائے گرد کارواں ہو کر

کیا اچھا جنھوں نے دار پر منصور کو کھینچا
کہ خود منصور کو مشکل تھا جینا رازداں ہو کر

تری فرقت میں ساری عمر جو تکلیف اٹھاتے ہیں
اجل اے جان انھیں کو آتی ہے آرام جاں ہو کر

اشارہ زاہدان خشک سے ہے دختر رز کا
ولی سب بنئے مرید حضرت پیر مغاں ہو کر

عجب کیا ہے جو دونوں دن ہیں بیہوشی کے دنیا میں
چلے چپ ہو کے رخصت آئے جس دن میہماں ہو کر

الگ رکھتی ہے فطرت سر ہوش کو ایسے مواقع پر
کہ تا افسانہ کر دے راز ہستی رازداں ہو کر

نمایاں ہیں ترے دامن کی سلوٹیں کہکشاں ہوکر
اس اطلس کی زمیں لے اڑ چکی آسماں ہوکر

ہوا اندوہ الفت گرد میں زار و ناتواں ہوکر
مرے باغ جوانی میں بہار آئی خزاں ہوکر

مری نسبت یہ فرماتے ہیں واعظ بدگماں ہوکر
قیامت ڈھائیگا جنت میں یہ بڈھا جواں ہوکر

بہار عمر جب آخر ہوئی واپس نہیں آئی
درخت اپنے کو پھلتے ہیں نئے سر سے جواں ہوکر

زبانیں دیکھتی ہیں آفت تقریر کو چپ ہیں
نگاہیں داستانیں کہہ رہی ہیں بے زباں ہوکر

ابھارا اسقدر اس عہد میں روشن خیالوں نے
اکر چل نکلی زمیں قائم مقام آسماں ہوکر

بنی آدم میں اتنے وہم طاعت ہو گئے پیدا
اکر چل نکلی زمیں قائم مقام آسماں ہوکر

دکھا کر ابرو و مژگاں نظر انکی یہ کہتی ہے
کسی سے کیوں جھکیں ہم صاحب تیغ و سناں ہوکر

بٹھا رکھا ہے اس نامہرباں نے تنفر کرکے
خدا سے ہی مجھے امید اٹھالے مہرباں ہوکر

لطیف الطبع تیز و تند رنگیں و نشاط افزا
تمھیں سی ہو گئی ہے دختر رز بھی جواں ہوکر

کیا افسردہ نافہموں نے مجھکو ہمنشیں ہوکر
طبیعت رک گئی افسوس معنی آفریں ہوکر

ہجوم یاس نے مطلق جگہ باقی نہیں رکھی
تمنا پھر گئی آخر در دل سے حزیں ہوکر

ہر لحظہ دیکھتا ہوں زمانے کی شان اور
گویا زمین اور ہے اور آسمان اور

دل اس بت فرنگ سے ملنے کی شکل کیا
میرا طریق اور ہے اسکی ہے شان اور

کیونکر زباں ملانے کی حسرت بیاں کروں
اسکی زبان اور ہے میری زبان اور

اب شغل زندگی کے ہیں قانون ہی کچھ اور
کیسی غزل یہاں تو ہے مضمون ہی کچھ اور

وہ جادوے سخن ہے نہ وہ رنگ انجمن
تہذیب مغربی کے ہیں افسون ہی کچھ اور

میل نظر ہے زلف مس کجکلاہ پر
سونا چڑھا رہا ہوں میں تار نگاہ پر

اچھا ہوا مقابلہ برق حسن و عشق
ان کو ہنسی جو آگئی عاشق کی آہ پر

یا شہید جلوہ ساقی ہو یا میخانہ چھوڑ
ہوش کی پروا نہ کر یا شیشہ و پیمانہ چھوڑ

دین بچنے کا نہیں ان صنموں کے سامنے
یا پہن زنار اکبر یا در میخانہ چھوڑ

جب مانتے ہو تم کہ خدا بھی ہے کوئی چیز
پھر کیوں نہیں کہتے کہ دعا بھی ہے کوئی چیز

واعظ نے کہا خوفِ خدا بھی ہے کوئی چیز
اس بت نے کہا میری ادا بھی ہے کوئی چیز

کہتا ہے معالج کہ دوا کا بس اثر دیکھ
فریاد زباں ہے کہ مزا بھی ہے کوئی چیز

پنہاں ہیں خموشی و تصوّر میں کمالات
لیکن اثرِ لفظ و صدا بھی ہے کوئی چیز

کھلتے ہوئے عقدے نظر آتے ہیں ہزاروں
معلوم ہوا عقدہ کشا بھی ہے کوئی چیز

بیساختہ آتی ہے مصیبت میں یہ لب پر
فطرت ہی کی جانب سے دعا بھی ہے کوئی چیز

معنی کو ضرورت نہیں الفاظ کی اکبر
سب جانتے ہیں حسنِ صدا بھی ہے کوئی چیز

کم سن ہو ابھی تجربہ دنیا کا نہیں ہے
تم خود ہی سمجھ لوگے خدا بھی ہے کوئی چیز

تدبیر سدا راست جو آتی نہیں اکبر
انسان کی طاقت کے سوا بھی ہے کوئی چیز

ہم مصلحتِ وقت کے منکر نہیں اکبر
لیکن یہ سمجھ لو کہ وفا بھی ہے کوئی چیز

ق

میں نے کہا کیوں لاش پہ آقا کی ہے مرتا
ہوٹل کی طرف جا کہ غذا بھی ہے کوئی چیز

کتّے نے کہا ہو یہ جہالت کہ تعصّب
لیکن مرے نزدیک وفا بھی ہے کوئی چیز

طبع کرتی ہے ترے عشق کی تائید ہنوز
ان جفاؤں پہ بھی ٹوٹی نہیں امید ہنوز

قصۂ شوق کو چھیڑا ہے ازل سے دل نے
خاتمے پر مگر آئی نہیں تمہید ہنوز

نہ خوشی ہوتی ہے دل کو نہ طبیعت کو ابھار
پھر بھی سالانہ کیے جاتے ہیں ہم عید ہنوز

اور کچھ اس کے سوا کر نہیں سکتے ناصح
بس چلی جاتی ہے تعلیم کی تاکید ہنوز

کس قدر حار تھے سید کے وہ اجزائے ریفارم
علما دے رہے ہیں قوم کو تبرید ہنوز

دل تو مدت سے ہے خاکِ درِ دیر اے اکبر
ہاں زباں پر ہے مگر کفر کی تردید ہنوز

غمِ جاناں سے میں کرنے کو نہیں جان عزیز
ہے سوا جان سے بھی مجھ کو یہ مہمان عزیز

اٹھا دو اس بت بے دیں کی ہو شراب فروش — عجب نہیں کہ مجھے مستی کرے شباب فروش
کہا جو اُس نے کہ اب میں پھروں گا بے پردہ — منہ اسکا دیکھ کے بس رہ گئے نقاب فروش

اہل مذہب میں زیادہ تر ہے بس لفظی نزاع — ایک ہی مالک جہاں کا ہو تو پھر کیسی نزاع
ایک ہی پریوں کا قائل ایک کو انکار ہے — سب نزاعوں میں جو ہو تو بس یہی اچھی نزاع
علم اگر ہوتا زیادہ اور ہوتی حرص کم — صلح رہتی بیشتر لوگوں میں کم ہوتی نزاع

شیخ مائل ہوتے ہیں ساغر و مینا کی طرف — برکتیں نشہ کی لائیں گی کلیسا کی طرف
میں پھنسانے لگا کیوں دام بلا میں دل کو — خود کھنچا جاتا ہے اُس زلف چلیپا کی طرف
دوستوں نے انھیں حضرت کو خضر سمجھا ہو — انکی چالیں تو لیے جاتی ہیں اعدا کی طرف
جوش گریہ سے یہ کیوں موسم پیری میں مجھے — لوگ جاڑوں میں تو کم جاتی ہیں دریا کی طرف

گنتی میں زیادہ نہیں ہے قول مرا ایک — بے خوف میں کہتا ہوں اُسے یعنی خدا ایک
تثلیث کے قائل نے بھی خالق کو کہا ایک — تھی تین پہ سوئی مری ہیبت سے بجا ایک
کہتے ہو مسلمان ہیں اللہ کے طالب — دس پانچ نہیں مجھ کو دکھا دو تو بھلا ایک
اللہ کی جانب متوجہ رہیں احباب — صف ہو گئی شکستہ جو کہیں رخ نہ رہا ایک
یارب رہے جمعیت مسلم یونہیں قائم — رخ ایک رسول ایک کتاب ایک خدا ایک

پہونچی نگاہ عقل رسا دور دور تک — لیکن نہ جا سکی کبھی اوج حضور تک
جام مئے الست سے ایسی تھی بیخودی — ہستی کا اپنی حس نہ ہوا نفخ صور تک

کھنچی ہے ہم پر اُس سفاک کی تیغ ستم اب تک — یہ کیا سچ ہے کہ ان زخموں پہ بھی زندہ ہیں ہم اب تک

ملت کو جو دیکھو تو نہیں حامی دیں ایک — ثروت کو جو پوچھو کہیں دو دل بھی نہیں ایک
دل تم نے لیا دین لیا مال نہ چھوڑا — باقی ہے مرے پاس فقط جان حزیں ایک
ہر ایک کو دو تم نے کیا تیغ ستم سے — اب رہ گئے ہو عرصۂ ہستی میں تمھیں ایک

کیا جانئے سید تھے حق آگاہ کہاں تک — سمجھے نہ کہ سیدھی ہے مری راہ کہاں تک

منطق بھی تو اک چیز ہے اے قبلہ و کعبہ
دے سکتی ہے کام آپ کی واللہ کہاں تک

افلاک تو اس عہد میں ثابت ہوئے معدوم
اب کیا کہوں جاتی ہے مری آہ کہاں تک

کچھ صنعت و حرفت پہ بھی لازم ہے توجہ
آخر یہ گورنمنٹ سے تنخواہ کہاں تک

مرنا بھی ضروری ہے خدا بھی ہے کوئی چیز
اے حرص کے بندے ہوس جاہ کہاں تک

تحسین کے لائق ترا ہر شعر ہے اکبر
احباب کریں بزم میں اب واہ کہاں تک

مل گیا شرع سے شراب کا رنگ
خوب بدلا غرض جناب کا رنگ

چل دیے شیخ صبح سے پہلے
اڑ چلا تھا ذرا خضاب کا رنگ

پائی ہے تم نے چاند سی صورت
آسمانی رہے نقاب کا رنگ

صبح کو آپ ہیں گلاب کا پھول
دوپہر کو ہے آفتاب کا رنگ

لاکھ جانیں نثار ہیں اس پر
دیدنی ہے ترے شباب کا رنگ

ٹکٹکی بندھ گئی ہے بوڑھوں کی
دیدنی ہے ترے شباب کا رنگ

جوش آتا ہے ہوش جاتا ہے
دیدنی ہے ترے شباب کا رنگ

رند عالی مقام ہے اکبر
بو ہے تقوی کی اور شراب کا رنگ

عزیزان وطن پوچھیں سولسروس سے کیا حاصل
یگانوں میں رہو بیگانہ ہو کر اس سے کیا حاصل

نہ سحر چشم جاناں ہے نہ لطف غمزۂ ساقی
تو پھر صحن چمن میں دیدۂ نرگس سے کیا حاصل

نہ ہو ادراک خالق کا نہ ابھرے شوق طاعت کا
تو ایسے ذہن سے اکبر اور ایسے حس سے کیا حاصل

گو چکا چوند کا عالم ہے نئی روشنی میں
ہے مگر پیش نظر عرش کا تارا اسلام

رغبت کفر سے اللہ بچائے سب کو
نور افگن رہے ہر سینہ میں پیارا اسلام

انکی خواہش ہے مری نسبت ہو جو کچھ وہ جانیں
میں تو کرتا ہوں دعا لائیں نصارا اسلام

انکے مضبوط جہازوں کی مددگار رہے آگ
میری ٹوٹی ہوئی کشتی کا سہارا اسلام

خوفِ حق الفتِ احمد کو نہ چھوڑ اے اکبر
منحصر ہے انھیں دو لفظوں پہ سارا اسلام

قرار نہیں ذرا بھی مجھے یہ کیسی حیا ہے کہو تو صنم
اٹھو بھی لب اب کرو نہ غضب گذر گئی شب خدا کی قسم

فراق کی شب نہ ہوگی سحر اجل سے کہو کہ آئے ادھر
عذاب میں ہوں نجات ملے کہاں تلک اب ہو نہیں ستم

خوشی کبھی ہوئی الم بھی ہوا مزے بھی ملے ستم بھی سہے
نکل چکی دل کی ساری ہوس نظر میں ہے اب سوادِ عدم

ہوئے ہیں مست مے عاشقی کے جام سے ہم
خوشا نصیب چھٹے عاقلی کے دام سے ہم

نہیں کوئی شبِ تارِ فراق میں دل سوز
خموش شمع ہے خود جل رہے ہیں شام سے ہم

زمانہ جس کو مٹائے بھلا سکے خلق جسے
عبث ہے خوش ہوں جو ایسے نشان و نام سے ہم

خوشی بہت ہے جہاں میں ہمارے گھر نہ سہی
ملول کیوں رہیں دنیا کے انتظام سے ہم

خوشامدی کو مبارک ہو رات دن چکر
یہاں تو رکھتے ہیں بس کام اپنے کام سے ہم

اخیر عمر میں آیا ہمیں خیالِ مآل
بہت دنوں میں ہوئے واقف اپنے کام سے ہم

گناہ کیا جو کہیں ہم بھی السلام علیک
کہ لطف اٹھاتے ہیں اُس بت کی رام رام سے ہم

ہمیں ہے یاد وہ عہد الست اے غافل
بہل سکیں گے نہ دنیا کی دھوم دھام سے ہم

چلا ہے فلسفہ لے کر ہمیں سوئے ظلمات
بہت ہی تنگ ہیں اس اسپِ بے لگام سے ہم

خیالِ یار میں الجھا ہوا ہے تارِ نفس
کبھی نہوں گے رہا عاشقی کے دام سے ہم

جبیں کے عشق سے آخر بچی نہ جان اپنی
تمام ہو گئے اس ماہِ ناتمام سے ہم

اگر وہ کہتے ہیں املی تو ہم کہیں گے یہی
ضرور کیا ہے کریں بحث جا کے آم سے ہم

ملا نہ امن شبستانِ دہر میں دم بھر
چراغ صبح رہے اس جہاں میں شام سے ہم

اب اور چاہیئے نیٹو کے واسطے کیا بات
یہی بہت ہے مشرف ہوئے سلام سے ہم

نگاہ پیر مغاں کہتی ہے مریدوں سے
فلک کے دور میں ہارے ہیں بازی اقبال
ہماری کوہ نوردی نہیں ہے بے معنی
ہمیں خراب کرے گا خیال ابروئے یار
سنا ہے حلت بادہ کا ہو گیا فتوا
لیے ہیں ہاتھ میں نامہ کھڑا ہے چپ قاصد
اشارہ کرتی ہے ساقی کی چشم مست اکبر

رہ سلوک میں واقف ہیں ہر مقام سے ہم
اگرچہ شاد تھے بدتر ہیں اب غلام سے ہم
کرانس رکھتے ہیں اک کبک خوشخرام سے ہم
مفر نہ پائیں گے اس تیغ بے نیام سے ہم
خدا نے فضل کیا بچ گئے حرام سے ہم
پتا ہے گھر کا نہ واقف ہیں انکے نام سے ہم
کہ دو جہاں کو بھلاتے ہیں ایک جام سے ہم

چھڑی اٹھائی خموشی سے چل دیے اکبر
سفر میں رکھتے نہیں کام ٹیم ٹام سے ہم

دل مایوس میں وہ شورشیں برپا نہیں ہوتیں
مری بیتابیاں بھی جزو ہیں اک میری ہستی کی
دہی پریاں ہیں اب بھی راجہ اندر کے اکھاڑے میں
یہاں کی عورتوں کو علم کی پروا نہیں بیشک
تعلق دل کا کیا باقی میں رکھوں بزم دنیا سے
ہوا ہوں اسقدر افسردہ رنگ باغ ہستی سے

امیدیں اسقدر ٹوٹیں کہ اب پیدا نہیں ہوتیں
یہ ظاہر ہے کہ موجیں خارج از دریا نہیں ہوتیں
مگر شہزادۂ گلفام پر شیدا نہیں ہوتیں
مگر یہ شوہروں سے اپنے بے پروا نہیں ہوتیں
وہ دلکش صورتیں اب انجمن آرا نہیں ہوتیں
ہوائیں فصل گل کی بھی نشاط افزا نہیں ہوتیں

قضا کے سامنے بیکار ہوتے ہیں حواس اکبر
کھلی ہوتی ہیں گو آنکھیں مگر بینا نہیں ہوتیں

سانس لیتے ہوئے بھی ڈرتا ہوں
اُن کا گھر چھوڑ کر کہاں جاؤں
ہوں اسیر طلسم بحر فنا
بحر ہستی میں ہوں مثال حباب

یہ نہ سمجھیں کہ آہ کرتا ہوں
دل ہی کیسا تھ میں ٹھہرتا ہوں
نقش بر آب ہی میں بھرتا ہوں
مٹ ہی جاتا ہوں جب اُبھرتا ہوں

اتنی آزادی بھی غنیمت ہے　　سانس لیتا ہوں بات کرتا ہوں
شیخ صاحب خدا سے ڈرتے ہوں　　میں تو انگریزوں ہی سے ڈرتا ہوں
لن ترانی نہیں ہے مانع عشق　　میں ترے نام ہی پہ مرتا ہوں
آپ کیا پوچھتے ہیں میرا مزاج　　شکر اللہ کا ہے مرتا ہوں

یہ بڑا عیب مجھ میں ہے اکبر
دل میں جو آئے کہہ گزرتا ہوں

فلسفی کو بحث کے اندر خدا ملتا نہیں　　ڈور کو سلجھا رہا ہے اور سرا ملتا نہیں
معرفت خالق کی عالم میں بہت دشوار ہے　　شہر تن میں جبکہ خود اپنا پتا ملتا نہیں
غافلوں کے لطف کو کافی ہے دنیاوی خوشی　　عاقلوں کو بے غم عقبیٰ مزا ملتا نہیں
کشتی دل کی الٰہی بحر ہستی میں ہو خیر　　ناخدا ملتے ہیں لیکن باخدا ملتا نہیں
غافلوں کو کیا سناؤں داستان عشق یار　　سونے والے ملتے ہیں درد آشنا ملتا نہیں
زندگانی کا مزا ملتا تھا جن کی بزم میں　　ان کی قبروں کا بھی اب مجھ کو پتا ملتا نہیں
صرف ظاہر ہو گیا سرمایۂ زیب و صفا　　کیا تعجب ہے جو باطن باصفا ملتا نہیں
پختہ طبعوں پر حوادث کا نہیں ہوتا اثر　　کوہساروں میں نشان نقش پا ملتا نہیں
شیخ صاحب برہمن سے لاکھ برتیں دوستی　　بے بھجن گائے تو مندر سے ٹکا ملتا نہیں
جس پہ دل آیا ہے وہ شیریں ادا ملتا نہیں　　زندگی ہے تلخ جینے کا مزا ملتا نہیں
لوگ کہتے ہیں کہ بدنامی سے بچنا چاہئے　　کہہ دو بے اس کے جوانی کا مزا ملتا نہیں
اہل ظاہر جس قدر چاہیں کریں بحث و جدال　　میں یہ سمجھا ہوں خودی میں تو خدا ملتا نہیں
چل بسے وہ دن کہ یاروں سے بھری تھی انجمن　　ہائے افسوس آج صورت آشنا ملتا نہیں
منزل عشق و توکل منزل اعزاز ہے　　شاہ سب بستے ہیں یاں کوئی گدا ملتا نہیں
بار تکلیفوں کا مجھ پر بار احساں سے ہے سہل　　شکر کی جا ہے اگر حاجت روا ملتا نہیں

چاندنی راتیں بہار اپنی دکھاتی ہیں تو کیا
بے ترے مجھ کو تو لطف اے مہ لقا ملتا نہیں

معنی دل کا کرے اظہار اکبر کس طرح
لفظ موزوں بہر کشف مدعا ملتا نہیں

کس قدر بے فیض ان روزوں ہوا ہے دہر ہے
بوئے گل کو دامن باد صبا ملتا نہیں

فیض باطن سے مدد لے عشق کا ہو جا مرید
اہل ظاہر کے لڑائے تو خدا ملتا نہیں

ڈھونڈھتے ہیں لوگ اس دنیا میں اطمینان دل
کچھ بھی لیکن داغ حسرت کے سوا ملتا نہیں

نیشنل وقعت کے گم ہونیکا ہے اکبر کو غم
آئیڈیل عزت کا اس کو کچھ مزا ملتا نہیں

دل کی ہمدردی سے کچھ تسکین ہوتی تھی مگر
اب تو اس مظلوم کا بھی کچھ پتا ملتا نہیں

بیکسی میری نہ پوچھ اے جادۂ راہ طلب
کارواں کیسا کہ کوئی نقش پا ملتا نہیں

اسکو ارباب طریقت میں کروں میں کیا شمار
آپ کی زلفوں سے جس کا سلسلہ ملتا نہیں

جب کہا میں نے مرا دل مجھ کو واپس کیجئے
ناز و شوخی سے وہ بولے کھو گیا ملتا نہیں

جب کہیں ملتا ہے کرتا ہے نہ ملنے کا گلہ
اور جو ملنے جاتا ہوں مرد خدا ملتا نہیں

یوں کہو دل آؤں لئے لیکن اکبر سچ یہ ہے
دل نہیں ملتا تو ملنے کا مزا ملتا نہیں

پھر اور کون ہو گا جو آ گے ہمارے کام
ہو گئے شریک حال ہمارے نہ جب تمہیں

دنیا کے انتظام پہ اکبر نہ ہو ملول
انصاف یہ نہیں ہے کہ پا جاؤ سب تمہیں

یہ نقد نہیں ہے کافی کہ مرا مزاج پوچھیں
مرے درد دل کو سمجھیں مری احتیاج پوچھیں

تھا زمانہ کل موافق مجھے پوچھتا تھا ہر اک
میں تو انکو دوست سمجھوں کہ جو مجھ کو آج پوچھیں

جنھیں تیری لو لگی ہے وہ جہاں سے بیخبر ہیں
نہ وہ مال و جاہ ڈھونڈھیں نہ وہ تخت و تاج پوچھیں

جو مرض ہے ہم کو لاحق وہی شرط زندگی ہے
جو نہ چاہیں اپنا جینا تو کوئی علاج پوچھیں

نہ خود اُن کو کاوش ہے نہ کر اشتیاق اکبر
انھیں کیا غرض ہے ایسی کہ ترا مزاج پوچھیں

موسمِ گل میں صبا کو جو ہوئی ناچ کی دُھن
لحنِ بلبل سے بھی پیدا ہوئی کہ ناچ کی دُھن

یہ کلاک اپنے سروں میں تو بجا کرتی ہے
مفت پیدا ہوئی ہے آپکو کیوں ناچ کی دُھن

نغمہ سنجی سے کبھی آتی تھی خواتین کو شرم
سازِ مغرب سے مگر ہوگئی اب ناچ کی دُھن

کبھی دل کی تنگ گلی ہے کہ گشت ہے کہ میں سارے جہاں کی سیر کروں
کبھی طبع میں ہے یہ مزاج ساقی بھرے کہ خود اپنی خودی کو فنا کروں

مجھے پیاری اگرچہ ہے جان مگر اسے سوا یہ عزیز نہیں
ذرا گھڑی بھی کبھی تو آ کے یاد ان کی نظر ان انھیں یہ اسکو نثار کروں

کبھی غنچہ ہے یہ کبھی شعلہ ہے یہ کبھی آئینہ ہے کبھی قطرۂ خوں
یہ ہے صفحۂ دہر پہ دل کا جو رنگ اسے کون سی میں شمار کروں

فتنہ نہیں فساد نہیں شور و شر نہیں
یاں زن نہیں زمین نہیں اور زر نہیں

مانا کہ ہر طرح سے میں بے اختیار ہوں
پر یہ بتاؤ تم کو خدا کا بھی ڈر نہیں

دل زیست سے بیزار ہے معلوم نہیں کیوں
سینے میں نفس بار ہے معلوم نہیں کیوں

اقرارِ وفا یار نے ہر اک سے کیا ہے
مجھ سے ہی بس انکار ہے معلوم نہیں کیوں

ہنگامۂ محشر کا تو مقصود ہے معلوم
دہلی میں یہ دربار ہے معلوم نہیں کیوں

جس سے دلِ رنجور کو پہونچی ہو اذیت
پھر اسکا طلبگار ہے معلوم نہیں کیوں

اے گل ترا نظارہ دل آویز ہے لیکن
پہلو میں ترے خار ہے معلوم نہیں کیوں

افلاس میں مستی تو مجھے خوش نہیں آتی
ساقی کو یہ اصرار ہے معلوم نہیں کیوں

انداز تو عشاق کے پائے نہیں جاتے
اکبر جگر افگار ہے معلوم نہیں کیوں

جینے پہ تو جاں اہلِ جہاں دیتے ہیں اکبر
پھر یہ تجھے دشوار ہے معلوم نہیں کیوں

بھولے پن سے وہ پوچھتے ہیں تیری خاطر کیا کریں
اس محل پر رازِ دل ہم اُن پہ ظاہر کیا کریں

ہیں کلکٹر ضلع میں اعلیٰ کمشنر ہیں وہ مجدد
جب خدا ہی ہوگیا حاضر تو ناظر کیا کریں

آنکھیں آنکھوں کی خطا کیا خود ہیں ہم الفت میں مست
آپ ہم ایمان چھوڑیں تو یہ کافر کیا کریں
نشّے میں کیں ہاتھ جوڑے سر قدم پر رکھ دیا
پھر بھی ہو تیوری چڑھی ہم پر اب آخر کیا کریں

بحثیں فضول تھیں یہ کھلا حال دیر میں
افسوس عمر کٹ گئی لفظوں کے پھیر میں
ہے ملک اُدھر تو قحط زدہ اُسراف یہ غلط
کشتے وہ کھا کے پیٹ بھرے پان سیر میں
ہیں غش میں شیخ دیکھ کے حُسنِ مس فرنگ
بچ بھی گئے تو ہوش اُنھیں آئے گا دیر میں
چھوٹا اگر میں گردشِ تسبیح سے تو کیا
اب پڑ گیا ہوں آپ کی باتوں کے پھیر میں

صبا نے دفترِ گل کے بہت ورق اُلٹے
گروہ بوئے معانی روئے یار کہاں
میں خاک میں بھی اگر مل گیا تو کیا اُمید
وہ آستانہ کہاں اور مرا غبار کہاں
خیال ایسا نہ فرمائیے مری نسبت
بھلا حضور کہاں اور یہ خاکسار کہاں

ہجر کی رات یوں ہو نہیں حسرتِ قدِ یار میں
جیسے لحد میں ہو کوئی حشر کے انتظار میں
دل ہے ملولِ فرقتِ قامتِ سروِ یار میں
بھاڑ میں جائیں سرو و گل آگ لگے بہار میں
سوزِ نہاں سے ہے فرقتِ شمعِ جمالِ یار میں
آگ سی ہے لگی ہوئی رشتۂ جانِ زار میں
کیا میں خوشی سے ہوں بسا گو خمِ زلفِ یار میں
کوئی بلائیں کیوں پھنسے دل ہو جو اختیار میں
ہونے دے انقلابِ چرخ کوہِ الم کو لے اُٹھا
وزن اگر سبک نہ ہو دیدۂ اعتبار میں
پایا ہوائے دہر کو دشمنِ انبساطِ دل
کھلتے ہیں کب گلِ مراد گلشنِ روزگار میں
کر دیا ایسا زار و خشک منزلِ عشق نے مجھے
خار چبھوگا مجھ میں کیا میں ہی چھپا ہوں خار میں
آئی نسیم باغ میں میرے یہاں نہ آئے تم
لالہ و گل بہت کھلے دل نہ کھلا بہار میں
مستیٔ عشق کا مزا عہدِ شباب ہی میں ہے
بادہ کشی کا لطف اگر ہے تو فقط بہار میں
مہرِ کرم نے آپ کے ذرّہ نوازیاں یہ کیں
بات تو ورنہ کچھ نہ تھی بندۂ خاکسار میں
تم تو بھلا کے وعدے کو شام سے پڑ کے سو رہے
جاگا کیا میں صبح تک حسرتِ انتظار میں
سینے سے تیرے متصل شاید اسے قرار ہو
گوندھ لے میرے دل کو بھی اپنے گلے کے ہار میں

ان مدعیوں کا طرز عمل اکبر یہ شہادت دیتا ہے
پڑھنے کو کتابیں پڑھ لی ہیں سمجھے یہ مگر کچھ خاک نہیں

پیش کر دینا شکایت کا تو کچھ مشکل نہیں
لیکن ان کو رنج ہوگا مجھ کو کچھ حاصل نہیں

عاشقوں کی زیست پر کیونکر نہ رشک آئے مجھے
زندگی کو کبھی فرصت ہے پھر موت سے غافل نہیں

کیا ترقی طالب دنیا کی جانب رخ کرے دل
دل کو ہو جس میں سکوں ایسی کوئی منزل نہیں

قوم میں گو علم پھیلے بھی ہوائے زندگی
جان کیا پیدا ہو جب دو شخص بھی یکدل نہیں

مشرقی تو سر دشمن کو کچل دیتے ہیں
مغربی اس کی طبیعت کو بدل دیتے ہیں

ناز کیا اس پہ جو بدلا ہے زمانے نے تمہیں
مرد وہ ہیں جو زمانے کو بدل دیتے ہیں

حضرت ہوش ہیں گو دل کے وفادار رفیق
آپ کی یاد جو آتی ہے تو چل دیتے ہیں

تخت کے قابض وہی دیہیم انکے ہاتھ میں
ملک ان کا رزق کی تقسیم انکے ہاتھ میں

برق کی صورت پہونچتا ہے طبائع پر اثر
آگیا تار امید و بیم انکے ہاتھ میں

ہم کو سایے پر جنوں وہ دھوپ میں مصروف کار
مس پہ ہو اپنی نظر اور سیم انکے ہاتھ میں

صبر باقی ہے نہ ہم میں باہمی اعزاز ہے
سب کی ہے تذلیل اور تعظیم انکے ہاتھ میں

شیخ کی جانب کوئی جاتا نہیں سکتے ہیں سب
ہے فقط اب کوثر و تسنیم انکے ہاتھ میں

مغربی رنگ روش پر کیوں نہ آئیں اب قلوب
قوم ان کے ہاتھ میں تعلیم انکے ہاتھ میں

خوب تر ہم سے ہیں انکے دل میں اخلاقی اصول
گو نہیں ہے دین ابراہیم انکے ہاتھ میں

جج بنا کر اچھے اچھوں کا لبھا لیتے ہیں دل
ہیں نہایت خوش کہ ہو جیم انکے ہاتھ میں

مغرب ایسا ہی رہا اور ہے اگر مشرق یہی
ایک دن دیکھیے ہفت اقلیم انکے ہاتھ میں

دلیلیں فلسفہ کی نور باطن کر نہیں سکتیں
کواکب کی شعاعیں رات کو دن کر نہیں سکتیں

ضروری چیز ہے اک تجربہ بھی زندگانی میں
تجھے یہ ڈگریاں بوڑھوں کا ہمسن کر نہیں سکتیں

طلب کر دین سے اے محو نیچر جوش باطنی
صدائیں مرغ کی بیکار موذن کر نہیں سکتیں

جہاں کی زینتیں راحت رساں ہیں چشم غافل میں
مگر حق جو کے مضطر دل کو ساکن کر نہیں سکتیں

کچھ نہ پوچھ اے ہمنشیں میرا نشیمن تھا کہاں　　اب تو یہ کہنا بھی مشکل ہے وہ گلشن تھا کہاں

سامنے وہ ہے تو کہتا حالت دل کس طرح　　ہوش میرا اسوقت میں اے ہمنشیں تھا کہاں

دل جدائی میں ہماری جان کا خواہاں ہوا　　آجتک سینے میں پوشیدہ یہ دشمن تھا کہاں

کر لیا ہے تھے ازل میں شوق سے عہد الست　　پیش چشم اسوقت یہ دیر و برہمن تھا کہاں

دہر میں تھا تعلق سے الجھتا کس طرح　　کر چکا تھا میں جنوں کی نذر دامن تھا کہاں

پرسش ہو کسی کی شان یہ ملے نازنیں نہیں　　تو ہر جگہ ہے جلوہ گر اور پھر کہیں نہیں

میں سنتے دفور شوق میں شاید سنا نہو　　یا شاید آپ ہی نے نہ کی ہو نہیں نہیں

ان تیوروں کا میں تو ہوں کشتہ شب جمال　　دل میں ہزار شوق زباں پر نہیں نہیں

دست جنوں سے قطع ہوا پیرہن مرا　　دامن نہیں ہے جیب نہیں آستیں نہیں

کیا دور طبع ہو کہ نہیں کوئی معترض　　کیا نکتہ سنجیاں ہوں کوئی نکتہ چیں نہیں

میں تم سے کیا بتاؤں کہ اسوقت ہوں کہاں　　جب تم ہو پیش چشم تو پھر میں کہیں نہیں

میری نگاہ شوق کا اللہ رے اثر　　معشوق مجھ سے لجاتے ہیں اپنی نہیں نہیں

جب سے گناہ چھوڑ دیئے سب کھسک گئے　　اب کوئی میرا دوست نہیں ہمنشیں نہیں

ہے جس کو شوق اپنی خودی کی نمود کا　　سچ پوچھئے تو اُس کو خدا پر یقیں نہیں

طالب خدا کی راہ میں سر رکھے مثل ماہ　　نور جبیں کہاں ہو جو داغ جبیں نہیں

اکبر ہمارے عہد کا اللہ رے انقلاب　　گویا وہ آسماں نہیں وہ زمیں نہیں

یہ تماشے ہیں یہیں زیر زمیں تو کچھ نہیں　　زندگی جب تک ہے سب کچھ ہے نہیں تو کچھ نہیں

وہ یہ کہتے ہیں کہ دنیا ہی میں ہے سب کچھ حضور　　میں یہ کہتا ہوں کہ اے حضرت یہیں تو کچھ نہیں

کار دنیا شوق سے کرتے رہو اے دوستو　　لیکن اسکے ساتھ بگڑا کار دیں تو کچھ نہیں

ان کا گھر اور ان کی باتیں دیکھ کر کہنا پڑا　　قصر عالی شان ہے لیکن مکیں تو کچھ نہیں

ہوائے نفس کا طوفاں ہے بحر زندگانی میں
خدا محفوظ رکھے کشتیٔ دل کو جوانی میں

نہیں جمتا کسی کا نقش اس دنیائے فانی میں
حباب آسا مٹا ابھرا جو بحر زندگانی میں

حباب آسا رہی وقعت جو ابھرا زندگانی میں
عبث ہے خودنمائی کی ہوا اس بحر فانی میں

سکون قلب کی دولت کہاں دنیائے فانی میں
بس اک غفلت سی ہو جاتی ہے اور وہ بھی جوانی میں

تری پاکیزہ صورت کر رہی ہے حسن ظن پیدا
مگر آنکھوں کی مستی ڈالتی ہے بدگمانی میں

اجل کی نیند آجاتی ہے آخر سننے والے کو
قیامت کا اثر پاتا ہوں دنیا کی کہانی میں

نسیم صبحگاہی نکہت گل سے ہے بے پروا
مگر گیسو ترے مصروف ہیں عنبر فشانی میں

حباب اپنی خودی سے بس یہی کہتا ہوا گذرا
تماشا تھا ہوا نے اک گرہ دیدی تھی پانی میں

نہ پوچھ اے ہمنشیں وہ قصۂ عیش و طرب ہم سے
کسے اب یاد ہے اک خواب دیکھا تھا جوانی میں

کمر کا کیا ہوں عاشق کھل گئی زلف دراز انکی
مگر خود پڑ گئی ہے اک بلائے آسمانی میں

اسی صورت میں دلکش خوبی الفاظ ہوتی ہے
کہ حسن یار کا پیدا کرے جلوہ معانی میں

زبان حال سے پروانۂ بسمل یہ کہتا ہے
حضوری ہو اگر حاصل مزا ہے نیم جانی میں

فلک نے مضمحل کر کے ہمیں خس کر دیا آخر
بہے جاتے ہیں بے مقصود بحر زندگانی میں

دلا اے شکر کر کے احتراز اولیٰ ہے اے اکبر
ہزاروں آفتیں شامل ہیں ان کی مہربانی میں

پریشاں ہوش کو کرتے ہیں گھڑی دو لکے کرتے ہیں
مگر عاقل بھی ہیں کرتے ہیں جو کچھ مانگے کرتے ہیں

حریفوں سے لگاوٹ کرتے ہیں آپسمیں لڑتی ہیں
یونہیں بربادیاں آتی ہیں یونہیں گھر بگڑتے ہیں

خوشامد کرتے ہیں غیر ذکی اور آپسمیں لڑتے ہیں
یونہیں بربادیاں آتی ہیں یونہیں گھر بگڑتے ہیں

بزرگوں سے عداوت دوستی بادہ فروشوں سے
اور اس پر مدعی تہذیب کے بنکر اکڑتے ہیں

الجھنا زلف مغرب میں وہ کہتا ہے رہ دنیا
مگر دینی مقاصد میں ہزاروں پیچ پڑتے ہیں

تعجب نخوت اہل زمیں پر مجھ کو آتا ہے
یہ اس پر کیوں اکڑتے ہیں کہ جسمیں مرکے گڑتے ہیں

ہمارا جوش ہیں آ نا دکھا ہی دیگا رنگ اپنا
ابھی ہیں مسکیٹ میں ہم مثلِ گوشے میں مستور ہیں

تحیر آپ کی غزلوں پر آتا ہے مجھے اکبر
بتوں پر آپ مرتے ہیں کہ شیطانوں سے لڑتے ہیں

ضرورت جب نہیں ہے طبع کا کیوں رخ بدلتے ہیں
چمن ہوتے ہوئے بیٹھا کدہ کا شو نہیں چلتے ہیں

عوض قرآں کے اب ہے ڈارون کا ذکر یاد نہیں
جہاں تھے حضرت آدم وہاں بندر اچھلتے ہیں

ہمارا داغ دل کرتا ہے روشن بزم معنی کو
تو کیا شکوہ اگر ہم مغربی غزلوں سے جلتے ہیں

واعظا ہمیں یہ وعظ کا دفتر سنائے کیوں
ہم پوچھتے ہیں عالم ہستی میں آئے کیوں

موسیقی و شراب و جوانی و حسن و ناز
بچتا ہے کون اور خدا بھی بچائے کیوں

حاصل نہیں کیا ایک سے جو افسانہ حسرت کہتے ہیں
عاقل تو وہی ہیں اے اکبر جو سمجھتے ہیں اور چپ رہتے ہیں

ہم شائق جدائی آپکی اب دن رات پریشاں رہتے ہیں
ہم آپکو بیجا چاہتے ہیں دلسے ہیں فقط اسیح کہتے ہیں

ہر بار شریعت بھی ہمکو ہیں عشق کی لہریں بھی دیں
پابند ہیں ساحل مذہب کے دریا کی طرح سے بہتے ہیں

اکبر کی برائی اچھائی تو پوچھ محلے والوں سے
نظم انکی سنی ہے البتہ ہاں شعر تو اچھے کہتے ہیں

وزن اب ان کا معین نہیں ہو سکتا کچھ
برف کی طرح مسلمان گھلے جاتے ہیں

داغ اب انکی نظر میں ہیں شرافت کے نشاں
نئی تہذیب کی موجوں سے دھلے جاتے ہیں

علم نے رسم سے مذہب نے جو لی تھی بندش
ٹوٹی جاتی ہے وہ سب بند کھلے جاتے ہیں

تیغ کو وجد میں لائی ہیں پیانوں کی گتیں
پیچ دستار فضیلت کے کھلے جاتے ہیں

تمھیں جو دیکھ لے پھر کیا وہ محو حور جنت ہو
قیامت گو کہ برحق ہے مگر تم بھی قیامت ہو

مرگ گنگوں کی جانب دل بہت کھنچتا ہے اے اکبر
مگر مشکل یہی ہے شیخ جی سن لیں تو آفت ہو

جس کو سارا قصہ عہد جوانی یاد ہو
کیا عجب ہے عہد پیری میں جو وہ ناشاد ہو

شوخ ایسا ہے کہ اس بت کو اگر کافر کہو
ہنس کے کہتا ہے کہ پیارا لفظ ہے یہ پھر کہو

جو کہو چھا جائے ان آنکھوں پہ مستی کی طرح
فتنۂ دوراں کہو ساقی کہو ساحر کہو

قیمت دل سن کے کہتے ہو کہ سودا ہو مجھے
خیر سودا ہی سہی تم بھی تو کچھ آخر کہو

خوشدلی عشق میں دستور یہی ہے کہ نہ ہو
ہاں اور ان کو بھی تو منظور یہی ہے کہ نہ ہو

مرض عشق بھی کیا چیز ہے جس سے صحت
آرزوئے دل رنجور یہی ہے کہ نہ ہو

جلایا دل کو تڑپایا جگر کو
خدا رکھے سلامت اس نظر کو

دل سوزاں کی گرمی بڑھتی ہی اور
خدا کے واسطے پہلو سے سرکو

جدائی مار ہی رکھتی ہے اکبر
سنبھالو دل کو یا روکو نظر کو

آبرو چاہو اگر انگریز سے ڈرتے رہو
ناک رکھتے ہو تو تیغ تیز سے ڈرتے رہو

ہو مصیبت تو نہیں کچھ خوف سیل اشک سے
عیش ہو تو نفس طوفاں خیز سے ڈرتے رہو

دید نرگس سے چمن میں لطف اٹھاؤ بے خطر
لیکن اس چشم جنوں انگیز سے ڈرتے رہو

تا بہ سینہ گردنیں جھکنے لگیں تسلیم کو
درد دل اٹھا خیال یار کی تعظیم کو

گردن محراب مسجد خم ہوئی تسلیم کو
اٹھی آواز اذاں اسلام کی تعظیم کو

طفل دل نے مکتب ادراک میں رکھا جو پاؤں
عشق پیدا کر دیا اللہ نے تعلیم کو

فہم و ادراک میں ہو عقل میں ہو جان میں ہو
حق تو یہ ہے کہ تمھیں جلوہ گر انسان میں ہو

ہاتھ ہو کام میں اور دل ترے ارمان میں ہو
ہے یہی طرز عمل خوب جو امکان میں ہو

میں تو سو جان سے مرتا ہوں مری جان تم پر
تم مری جان بچاؤ اگر امکان میں ہو

چاند پیارا ہے تو کیا اس سے سوا پیارا ہے
صحن میں بیٹھے ہیں کیوں یار جو دالان میں ہو

پیاری صورت پہ تو انساں کو آتا ہی ہے پیار
دل کو دیکھیں کوئی صاحب اگر امکان میں ہو

حسن جس چیز میں ہو دیکھ کے خوش کر دل کو
بند کر لے مگر آنکھیں اگر انسان میں ہو

جھوٹ سے نفرت کلی ہو طمع سے پرہیز
ہو نہ کچھ اور پر اتنا تو مسلمان میں ہو

دل جہاں ہوگا وہاں عشق بھی ہوگا پیدا
خواہ افریقہ میں ہو خواہ پرستان میں ہو

ہے غلامی ہی جو قسمت میں تو ہو لطف کے ساتھ
کہہ دو ہندی سے کہ آباد پرستان میں ہو

آپ کی آنکھ میں کس نے یہ بھرا ہے جادو
اسکا ایما ہے کہ لغزش مرے ایمان میں ہو

کاہلی اور توکل میں بڑا فرق ہے یار
اُٹھو کوشش کرو بیٹھے ہوئے کس دھیان میں ہو

ٹھیک ہو دل کی جو نسبت تو اثر دیں نالے
سُر میں آواز ہو اکبر تو مزا تان میں ہو

ممکن نہیں کہ عشق ہو اور دل حزیں نہ ہو
میرا ہی حال دیکھ لے جس کو یقیں نہ ہو

گرم نظارہ ہر اک سمت سر راہ نہ ہو
رہزن عقل کوئی صورت دل خواہ نہ ہو

شارح معنی حسن بت دل خواہ نہ ہو
فہمیں قاصر ہوں خلقت کہیں گمراہ نہ ہو

یار کے دل میں اثر ہو یہ ہے مقصود کلام
اسکی پروا نہیں محفل میں اگر واہ نہ ہو

یہ چمک اسکی ہو اے جان تمہارے دم سے
تم جو پہلو میں نہ ہو لطف شب ماہ نہ ہو

قلقل شیشہ کو سنئے تو ذرا حضرت شیخ
دیکھئے تو کہیں اس قل میں ہو اللہ نہ ہو

جانتا ہوں میں شب وصل کی کوتاہی کو
یہ دُعا ہے کہ مری عمر سے کوتاہ نہ ہو

یہ ادائیں یہ لگاوٹ یہ بلا کی چتون
میں تو کیا ضبط فرشتوں سے بھی اللہ نہ ہو

اک زمانہ ہے مرے قصۂ غم سے واقف
اس کا باعث جو ہے شاید وہی آگاہ نہ ہو

بے رخی اُس بت کمسن کی نہیں باعث یاس
نظر شوق سے شاید ابھی آگاہ نہ ہو

کیوں گلابی کے عوض پہنا ہے جوڑا کاہی
طعنہ زن گل پہ مری جان کہیں کاہ نہ ہو

شیخ کہتا ہے برائی بت خوش رو کی کرو
دل دھڑکتا ہے کہ ناخوش کہیں اللہ نہ ہو

چشم کافر کا اشارہ ہے کہ ایماں کیسا
چہرہ ہنستا ہے کہ دیکھو کوئی گمراہ نہ ہو

اک ترحم کی نظر یار نے کی ہے آخر
دل سے نکلے تو کہاں تک اثر آہ نہ ہو

ق

اپنے ہاتھوں سے جو دو تخلیہ میں جام شراب / شیخ صاحب کو ذرا عذر بھی واللہ نہ ہو

اور سوا اسکے وہ اک شخص ہیں معقول پسند / غالباً جاڑوں میں یوں بھی انھیں اکراہ نہ ہو

جوشش گریۂ پیہم کا ہو باعث رخ یار / جزر و مد ہو نہ سمندر میں اگر ماہ نہ ہو

ہو نمود اور حسینوں کی جو چلے جائیں جو آپ / رونق آ جائے کواکب میں اگر ماہ نہ ہو

میں سمجھتا ہوں کہ حوریں جو نہوں جنت میں / تو عزازیل پھر انسان کا بدخواہ نہ ہو

دوست کا دوست نہو جو۔ وہ مرا دشمن ہے / نہ ملے مجھ سے وہ۔ اسکا بہی خواہ نہ ہو

سالک راہ محبت کو خرد سے کیا کام / وہ تو چاہے گا کہ خود ہوش بھی ہمراہ نہ ہو

خرچ کیسا ہیں فقط جمع کے شائق احباب / میں تو خوش ہوں اگر افزائش تنخواہ نہ ہو

گل پہ بلبل بھی فدا باد صبا بھی صدقے / صورت اچھی ہو تو پھر کون ہوا خواہ نہ ہو

نرگس مست تری قاتل عالم نکلی / کہیں صیاد اجل کی یہ کمیں گاہ نہ ہو

پھر جو آئی ہے شب ہجر تو آ جا اے اجل / ایسی تکلیف مجھے پھر مرے اللہ نہ ہو

منتوں کی ادھر افراط ادھر کھٹکوں کی / ڈھونڈھتا ہوں وہ شہر کہ جہاں کوئی درگاہ نہ ہو

زلف ابجد کی کہیں نفی نہ کر دے ہندی / لام کی جا کہیں لا اسے مرے اللہ نہ ہو

مرد آزاد ہوں مجھ سے یہ تکلف کیسا / بس مرے ساتھ تو یہ واللہ باللہ نہ ہو

دسترس صید پہ حاصل تجھے ہو خواہ نہو / شیر ہی بن کے نکل صورت روباہ نہ ہو

ذوق آرام بجا شوق تعلّے بیجا / طلب رزق ہو لیکن ہوس جاہ نہ ہو

دل کو بے عشق حقیقی نہیں ہوتی حرکت / وہیں چلتی ہے یہ کشتی کہ جہاں تھاہ نہ ہو

خیرخواہ آج زمانے میں کہاں ملتے ہیں / ہے یہی لاکھ غنیمت کوئی بدخواہ نہ ہو

محو تمکیں رہے نفرت ہو سبک دینی سے / صورت کوہ ہو انسان صفت کاہ نہ ہو

شرک ہے اپنی خودی کا اگر آتا ہے خیال / کفر ہے جان سے پیارا اگر اللہ نہ ہو

یا قدم منزل یوسف میں نہ رکھ اے طالب / یا نہ کر شرط کہ واں گرگ نہ ہو چاہ نہ ہو

بند کر بیٹھا ہو آنکھیں جو تمھاری دھن میں
کیا عجب شورِ قیامت بھی کبھی آگہ نہ ہو

ہے اگر منزلِ راحت کی تلاش اے اکبر
وہ جگہ ڈھونڈھ تمنا کی جہاں راہ نہ ہو

تم اگر چاہو برائی نہ کسی کی اکبر
پھر تمھارا بھی جہاں میں کوئی بدخواہ نہ ہو

شکر ہے راہِ ترقی میں اگر بڑھتے ہو
یہ تو بتلاؤ کہ قرآں بھی کبھی پڑھتے ہو

شیخ صاحب کا تعصب ہے جو فرماتے ہیں
اونٹ موجود ہے پھر ریل پہ کیوں چڑھتے ہو

یہ سوال ان کا ہے البتہ بہت بامعنی
کہ سمجھ بوجھ کے قرآں بھی کبھی پڑھتے ہو

دین کو سیکھ کے دنیا کے کرشمے دیکھو
مذہبی درس الف بے ہو علیگڑھ دستے ہو

بہت رہتی ہے حیراں دیکھ کر گو تیری قدرت کو
ادا کرتی نہیں چشمِ تماشا حق حیرت کو

بہت خوش ہے کہ قدِ لعبتِ چیں کے مطابق ہے
ہمارے طفلِ دل نے کھیل سمجھا ہے قیامت کو

سب ہو چلے ہیں اس بتِ کافر ادا کے ساتھ
رہ جائیں گے رسول ہی بس اب خدا کے ساتھ

جادو کیا یہ کس بتِ کافر نگاہ نے
اسلام میں وفا نہ رہی اتقا کے ساتھ

خوابِ اجل ہی نیند کے بدلے اب آئیگا
دیوانہ کر دیا مجھے اک شب سلا کے ساتھ

واعظ کے اعتراض سے تنگ آ گیا ہوں میں
اسکو بھی دیکھ لو کبھی تم اک ادا کے ساتھ

اکبر دعا کا ذوق ہو کیونکر نصیبِ دل
اُٹھے نہ دردِ دل بھی جو دستِ دعا کے ساتھ

کرتے ہو تم خوشامدِ دنیا بڑھا کے ہاتھ
اللہ کی طرف نہیں اُٹھتے دعا کے ہاتھ

اچھی نہیں شے کوئی محبت سے زیادہ
وہ بھی ہے بُری ہو جو ضرورت سے زیادہ

اے حسن کے مائل یہ نصیحت مری سن لے
سیرت پہ نظر چاہیئے صورت سے زیادہ

سید سے علیگڈھ میں مرا جا کر کوئی کہدے
ہے تجھ کو طلب قوم کی قسمت سے زیادہ

مجھ رند سے اسدرجہ نہ ہو محترز اے شیخ
تو پاک نہیں ہے مری نیت سے زیادہ

اک بوسہ پہ وہ ٹال گئے ہم بھی رہے چپ
سمجھے کہ کسے ملتا ہے قسمت سے زیادہ

عشق بتاں میں اکبر ناداں تیری یہ حالت توبہ توبہ
ایسے مسلم فخر حرم کی دیر میں ذلت توبہ توبہ

دیوانوں کے شور جنوں سب کا خلاصہ مجھ سے سنئے
آپ کی صورت سبحان اللہ میری شامت توبہ توبہ

مذہب چھوڑو ملت چھوڑو صورت بدلو عمر گنواؤ
صرف کلرکی کی امید اور اتنی مصیبت توبہ توبہ

ٹرکی کنجی ہے دست نجس سے چھوئے پڑے بو بھی آتی ہے اس سے
ایسی چیز سے بھائی صاحب آپکو رغبت توبہ توبہ

خرمن گل کو خزاں لیجائیگی اک بار باندھ
آشیانہ یاں نہ تو اے عندلیب زار باندھ

شعر میں اکبر یہی مضمون تو ہر بار باندھ
اے مسلماں سبحہ لے اے برہمن زنار باندھ

سر میں سودا آخرت کا ہو یہی مقصود ہو
مغربی ٹوپی پہن یا مشرقی دستار باندھ

خلق تجھ سے بیخبر ہے دے خبر خالق کو تو
تار برقی گر نہیں ہے آنسوؤں کا تار باندھ

بیکار شب کو یوں نہ سر بستر پڑا رہ
اکبر جو تجھ کو نیند نہ آئے تو شعر کہہ

بیجا فضول گوئی سے ہے مقصد سکوت
معقول بات ذہن میں آئے تو چپ نہ رہ

نام خدا بڑھے ہیں کہیں آپ بدر سے
چودہ شبیں وہاں ہیں تو یاں سال چاردہ

یہ عمر یہ جمال یہ جادو بھری نگہ
پھر اس پہ واعظوں کا یہ کہنا کہ باز رہ

ٹٹو پہ جس طرح سے ہو تازی کا ساز بوجھ
یوں بابوان ہند پہ ہے اب نماز بوجھ

کپتان اپنی موج میں ہیں ہم ہیں ڈوبتے
واللہ قوم پر ہے یہ قومی جہاز بوجھ

منصور سر کٹا کے سبکدوش ہو گیا
تھا سخت اسکے دل پہ انا الحق کا راز بوجھ

اکبر کے واسطے بھی وہی شرط پاس کی
ہر ایک پر نہ لادیئے بے امتیاز بوجھ

جو کردے حسن کو مشتاق و بیتاب
غضب ہے وہ ادائے عاشقانہ

سنا خون جگر کھاتا ہے اکبر
مبارک یہ غذائے عاشقانہ

آئینہ رکھ دے بہار غفلت افزا ہو چکی
دل سنوار اپنا جوانی خود آرا ہو چکی

خانۂ تن کی خرابی پر بھی لازم ہے نظر
زینت و آرائش قصر معلیٰ ہو چکی

تجربہ کی دیکھ لذت کر کے ترک آرزو
ہو چکی حد، ہوس عشق تمنا ہو چکی

حسن مطلق کے تصور سے بھی لے ذرا ایک جام
رشتۂ زیبا ہو چکا زلف چلیپا ہو چکی

چل بسے یاران ہمدم اٹھ گئے پیارے عزیز
آخرت کی اب کر اکبرؔ فکر دنیا ہو چکی

نکہت گل سے شمیم زلف یاد آ ہی گئی
آج تو مجھ کو نسیم صبح تڑپا ہی گئی

بادۂ عرفاں کی مستی روح کو بھا ہی گئی
عقل سر میں رہ گئی دل میں کچھ اور آ ہی گئی

اس جفا پر بھی طبیعت اس پہ پھر آ ہی گئی
اک ادا ظالم نے ایسی کی کہ وہ بھا ہی گئی

عاشقوں میں رسم عیش دنیوی رائج نہیں
قیس کب دولہا بنا لیلیٰ کہاں بیاہی گئی

اک لطافت قلب میں تھی عقل و حکمت کے سوا
رہ گئے سب وہ مگر پر تو ترا پا ہی گئی

مختلف شکلوں میں آ کر ہو گئی آخر ہوا
ابر کی کیفیت میری امید پر چھا ہی گئی

عشوہ ہائے دشمن ایماں کا اک طوفان تھا
دیکھ کر بت کو مگر یاد خدا آ ہی گئی

خوش نصیبی زال دنیا کی تعجب خیز ہے
چاہنے کے یہ نہ تھی لائق مگر چاہی گئی

مستی مے سے نظر آئی تھی تیغ بے نیام
نشۂ عشق و جنوں سے پھر بھی شرما ہی گئی

سیکھ لو بدلی سے تم طرز عمل اے عالمو
جو سمندر سے لیا تھا ہم پہ برسا ہی گئی

اپنے تمکین و تحمل پر بہت نازاں تھا میں
اک بت کافر کی چشم مست تڑپا ہی گئی

رقص کرتی ہے صبا نغمہ سرا ہے بلبل
شاہد گل کے لیے ناچ بھی ہو گانا بھی

ہر رکاوٹ کی توجیہ ہے کہ تڑپ جاتا ہے دل
کسی استاد سے تم سیکھ لو شرمانا بھی

کچھ طرز ستم بھی ہے کچھ انداز وفا بھی
کھلتا نہیں حال ان کی طبیعت کا ذرا بھی

عشوہ بھی ہے شوخی بھی تبسم بھی حیا بھی
ظالم میں اور اک بات ہے ان سب کے سوا بھی

ایمان بھی تھا علم بھی تھا عقل رسا بھی
وہ لے گئے دل اور کوئی بولا نہ ذرا بھی

الفت ہی میں کرتے ہیں شکایت بھی گلہ بھی
اب اسکو بھلا دو یہ کہہ اگر میں نے کہا بھی

سچ بات کا انکار میں کیونکر کروں اے بت
بیشک مجھے آتی ہے کبھی یاد خدا بھی

سالک کو دم تیغ ہے قطع رہ توحید
وہ ہو گیا اک آن میں جو کا جو ذرا بھی

کچھ قدر نہ کی عہد جوانی کی صد افسوس
ہم رہ گئے غفلت میں یہ آیا بھی گیا بھی

تصدیق ہوئی دیکھ کے وہ قامت زیبا
سنتا تھا کہ فتنے ہیں قیامت کے سوا بھی

دیکھیں کسے حاصل ہو قدمبوسی جاناں
پسنے کو ہے موجود مرا دل بھی حنا بھی

ڈاڑھی پہ بھی واعظ کے ہے تلووں پہ بھی انکے
چالاک مرے ہاتھوں کی صورت ہی حنا بھی

باقی نہ رہا خون بھی اب میرے جگر میں
افسوس ہوا چاہتی ہے ترک غذا بھی

کیونکر کہوں رنگینئ باطن سے ہے عزت
پامال نظر آتی ہے مجھکو تو حنا بھی

چپ رہتا ہوں تو کہتے ہیں الفت نہیں تجھکو
کرتا ہوں خوشامد تو یہ فرماتے ہیں جا بھی

سنتے ہیں کہ اکبر نے کیا عشق بتاں ترک
اس بات سے تو خوش نہوا ہوگا خدا بھی

نظر لطف سے بس اک ہمیں محروم رہے
اور کیا عرض کریں آپ کو معلوم رہے

چمن کی یہ کیسی ہوا ہو گئی
کہ صرصر سے بدتر صبا ہو گئی

عیادت کو آئے شفا ہو گئی
علالت ہماری دوا ہو گئی

وہ اٹھے تو لاکھوں ہی فتنے اٹھے
چلے تو قیامت بپا ہو گئی

پڑھی یاد رخ میں جو میں نے نماز
عجب حسن کے ساتھ ادا ہو گئی

تماشائے مقتل کو آئے جو وہ
تڑپنے کی لذت رسوا ہو گئی

محبت کی گرمی بھی کیا چیز ہے
طبیعت مری کیا سے کیا ہو گئی

لگاوٹ بہت ہی تری آنکھ میں
اسی سے تو یہ فتنہ زا ہو گئی

میں ممنون ہوں وعدۂ یار کا
تسلی تو خیر اک ذرا ہو گئی

بتوں نے بھلایا جو دل سے مجھے
مرے ساتھ یادِ خدا ہو گئی

انھیں نے عطا کی تھی جانِ حزیں
ہوا خوب انھیں پر فدا ہو گئی

مری روح تن سے جدا ہو گئی
کسی نے نہ جانا کہ کیا ہو گئی

بہت دخترِ رز تھی رنگیں مزاج
لطف سے ملتے ہی آشنا ہو گئی

مریضِ محبت ترا مر گیا
خدا کی طرف سے دوا ہو گئی

نہیں تھی تو نامِ کمر کیوں ہوا
جو پیدا ہوئی تھی تو کیا ہو گئی

نہ تھا منزلِ عاقبت کا پتا
قناعت مری رہنما ہو گئی

ملا میں بھی اک رات دنیا سے خوب
مرے گھر بھی یہ بیسوا ہو گئی

ستایا بہت حاسدوں نے مجھے
تری مہربانی جفا ہو گئی

گھٹی گو کدورت سے وسعت مری
طبیعت مگر بے ریا ہو گئی

گوارا نہ تھا ذکرِ خونِ جگر
مگر اب تو میری غذا ہو گئی

بتوں کو محبت نہ ہوتی مری
خدا کا کرم ہو گیا ہو گئی

اشارہ کیا بیٹھنے کو مجھے
عنایت کی آج انتہا ہو گئی

رہِ معرفت میں جو رکھا قدم
خودی بھی بس اک نقشِ پا ہو گئی

کتابِ حقیقت کرے کون ختم
کہ ہر اک خبر مبتدا ہو گئی

وہ ساری امیدیں ملیں خاک میں
جو بدلی اٹھی تھی ہوا ہو گئی

فلک سے مٹا دل کا سارا غبار
جو بدلی اٹھی تھی ہوا ہو گئی

یہ تھی قیمتِ رزق ٹوٹے جو دانت
غرض کوڑی کوڑی ادا ہو گئی

پھنسی جسمِ خاکی میں روحِ لطیف
اسیرِ کمندِ ہوا ہو گئی

دوا کیا کہ وقتِ دعا بھی نہیں
تری حالت اکبر یہ کیا ہو گئی

عاشق جو آستانۂ مشکل کشا کی ہے — تابش مری جبین پہ نور خدا کی ہے

حب علیؑ سے ہو گئی دلوں کو شگفتگی — کلیوں کو احتیاج نسیم و صبا کی ہے

روبہ مزاجیاں سگ دنیا کی دیکھیں — حسرت لب اب زیارت شیر خدا کی ہے

ق

صورت شگفتہ ہر گل رنگیں قبا کی ہے — مستانہ چال باغ میں باد صبا کی ہے

آزار ہی نہیں ہے کہ پیدا ہو اشک و آہ — دنیا میں دھوم خوبی آب و ہوا کی ہے

پھولوں سے لو لگائے ہے باد صبا کی لے — دمساز تان بلبل شیریں نوا کی ہے

سبزہ لہک رہا ہے بصد انبساط طبع — سنبل میں تاب یار کی زلف دوتا کی ہے

مرغان باغ وجد میں ہیں فرط شوق سے — ڈوبی ہوئی مزے میں طبیعت ہوا کی ہے

آراستہ ہے ایک طرف بزم مومنیں — کثرت لبوں پہ حمد و درود و دعا کی ہے

پوچھا جو اس سماں کا سبب بول اٹھے ملک — پیدائش آج حضرت مشکل کشا کی ہے

دل مرا اُن پہ جو آیا تو قضا بھی آئی — درد کے ساتھ ہی ساتھ اسکی دوا بھی آئی

آئے کھولے ہوئے بالوں کو تو شوخی سے کہا — میں بھی آیا ترے گھر میری بلا بھی آئی

وائے قسمت کہ مرے کفر کی دعوت نہ ہوئی — بت کو دیکھا تو مجھے یاد خدا بھی آئی

ہوئیں آغاز جوانی میں نگاہیں نیچی — نشہ آنکھوں میں جو آیا تو حیا بھی آئی

ڈس لیا افعی شام شب فرقت نے مجھے — پھر نہ جاگوں گا اگر نیند ذرا بھی آئی

فارسی اُٹھ گئی اُردو کی وہ عزت نہ رہی — ہے زباں منہ میں مگر اسکی وہ قوت نہ رہی

بند کر اپنی زباں ترک سخن کر اکبر
اب تری بات کی دنیا کو ضرورت نہ رہی

روز افزوں ہو محبت وہ ملاقات اچھی — شوق ملنے کا بڑھاتی رہے وہ بات اچھی

وہ عمل کیا جو دلیری کو گھٹا دے اے دوست — قوت دل کو بڑھاتی رہے وہ بات اچھی

موقع بحث نہیں صاحب اقبال ہیں آپ — میری ہر بات بُری آپ کی ہر بات اچھی

شب برات اچھی ہے ایمان سے اچھی شب قدر
آپ ملتے ہیں مجھے آئیں وہی رات اچھی

ہم بغل شاہد دلجو ہو تو جاڑا اچھا
ہم نشیں ساقی مہوش ہو تو برسات اچھی

قائل قسمت بھی ہوں شائق فریاد بھی ہوں
جو پسند آپ کو آ جائے وہی بات اچھی

فتنہ ان آنکھوں سے اٹھا تو مچی داد کی دھوم
سچ یہ ہے صاحب اقبال کی ہر بات اچھی

ہو نمود اپنی تو اندھیر کی پروا کس کو
کوئی تاروں سے جو پوچھے تو کہیں رات اچھی

آپ کے جور و ستم بھی ہیں دل آویز مجھے
چشم عاشق میں ہر معشوق کی ہر بات اچھی

بار خاطر ہو تو واعظ کا بھی ارشاد برا
دل کو بھا جائے تو اکبر کی خرافات اچھی

آپ کا خیر طلب لائق عزت نہ سہی
رحم ہی کیجئے للہ محبت نہ سہی

ہو رہو خاک در پیر مغاں اے اکبر
زندگی لطف سے کٹ جائیگی عزت نہ سہی

کر دیا گنج قناعت میں بسر اکبر نے
عزت دل تو سلامت رہی دولت نہ سہی

سکھائے طبیعت جس تری کو شغل اپنا ذات ہی
جو دل میں سمائے من بھائے ہے تیرے لئے حق بات وہی

کیا ڈرتا ہے اگلے وقتوں کو تہ کر دے تو اپنے تو جنگ کو
بھٹکاتی ہیں جوانی ہو لگ پھر دن ہے وہی اور رات وہی

دھرتی نے جو بدلا رنگ تو کیا اپنی نظر اوپر کو اٹھا
داتا کے کرم میں کیا ہے کمی بدلی ہے وہی برسات وہی

مری ناکامیابی کی کوئی حد ہو نہیں سکتی
صداقت چل نہیں سکتی خوشامد ہو نہیں سکتی

مری ہستی ہے خود شاہد وجود ذات باری کی
دلیل ایسی ہے یہ جو عمر بھر رد ہو نہیں سکتی

نہیں ہاتھ آتی دولت نام رٹنے سے بزرگوں کے
ہجا سے جو رکے ترکیب ابجد ہو نہیں سکتی

نہایت خوشنما پتھر پڑے ہیں عقل پر ان کی
جنھیں تسکین بے لعل و زمرد ہو نہیں سکتی

ترنم ساز ہستی کا تجھے کیا لطف دے غافل
تری روح آشنائے صوت سرمد ہو نہیں سکتی

بہار آتی ہے لے واعظ ابھی مسند کو رکھ مجھ کو
محل توبہ فصل گل کی آمد ہو نہیں سکتی

بری تعلیم سے پیدا ہوں گو رائیں غلط لیکن
طبیعت فطرتاً ہے نیک تو بد ہو نہیں سکتی

کہیں کو دیکھ کر اک دیر میں جھکتا ہوں کسی در پر
نظر اپنی مرید طاق و گنبد ہو نہیں سکتی

مسلمانوں کو فیض اس بزم سے ممکن نہیں اکبر
کہ جس میں عزت نام محمد ہو نہیں سکتی

شکر ہے تم نے مرے درد کی کچھ داد تو دی
نہ دوا کی نہ سہی رخصت فریاد تو دی

کیا ہوا شمع حرم تو نے بجھا دی اے دوست
دیر کے شعلہ زبانوں نے مجھے داد تو دی

پھر زر تر زمیں جب کرتا ہوں تدبیر نئی
ڈال دیتا ہے فلک پاؤں میں زنجیر نئی

تو خوشامد کا ہے محو اور میں قناعت کا مرید
میری اکسیر پرانی تری اکسیر نئی

یا الٰہی ترے لئے میرے لئے صبر و رضا
میری اکسیر پرانی تری اکسیر نئی

کھوئے دیتے ہو جو تم ہیبت ملت اے یار
کیا سمجھتے ہو کہ بنجائے گی تقدیر نئی

الفت سے تری قطع نظر ہو نہیں سکتی
یہ بات تو اچھی ہے مگر ہو نہیں سکتی

افسوس کہ دل شوق حضوری میں ہے بیتاب
دربان یہ کہتا ہے خبر ہو نہیں سکتی

اغیار کی آمد و شد آپ نے جاری
راحت نہ مجھے اب آپ کے گھر ہو نہیں سکتی

ختم کیا صبا نے رقص، گل پہ نثار ہو چکی
جوش نشاط ہو چکا صوت ہزار ہو چکی

نیک و بد زمانہ کو دیکھ کے گل نے راہ لی
لطف نسیم ہو چکا۔ کاوش خار ہو چکی

رنگ بنفشہ مٹ گیا۔ سنبل تر نہیں رہا
صحن چمن میں زینت نقش و نگار ہو چکی

مستی لالہ اب کہاں، اسکا پیالہ اب کہاں
دور طرب گذر گیا۔ آمد یار ہو چکی

رت وہ جو تھی بدل گئی، آئی لہر اور نکل گئی
تھی جو ہوا میں نکہت مشک تتار ہو چکی

اب تک اسی روش پہ ہے اکبر مست بیخبر
کہہ دے کوئی عزیز من فصل بہار ہو چکی

بہت رہا ہے کبھی لطف یار ہم پر بھی
گذر چکی ہے یہ فصل بہار ہم پر بھی

عروسِ دہر کو آیا تھا پیار ہم پر بھی
یہ بیسوا تھی کسی شب نثار ہم پر بھی

اُٹھا چکا ہے زمانہ ہمیں بھی مسند پر
ہوا کیے ہیں جواہر نثار ہم پر بھی

عدو کو بھی جو بنایا ہے تم نے محرمِ راز
تو فخر کیا جو ہوا اعتبار ہم پر بھی

خطا کسی کی ہو لیکن کھلی جو ان کی زباں
تو ہو ہی جاتے ہیں دو ایک وار ہم پر بھی

ہم ایسے رند مگر یہ زمانہ ہے وہ غضب
اکر ڈال ہی دیا دنیا کا بار ہم پر بھی

ہمیں بھی آتشِ الفت جلا چکی اکبر
حرام ہو گئی دوزخ کی نار ہم پر بھی

انکی نگاہ دشمنِ اسلام ہی سہی
شرم و حیا کے ساتھ بھی بدنام ہی سہی

یاروں نے طرح طرح کے مسائل کیے بہم
لیکن نشے تو فائدے جام ہی سہی

تسکینِ دل اس بزم میں واللہ نہ پائی
چاہا تھا کہ نکل جائیں مگر راہ نہ پائی

مستی سے مرا نظر آیا نہ مجھے تپش
آنکھوں نے کوئی صورتِ دلخواہ نہ پائی

غواص ہی بحرِ حقیقت کی ہمیشہ
فکرِ حکما نے بھی مگر تھاہ نہ پائی

دیکھی نہ کوئی بات سوا نام کے اے آس
کچھ لذتِ شانِ حشم و جاہ نہ پائی

بارِ دل پر غم میں کبھی ہوتی کچھ اس سے
فریاد کی طاقت بھی مگر آہ نہ پائی

قسمت کا ادب اُٹھ گیا جس قوم کے دل سے
اقبال کے سمت اس نے کبھی راہ نہ پائی

کفر کی رغبت بھی ہے دل میں تو نیکی چاہ بھی
کہتے جاتے ہیں مگر منہ سے معاذ اللہ بھی

اب تو نقدی پر کوئی صاحب مرا دل خوش کریں
سن چکا ہوں مرحبا بھی آفریں بھی واہ بھی

واہ کیا جلوہ ہے پیشِ چشمِ ادراکِ بشر
شبہ بھی ہاں بھی نہیں بھی وہم بھی واللہ بھی

حالت تو یہ ہو چکی ہے کہ دیکھی نہیں جاتی
اور دل سے محبت ہے کہ اب بھی نہیں جاتی

کیا کام چلے ان کی توجہ نہیں اکبر
اب کہیے خوشامد کی تو وہ کی نہیں جاتی

نئی تہذیب کے ساقی نے ایسی گرمجوشی کی
کہ آخر مسلموں میں روح پھونکی بادہ نوشی کی

تمہاری پالسی کا حال کچھ کھلتا نہیں صاحب
ہماری پالسی تو صاف ہے ایماں فروشی کی

چھپانے کے عوض چھپوا رہے ہیں خود وہ عیب اپنے
نصیحت کیا کروں میں قوم کو اب عیب پوشی کی

پہننے کو تو کپڑے ہی نہ تھے کیا بزم میں جاتے
خوشی گھر بیٹھے کر لی ہمنے جشن تاجپوشی کی

شکست رنگ مذہب کا اثر دیکھیں سنئے مرشد
مسلمانوں میں کثرت ہو رہی ہے بادہ نوشی کی

رعایا کو مناسب ہے کہ باہم دوستی رکھیں
حماقت حاکموں سے ہے توقع گرمجوشی کی

ہمارے قافیے تو ہو گئے سب ختم اے اکبر
لقب اپنا جو دیدیں مہربانی ہے یہ جوشی کی

حسن ہے بے وفا بھی فانی بھی
کاش سمجھے اسے جوانی بھی

بڑھتا جاتا ہے حسن قوم مگر
ساتھ ہی اسکے ناتوانی بھی

سب پہ حاوی ہیں لعبتان فرنگ
چپ ہیں بیگم بھی بنتی ہیں رانی بھی

دل مبتلائے غفلت تو ہے محو دیر فانی
جو خدا کی یاد آئے تو اسی کی مہربانی

جو گذر گیا خودی سے تو وہ مل گیا اُسی سے
نہ ہوئے رباب دنی نہ صدائے لن ترانی

میں زباں پہ لاؤں کیونکر وہ حدیث حسن مطلق
کہ نہ بار لفظ اُٹھائے گی نزاکت معانی

میں سمجھ گیا وہی ہے مرے پردۂ نفس میں
مجھے اب تو سانس لینا ہی ہے لطف زندگانی

شیخ کی بات بگڑنے سے بھی مطلق نہ بنی
بادہ خواری پہ بھی اس شوخ سے گاڑھی نہ چھنی

گم ہوئے ہوش جو دیکھا بُت ترسا کا جمال
اسقدر کبر یہ عشوے یہ دھج اللہ غنی

آپ کے ہو نہیں سکتے ہیں یہ غربی ریزے
دل نہ ٹھہرے تو نگل جائیے ہیرے کی کنی

پاؤں کانپا ہی کئے خوف سے انکے در پر
چست پتلون پہننے پہ بھی پنڈلی نہ تنی

دل ہی دیتا تھا یہ۔ وہ دین بھی کرتے تھے طلب
یہی باعث تھا کہ اکبر سے بتوں سے نہ بنی

آئی ہوگی کسی کو ہجر میں موت
مجھ کو تو نیند بھی نہیں آتی

عاقبت میں بشر سے ہے یہ سوا
جانور کو ہنسی نہیں آتی

حال وہ پوچھتے ہیں میں ہوں خموش
کیا کہوں شاعری نہیں آتی

ہم نشیں بک کے اپنا سر نہ پھرا
رنج میں ہوں ہنسی نہیں آتی

عشق کو دل میں دے جگہ اکبر
علم سے شاعری نہیں آتی

دشت غربت ہے علالت بھی ہے تنہائی بھی
اور ان سب پہ فزوں بادیہ پیمائی بھی

خواب راحت ہے کہاں نیند بھی آتی نہیں اب
بس اچٹ جانے کو آئی جو کبھی آئی بھی

ق

یاد ہے مجھ کو وہ بے فکری و آغاز شباب
سخن آرائی بھی تھی انجمن آرائی بھی

صحن گلزار بھی تھا ساقی گلفام بھی تھا
مے گلرنگ بھی تھی نے بھی تھی اور نائی بھی

نگہ شوق و تمنا کی وہ دلکش تھی کمند
جس سے ہو جاتے تھے رام آہوئے صحرائی بھی

ہم صنم خانہ جہاں کرتے تھے اپنا قائم
پھر کھڑے اٹھتے تھے واں حور کے شیدائی بھی

اب نہ وہ عمر نہ وہ لوگ نہ وہ لیل و نہار
بجھ گئی طبع کبھی جوش پہ گر آئی بھی

اب تو شبہے بھی سے مجھے دیو نظر آتے ہیں
اس زمانہ میں پری زاد تھی رسوائی بھی

میں تو آنکھوں میں جگہ دینے کو حاضر تھا اسے
نیند ظالم سے یہ پوچھو کہ کبھی آئی بھی

اب تک گو نہ سے امید رہائی نہیں کچھ
لیجئے ہو گئی درخستہ آج تو جولائی بھی

کام کی بات جو کہنی ہو وہ کہہ لو اکبر
دم میں چھن جائے گی یہ طاقت گویائی بھی

عشق مذہب میں دو رنگی ہو گئی
دین و دل میں خانہ جنگی ہو گئی

سختی ایام کا دیکھو اثر
گلبدن کی قبا پہ تنگی ہو گئی

دختر رز شیشہ سے نکلی بے حجاب
سامنے رندوں کے ننگی ہو گئی

علم یورپ کا ہوا میداں وسیع
رزق میں ہندی کے تنگی ہو گئی

کر دیا نزع نے واقف کہ یہ ہستی کیا تھی
ہوش آیا تو کھلا حال کہ ہستی کیا تھی

رنگ حافظ پہ بہک جاتے ہیں ارباب مجاز
یہ سمجھتے نہیں وہ بادہ پرستی کیا تھی

فرقت یار میں بدلی کا مزا کچھ نہ ملا
میری نظروں میں تو رونی تھی برستی کیا تھی

میں تو بت خانہ میں گاہک نہ ہوا شرکت کا
دین کے بدلے میں ملتی تھی تو سستی کیا تھی

اولوالعزمی جسے سمجھے تھے ہم وہ خودکشی نکلی
گمان ہوشیاری جس پہ تھا وہ بیہوشی نکلی

غضب یہ ہے کہ فریاد و فغاں بھی کر نہیں سکتے
جو دیکھی فال تو بس آمیں سینہ خراشی نکلی

وقت پیری آ گیا اکبر جوانی ہو چکی
سانس لینا رہ گیا اب زندگانی ہو چکی

ہجر میں دل کی سزا اے میرے جانی ہو چکی
لیجیے اب بس خدارا مہربانی ہو چکی

ایڑیوں تک پہنچی زلف انکی تو مجھ کو کیا امید
راحت جاں یہ بلائے آسمانی ہو چکی

وقت لطف و مہر ہے ایمان عشوے چھوڑئیے
کیجئے دلداریاں اب دلستانی ہو چکی

ضعف ایسا ہے تو قصد کوئے جاناں کیا کروں
ہمت عالی تو نذر ناتوانی ہو چکی

رنگ گلزار جہاں ہے ہائے کتنا بے ثبات
دو ہی دن میں لالہ و گل کی جوانی ہو چکی

ایک عالم منتظر ہے بس الٹئے اب نقاب
کیجئے برپا قیامت لن ترانی ہو چکی

عاشقی سے تا بہ کالج ہے بربادی عمر
پاس تک پہنچے نہیں ہم اور جوانی ہو چکی

حضرت دل ہو گئے اس عہد میں جزو شکم
کیجئے عرضی نویسی شعر خوانی ہو چکی

رفیق حرص و مکاری دلیری ہو نہیں سکتی
جو ہیں روباہ طینت ان میں شیری ہو نہیں سکتی

کسی کے ساتھ دنیا نے وفا کی ہی نہیں اب تک
تو میں کیوں ہو سکا اسکا جو میری ہو نہیں سکتی

کہو دن جس کو سحر کرتے ہوئے کیوں شب تار انکی زلفوں کو
جب اپنے چاند ہوں تو رات اندھیری ہو نہیں سکتی

خدا ہی جانے کتنے قالبوں میں مشترک ہو گی
یہ خاک جسم کبھی دنیا میں میری ہو نہیں سکتی

محبت اپنی ہی پردۂ سینہ میں حضرت اکبر
بس منحرف رہیں دل ان کی حیری ہو نہیں سکتی

فزوں ہو کشش مشرق کی مغرب کی لطافت سے
حریف جنبش گلشن کنیری ہو نہیں سکتی

خدا کا ہو جو کچھ ہو آپ ہم دونوں کے مہماں ہیں
خردمندوں میں باہم میری تیری ہو نہیں سکتی

غزل میں حالت دل نظم کر سکتا ہوں اے اکبر
مگر ان سے کہوں اتنی دلیری ہو نہیں سکتی

طپش دل مجھے ہوتی ہے کہیں اس سے سوا
نیچے تو سہے ابھی آپ نے دیکھا کیا ہے

پسند آئی ہے عزلت میں ہوں اب اور گھر کا گوشہ ہے
خدا کی یاد منزل ہے قناعت اپنا توشہ ہے

طبیعت اوج پر ہے رزق ما یحتاج ہے ملتا
ہمیں اک خوشۂ گندم یہاں پرویں کا خوشا ہے

طرح پیام یار

اپنا رنگ اُن سے ملانا چاہیئے
آج کل پینا پلانا چاہیئے

خوب وہ کھلا رہے ہیں سبز باغ
ہم کو بھی کچھ گل کھلانا چاہیئے

چال میں تلوار ہے دل کی گھڑی
توپ سے اس کو ملانا چاہیئے

قول بابو ہے کہ جب بل پیش ہو
پیش حاکم بلبلانا چاہیئے

کچھ نہ ہاتھ آئے مگر عزت تو ہے
ہاتھ اس مس سے ملانا چاہیئے

دو عالم کی بنا کیا جانے کیا ہے
نشان ماسوا کیا جانے کیا ہے

مری نظروں میں ہے اللہ ہی اللہ
دلیل ماسوا کیا جانے کیا ہے

حقیقت پوچھ گل کی بلبلوں سے
بھلا اس کو صبا کیا جانے کیا ہے

ہوا ہوں اُنکا عاشق ہے یہ اک جرم
مگر اس کی سزا کیا جانے کیا ہے

مرے مقصود دل تو بس تمھیں ہو
تمھارا مدعا کیا جانے کیا ہے

لگاوٹ بھی ہے ساتھ اسکے جفا بھی
تمھارا مدعا کیا جانے کیا ہے

نہ اکبر سا کوئی ناداں نہ ذی ہوش
ہر اک شے کو کہا کیا جانے کیا ہے

ہم ان کی خوشی کے لئے کیا کچھ نہیں کرتے
لیکن وہ جفاؤں کے سوا کچھ نہیں کرتے

وہ کہتے ہیں یہ ٹھیک ہے ہم کہتے ہیں جی ہاں
بالفعل تو ہم اسکے سوا کچھ نہیں کرتے

بتخانے سے کچھ فیض نہوگا تمھیں اکبر
تم یاں بھی بجز ذکر خدا کچھ نہیں کرتے

نہ بہتے اشک تو تاثیر میں سوا ہوتے
صدف میں رہتے یہ موتی تو بے بہا ہوتے

جنون عشق میں ہم کاش مبتلا ہوتے
خدا نے عقل جو دی تھی تو باخدا ہوتے

لیا نہ تخلیہ میں ان کا بوسہ چوک ہوئی
بلا سے مجھ پہ وہ ہوتے اگر خفا ہوتے

ستم کا حس ہی کسے سب ہیں تیرے محو جمال
کبھی سنا نہیں ہم نے ترا گلا ہوتے

نہ ہوتی گر یہ حسینان چیں کی پابندی
تو ان کی چال سے فتنے بہت بپا ہوتے

سمجھ گئے کہ یہ اپنے حواس ہی میں نہیں
ہماری بات پہ اب وہ نہیں خفا ہوتے

یہ خاکسار بھی کچھ عرض حال کر لیتا
حضور اگر متوجہ ادھر ذرا ہوتے

یہ جسنے آنکھ ہمیں دی ہے وہ قابل دید
پھر اس کو چھوڑ کے کیا محو ماسوا ہوتے

مجھ ایسے رند سے رکھتے ضرور ہی الفت
جناب شیخ اگر عاشق خدا ہوتے

دلوں کو الفت دنیا نے سخت ہی رکھا
ہوائے نفس میں غنچے شگفتہ کیا ہوتے

گناہگاروں نے دیکھا جمال رحمت کو
کہاں نصیب یہ ہوتا جو بے خطا ہوتے

ہے زاہدوں کو جو وحشت جمال انساں سے
تو کاش دختر رز ہی کے آشنا ہوتے

وہ ظلم تم میں ہے میرے سوا کوئی بندہ
تلاش سے بھی نہ پاتے جو تم خدا ہوتے

جناب حضرت ناصح کا واہ کیا کہنا
جو ایک بات نہ ہوتی تو اولیا ہوتے

مذاق عشق نہیں شیخ میں یہ ہے افسوس
یہ چاشنی بھی جو ہوتی تو کیا سے کیا ہوتے

یہ انکی بے خبری ظلم سے بھی ہے افزوں
اب آرزو ہے کہ وہ مائل جفا ہوتے

کبھی یہ میں نے نہ چاہا کہ ہوں وہ دوست مرے
امید کیا تھی کہ ہوتے تو بے ریا ہوتے

وضو سے ہو گئی جائز نماز زاہدوں کو
جواز عشق بھی ہوتا جو دل صفا ہوتے

تمہارے حسن کے بھی تذکرے ہیں شعروں میں
مرے سخن کے بھی چرچے ہیں جا بجا ہوتے

محل شکر ہیں اکبر یہ درفشاں نظمیں
ہر اک زباں کو یہ موتی نہیں عطا ہوتے

ضروری کام تیجر کا جو ہو کرنا ہی پڑتا ہے
نہیں جی چاہتا مطلق مگر مرنا ہی پڑتا ہے

خدا کو ماننا ہی پڑتا ہے دنیا کو جب برتو
خیال مرگ سے انسان کو ڈرنا ہی پڑتا ہے

آپ کے قصر دل آویز کا کہنا کیا ہے
مگر اکبر کو غرض کیا اسے رہنا کیا ہے

سانس لینے کو ذرا ٹھہرو نہیں دنیا میں
کیسا سامان اقامت مجھے رہنا کیا ہے

کہہ چکا اسقدر اور پھر وہی الجھن دل کی
کچھ سمجھ میں نہیں آتا مجھے کہنا کیا ہے

اسکو اکڑو لگے کہنے کہ ذلت ذلت
جب یہ پوچھا کہ سوا رنج کے سہنا کیا ہے

امید و بیم کے جھگڑوں سے آگاہی نہیں رکھتے
سبب یہ ہے کہ ہم کوئی تمنا ہی نہیں رکھتے

تجھے اے چرخ کیا مشکل ہے ہم کو مطمئن رکھنا
فقیر بینوا ہیں شوکت شاہی نہیں رکھتے

لب آشنائے دعا ہوں نہ ماسوا کیلئے
پکار بیٹھے جو خدا کو تو بس خدا کے لئے

مقام شوق میں اے دل وہ رنگ پیدا کر
نظر زباں بنے عرض مدعا کے لئے

سوائے مرگ نہیں کچھ علاج درد فراق
اجل کو ڈھونڈھتے پھرتے ہیں ہم دوا کے لئے

جو ہو سکے تو انھیں لاؤ بس میں اچھا ہوں
یہ اہتمام عبث ہے مری دوا کے لئے

جو آرزوئے اجل ہو تو دل کسی سے لگا
بہانہ چاہیئے آخر کوئی قضا کے لئے

شب فراق میں آیا خیال زلف سیاہ
یہ اور طرہ ہوا گیسوئے بلا کے لئے

حسین ہونا ہی کافی ہے ظلم کرنے کو
تلاش عذر یہ کیوں ہے تمھیں جفا کے لئے

بتوں کے واسطے جاتا ہوں میں تو جانب دیر
سدھاریں شیخ جی کعبہ کو خدا کے لئے

جہاں جہاں صفت اُس فخر انبیا کے لئے
کہ عالم اُس کے لئے اور وہ خدا کے لئے

طریق عشق میں دل خضر بن کے پچھتایا
سمجھ گیا کہ مصیبت ہے رہنما کے لئے
زبان و چشم بتاں کا نہ پوچھیے عالم
وہ شوخیوں کے لئے یہ ہی حیا کے لئے
خدا نے آپ دل کو جو اسے چھینا تو خوب کیا
بنا بھی تھا یہ اسی چشم فتنہ زا کے لئے

مذہب کبھی سائنس کو سجدہ نہ کرے گا
انسان اڑیں بھی تو خدا ہو نہیں سکتے
از راہ تعلق کوئی جوڑا کرے رشتہ
انگریز تو نیٹو کے چچا ہو نہیں سکتے
نیٹو نہیں ہو سکتے جو گورے تو ہے کیا غم
گورے بھی تو بندے سے خدا ہو نہیں سکتے
ہم ہوں جو کلکٹر تو وہ ہو جائیں کمشنر
ہم ان سے کبھی عہدہ برا ہو نہیں سکتے

دو ہی دن میں رخ گل زرد ہوا جاتا ہے
چمن ادھر سے دل سرد ہوا جاتا ہے
علم و تقویٰ پہ بڑا ناز تھا مجھ کو لیکن
آپ کے سامنے سب گرد ہوا جاتا ہے
ہو رہی ہے مری فریاد کی الٹی تاثیر
وہ تو کچھ اور بھی بے درد ہوا جاتا ہے

یہ بت جو دلکش ہیں آج اتنے یہ روح پر کل عذاب ہونگے
نہیں سمجھتے جو حضرت دل تو آپ اک دن خراب ہونگے
ہماری حالات کی حقیقت کسی پہ بھی منکشف نہ ہوگی
جو کوئی سوچیگا وہم ہونگے جو کوئی دیکھیگا خواب ہونگے
ڈنر کا مجھ کو نہیں ہے چسکا وگرنہ ہے کارڈ میں تو لکھا
شراب ہوگی کباب ہونگے حضور عالی جناب ہونگے
بگاڑ میں بھی بنے رہینگے جو مستند طرز پر ہیں قائم
جو بے اصولی کریں مقلد وہ ہو کے ابتر خراب ہونگے

خواہش زر میں نئی تہذیب کے پیرو بنے
وہ نہ ہاتھ آیا مگر گنج معائب ہو گئے
بوسے ہی تک ہم تو پہنچے تھے رو تہذیب میں
کھائی ڈنر کی کہ اب اس سے بھی تائب ہو گئے

ہاں ہاں عدو بھی آپ کا طالب ضرور ہے
لیکن حضور فرق مراتب ضرور ہے
بنتے ہو میری جان تو آ بیٹھو گود میں
تم جانتے ہو روح کو قالب ضرور ہے
دل کا ہے قصور آپ کا طالب تو یہی ہے
میری ہی نہ ہو تقدیر مناسب تو یہی ہے

راتوں کو بتوں سے وہ لگاوٹ بھی چلی جائے
اور صبح کو وہ نعرۂ یارب بھی نہ چھوٹے
کرتا ہے حقارت کی نظر پیر مغاں بھی
افسوس اگر ان سے شراب اب بھی نہ چھوٹے

واعظ بھی ریاکار کی خلقت ہے اکبر
نفسوں سے مگر طرز مذہب بھی نہ چھوٹے

معنی کو بھلا دیتی ہے صورت ہو تو یہ ہو
نیچر بھی سبق سیکھ لے زینت ہو تو یہ ہو

کمرے میں جو ہنستی ہوئی آئی مس رعنا
ٹیچر نے کہا علم کی آفت ہو تو یہ ہو

یہ بات تو اچھی ہے کہ الفت ہو مسوں سے
حوران کو سمجھتے ہیں قیامت ہو تو یہ ہو

پیچیدہ مسائل کے لئے جاتے ہیں انگلینڈ
زلفوں میں الجھ آتے ہیں شامت ہو تو یہ ہو

پبلک میں ذرا ہاتھ ملا لیجئے مجھ سے
صاحب مرے ایمان کی قیمت ہو تو یہ ہے

عبث ہر طاقت و دولت پہ تجکو رشک و حسرت ہے
نہ ہر طاقت میں نیکی ہو نہ ہر دولت میں راحت ہے

تعجب ہے مجھے ان شاعروں کے شور و غوغا پر
کوئی پوچھے کہ تم کو کیا جو کوئی خوبصورت ہے

مجھے بیچین کرتا ہے نظارہ سنبل و گل کا
ادھر ہے پیچ گیسو کا ادھر عارض کی رنگت ہے

فنا کا دور جاری ہے مگر مرتے ہیں جینے پر
طلسم زندگانی بھی عجب اک راز فطرت ہے

کون ایسا ہے جو یوں مجھ پہ عنایت رکھے
صد و سی سال خدا تم کو سلامت رکھے

سچ تو یہ ہے کہ سلیقہ بھی ہے ہر کام میں شرط
بت کو چاہے تو برہمن کی طبیعت رکھے

نہ شریعت نہ طریقت نہ محبت نہ حیا
جس پہ جو چاہے وہ اس عہد میں تہمت رکھے

آدمی کے لئے دنیا میں مصائب ہیں بہت
خوش نصیبی ہے جو وہ صبر کی عادت رکھے

کیا بتاؤں تمھیں اچھائی کی پہچان اکبر
بس وہی خوب ہے جو تم سے محبت رکھے

میرے حواس عشق میں کیا کم ہیں منتشر
مجنوں کا نام ہو گیا قسمت کی بات ہے

دل جسکے ہاتھ میں ہو نہو اسپہ دسترس
بیشک یہ اہل دل پہ مصیبت کی بات ہے

پروانہ رینگتا رہے اور شمع جل بجھے
اس سے زیادہ کونسی ذلت کی بات ہے

مطلق نہیں محل عجب موت دہر میں
مجھکو تو یہ حیات ہی حیرت کی بات ہے

ترچھی نظر سے آپ مجھے دیکھتے ہیں کیوں
دل کو یہ چھیڑنا ہی شرارت کی بات ہے

راضی تو ہو گئے ہیں وہ تاثیر عشق سے
موقع نکالنا سو یہ حکمت کی بات ہے

تخلیہ بھی ہے ہوا سرد ہے اور رات بھی ہے
پھر بھی انکار مری جان یہ کوئی بات بھی ہے

لطف ساقی ہو تو یہ وقت ہے مے نوشی کا
رحمت حق سے گھٹا چھائی ہے برسات بھی ہے

وہ بے خبر ہے علاقۂ کائنات سے
جس کی کہ لو لگی ہے فقط تیری ذات سے

سن چکے آپ کو پیش آئے تھے حالات ایسے
یہی باعث تھا کہ بیچین تھے ہم رات ایسے

میری غیبت کوئی کرتا تھا تو مجھ سے نہ کہو
تذکرے خوب نہیں وقت ملاقات ایسے

ان کو واپس کیا یہ کہکے کہ تائب ہوئے وہ
ہوتے جاتے ہیں ملازم مرے بدذات ایسے

دشمن دیں سے تمھیں ہوگی کچھ امید فلاح
ہم تو سنتے نہیں اقوال خرافات ایسے

اے دل اس ابرو و مژگان و نظر سے دبچا
صلح لازم ہے جو ہوں جنگ کے آلات ایسے

بحث بیجا سے پھیر کے طاعت پہ کریں دلکو رجوع
پیر وہ ہیں کہ جو ہوں اہل کرامات ایسے

واہ اکبر یہ نکالا ہے عجب طرز سخن
حسن بندش تو یہ اور اسپہ خیالات ایسے

گئے ملت سے جو، دیکھی گی دنیا ان کو عبرت سے
گرے پتے ہیں یہ بس سبز ہیں اپنی رطوبت سے

قیامت کر رہی ہیں لعبتان مغربی اکبر
تھیٹر کو بڑھایا ہے انھیں حوروں نے جنت سے

مرا جس پارسی لیڈی پہ دل آیا ہے اے اکبر
جو سچ پوچھو تو حسن بمبئی ہے اسکی صورت سے

نفع ہوتا ہے فقط خارجی علاج سے
واقف آپ ابھی نہیں عشق کے مزاج سے

دل ملیں تو کیا ملیں اہل قوم کے بہم
ایک آیا کعبے سے ایک آیا لاج سے

اکبر کچھ آرہے ہو نظر بند بند سے
آخر ضرر ہوا تمھیں ناصح کی پند سے

سرائے دہر تو ہے رہزن اجل کا مقام
یہاں بھی کیا کوئی دل آن کر ٹھہرتا ہے

لہ اب متروک ہے!!

دل کو مرے تم ایک نظر دیکھ تو لیتے
ہوتے نہ خریدار مگر دیکھ تو لیتے

ہو گئے اہل خرد دہر کے چکر میں پھنسے
وہی اچھے جو تری زلف معنبر میں پھنسے

دل کو مرے فروغ تمھاری نظر سے ہے
بجلی بنا ہوا یہ اسی کے اثر سے ہے

ہر طرف بننے بگڑنے کا یہاں اک دور ہے
چشم عبرت کے لئے دنیا محل غور ہے

لالہ و گل اک طرف طاعون کا غل اک طرف
ہو جنوں بار دل کو لیکن رنگ ہی کچھ اور ہے

بستاں بجز خروش بزن کار دہر ہے
دل اسمیں اہل دل جو لگائیں تو قہر ہے

بس ذکر ہی میں بادۂ گلگوں کے ہو مزا
چکھنا نہ ہمنشیں اسے واللہ زہر ہے

ملک میں مجکو ذلیل و خوار رہنے دیجئے
آپ اپنی عزت دربار رہنے دیجئے

دل ہی دلمیں باہمی اقرار رہنے دیجئے
بس خدا ہی کو گواہ اے یار رہنے دیجئے

اتقا کا آج کل اظہار رہنے دیجئے
پیجئے قبلہ یہ استغفار رہنے دیجئے

خوب فرمایا کہ اپنا پیار رہنے دیجئے
آپ ہی یہ غمزہ و انکار رہنے دیجئے

دیکھئے گا لطف کیا گل کھیلیں گے شوق سے
مجکو آپ اپنے گلے کا ہار رہنے دیجئے

چاندنی برسات کی کھری ہے چلتی ہے نسیم
آج تو للہ یہ انکار رہنے دیجئے

چشم بددور آپکی نظریں ہیں خود موج شراب
بس مجھے بے مے پیئے سرشار رہنے دیجئے

کیجئے اپنی نگاہ فتنہ افزا کا علاج
نرگس بیمار کو بیمار رہنے دیجئے

کس بلاغت سے کہا اُسنے کہ رکھئے حد میں شوق
مدعا کو قابل اظہار رہنے دیجئے

لن ترانی خود شراب معرفت ہے اے کلیم
آرزوئے شربت دیدار رہنے دیجئے

چھوٹنے کا میں نہیں اب آپکو اے جان جاں
ہے اگر مجھ پر خدا کی مار رہنے دیجئے

کیجئے ثابت خوش اخلاقی سے اپنی خوبیاں
یہ نمود جبہ و دستار رہنے دیجئے

ظالمانہ مشورہ میں میں نہیں ہونگا شریک
غیر ہی کو محرم اسرار رہنے دیجئے

کھل گیا مجھ پر بہت ہیں آپ میرے خیر خواہ
تیر سنجیدہ لیجئے طومار رہنے دیجئے

کیجئے رشوت ستانی سے ذرا پرہیز آپ
خیر خواہی کا یہ سب اظہار رہنے دیجئے

مل کے باہم کیجئے اغیار سے بحث و جدال
بے نتیجہ باہمی تکرار رہنے دیجئے

ٹیمز میں ممکن نہیں نظارۂ موج فرات
ایسی خواہش کو سمندر پار رہنے دیجئے

ہمکنار اُس بحر خوبی سے نہ ہونگے اکبر آپ
ایسے منصوبے سمندر پار رہنے دیجئے

سو رنگ تصوّر میں ہم ایجاں در آئے
ہر رنگ میں تم آفت ایماں نظر آئے

اے خضر مری راہ تو بس راہ جنوں ہے
منزل کو غرض ہو تو خود اس راہ پر آئے

دل جس طرف آیا ہے وہ معلوم ہے مجھ کو
ناصح سے تو یہ پوچھو کہ یہ حضرت کدھر آئے

یہ حُسن بتوں کا یہ جنوں خیز نگاہیں
پتھر کا بھی دل ہو تو ادھر ٹوٹ کر آئے

بے رونقی انجمن عشق نہ چاہی
خالی جو ملی کوئی جگہ آہ بھر آئے

عکس آپ کا تھا طالب گوہر پئے تزئیں
پڑتے ہی مری آنکھ میں آنسو بھی بھر آئے

طلب ہے حق کی تو مل آکے ہمسے مستوں سے
نہیں ہے میکدہ خالی خدا پرستوں سے

خطا معاف مری نگاہیں حور ہی کیلئے
مسیں بھی خوب ہیں لیکن حضور ہی کیلئے

کوئی گناہ ہو مد نظر معاذ اللہ
شراب پیتا ہوں میں بس سرور ہی کیلئے

خلاف شرع کوئی قصد ہو معاذ اللہ
شراب پیتا ہوں میں بس سرور ہی کیلئے

بانکی وہی ادا بھی ہے ترچھی وہی نظر بھی ہے
جان پہ میری بن گئی آپ کو کچھ خبر بھی ہے

ظلم کی اک ادا بھی ہے لطف کی اک نظر بھی ہے
حسن کا اقتضا بھی ہے عشق کا کچھ اثر بھی ہے

دل پہ مرے ہیں انکے دانت میں ہوں لب انکے چوستا
دولت وصل یار میں لعل بھی ہے گہر بھی ہے

شرط لگائی آپ نے میری امید کم ہوئی
وعدے پہ کیا خوشی کروں اسمیں حسب اک مگر بھی ہے

دُنیا میں بے خبر ہے جو پروردگار سے
شاید ہے زندہ اپنے ہی وہ اختیار سے

اے صانع ازل تری قدرت کے ہیں نثار
کیا صورتیں بنائی ہیں مُشت غبار سے

جو قانع ہو کسی دن اسکی قسمت لڑ ہی جاتی ہے
جو اہل حرص ہیں اُنپر مصیبت پڑ ہی جاتی ہے

حسینان جہاں سے آنکھ اپنی لڑ ہی جاتی ہے
دل آ ہی جاتا ہے آخر مصیبت پڑ ہی جاتی ہے

جوانی میں ہلاکت دل کی ہے اُسکا دبا رکھنا
کہ ایسی چیز دب کر گر میوں میں سڑ ہی جاتی ہے

گلستاں میں گل رنگیں کو زینت کی ضرورت کیا
مگر اس لعل پر الماس شبنم جڑ ہی جاتی ہے

ق

ہے قوم جسم سلطنت اسمیں ہے مثل روح
جب یہ نہیں تو قوم نہیں بلکہ لاش ہے

سعی شغال و گرگ سے جنبش ہوئی اگر
نافہم نے سمجھے قوم میں خود انتعاش ہے

البتہ زندگانی شخصی کا ہے وجود
قانون میں ہر اک کے لئے زندہ باش ہے

پیمانہائے ساختۂ شاہ وقت پر
محدود طالبین کی فکر معاش ہے

بے علم مذہبی کے ہیں اخلاق نادرست
اسکی خرابیوں سے تو دل پاش پاش ہے

کچھ خاک میں ملیں گے تو کچھ ہونگے جزو غیر
یہ مسئلہ صحیح ہے گو دل خراش ہے

اپنی یہ احتیاط کہ بوسے پر اکتفا
اسپر بھی یہ عتاب کہ تو بدمعاش ہے

اپنے برتاؤ سے گو وہ مجھے ناخوش رکھے
ہے دعا میری یہی اس کو خدا خوش رکھے

منہ چھپا لیتی ہیں زلفوں سے میں گو ہوں ناخوش
ہنس کے کہتے ہیں تجھے میری بلا خوش رکھے

واہ کس چال سے غنچوں کو ہنسایا تو نے
لطف باری تجھے اے باد صبا خوش رکھے

ان بتوں کو نہیں کچھ صدق و صفا سے مطلب
بس خوشامد سے کوئی اُن کو ذرا خوش رکھے

باغ و صحرا میں بھی بے لطف رہا کرتا ہوں
رنج دے چرخ تو کیا آب و ہوا خوش رکھے

اُس مس شوخ سے راحت نہ ملے گی مجھ کو
عمر بھر خیر وہ اک شب تو بھلا خوش رکھے

آپ فرماتے ہیں اکبر سے مجھے خوش رکھو
خود جو مغموم ہو وہ اور کو کیا خوش رکھے

مثل بلبل زمزموں کا خود یہاں اک رنگ ہے
ارغنوں اس انجمن میں خارج از آہنگ ہے

ہر خیال اپنا ہے یاں اک مطرب شیریں نوا
ہر نفس سینے میں اک موج صدائے چنگ ہے

جز مقصود ہو مرا عکس جمال روئے دوست
میرا ہر مجموعۂ وہم اک گل خوش رنگ ہو

لوح دل پر جنبش مژگاں سے ہو معنی پذیر
ہر رگ اندیشہ نقش خامۂ ارژنگ ہو

ہر حباب بحر جوش طبع ہو اک آسماں
دشت دل کا ذرہ ذرہ کوہ کا ہم سنگ ہو

عکس تیرا پڑ کے اس میں ہو گیا پاکیزہ تر
اے بت کافر مری آنکھوں میں شیشہ رنگ ہو

نظم اکبر سے بلاغت سیکھ لیں ارباب عشق
اصطلاحات جنوں میں بے بہا فرہنگ ہو

داخل ہوئے حرم میں بتوں کو نکال کے
اسلام کو قبول کیا دیکھ بھال کے

الجھا نہ میرے آج کا دامن کبھی کل سے
مانگی نہ میرے دل نے مدد طول امل سے

ان کی نگہ مست ہے لبریز معانی
ملتی ہوئی تاثیر میں حافظ کی غزل سے

ادراک نے آنکھیں شب اوہام میں کھولیں
واقف نہ ہوا روشنی صبح ازل سے

قرآن ہے شاہد کہ خدا حسن سے خوش ہے
کس حسن سے یہ بھی تو سنو حسن عمل سے

حکم آیا خموشی کا تو بس حشر تلک چپ
عظمت تھی پیغام کی ظاہر ہو اجل سے

درجہ متحیر کا ہے سب سے خرد سے فروتر
ہے روح کو امید ترقی کی اجل سے

بحث کن و نو میں سمجھتا نہیں اکبر
جو ذرہ ہے موجود ہے وہ روز ازل سے

ہو دعوے توحید مبارک تمہیں اکبر
ثابت بھی کرو اسکو مگر طرز عمل سے

مذہب ہی سے حفاظت قومی ہو اے عزیز
نادان ہے کہ اسکو ہٹائے جو بھول سے

اتنا ہی آدمی میں سمجھئے کمال فہم
جتنا کہ احتراز کرے وہ فضول سے

جو کام آسکے میرے کر دل اسطرف کو رخ
تخصیص ہو دوست کی نہ وحشت ببول سے

ہرگز اس انجمن کو نہ سمجھو ممد قوم
خالی ملے جو ذکر خدا و رسول سے

نئی تہذیب میں بھی مذہبی تعلیم شامل ہے
مگر یوں ہی کہ گویا آب زمزم مے میں داخل ہے

کہاں تک داد دوں تیری بلاغت کی میں اے اکبر
یہ تیرا ایک مصرع لاکھ مضمونوں کا حاصل ہے

دین و ملت کی ترقی کا خیال اچھا ہے
بخدا منبر کے پرنے کبھی غضب ڈھاتے ہیں
گھٹ کے سر خطبوں میں ہو کے گل ہو گیا جب علم اس کا

اصل مضبوط ہو جس کی وہ نہال اچھا ہے
یہ غلط ہے کہ ولایت ہی کا مال اچھا ہے
پانیر لکھتا ہے بیمار کا حال اچھا ہے

طائر رنگ چمن اڑنے کو پر تولے ہے
ہوئے مطلوب جسے زاد رہ منزل فقر
نظر آئے شب تاریک میں جگنو کی چمک

آشیاں ایسے گلستاں میں نہ بلبل باندھے
گرہ صبر میں وہ نقد توکل باندھے
وہ جو تعویذ طلائی تہ کاکل باندھے

کبھی ہے صبح عید ان میں کبھی شام محرم ہے
دوا ہے کالج اور کونسل سوا اس کی ہے فراوانی

یہ عالم چشم بینا کے لیے عبرت کا عالم ہے
غذا ہے راحت دل اور دولت اور وہ بہت کم ہے

تمہاری جستجو سے ہم کو شب بہ خدا کہ آ ستی میں کم ہو
یہ حسن ناز کو عشق نیاز عشق ہی سے ہستیں ہیں
تمہارا جوش تمہارے عشق کا دل ساقی کی ہیں موید
کہا اس نے یہ حسرت سے جب آ گیا اس کا وقت رحلت
بلندیاں ہوتی ہیں مخالف جو پستیوں سے ہیں پیدا ان کا
دراز نظارت میں ہیں قامت گیسو حسیناں
تری ترقی مرا تنزل تری جفائیں مرا تحمل

اگر یہ بات آگہی ہے کہ منہ میں خدا نہ ہوتا تو ہم نہ ہوتے
جو یہ نہ ہوتا تو دل نہ ہوتا جو دل نہ ہوتا تو غم نہ ہوتے
وگرنہ تقویٰ کو لوٹ جاتے اتنے سامان بہم نہ ہوتے
کہ سہل تم ہوتی نزع ہمیں جو محو جاہ و حشم نہ ہوتے
زمیں کے فتنوں میں گر نہ پھنستے فلک کے جور و ستم نہ ہوتے
یہ راستی سرو میں نہ ہوتی نہ سنبل تر میں خم نہ ہوتے
فلک کی گردش کا لطف کیا تھا جو تو نہ ہوتا تو ہم نہ ہوتے

یہ موجودہ طریقے راہی ملک عدم ہوں گے
نئے عنوان سے زینت دکھائیں گے حسیں اپنی
نہ ہنسا تو نہیں ... پیدا پرورش کی یہ پابندیاں
بدل جائے گا انداز طبائع دور گردوں سے

نئی تہذیب ہوگی اور نئے ساماں بہم ہوں گے
نہ ایسا پیچ زلفوں میں نہ گیسو میں یہ خم ہوں گے
نہ گھونگھٹ اس طرح سے حاجب روئے صنم ہوں گے
نئی صورت کی خوشیاں اور نئے اسباب غم ہوں گے

ایمان ہو یا کفر ہو سچ بات تو یہ ہے
اسلام تمھارا ہے مسلمان تمھارے

مصرعِ طرح پیامِ یار

اسمیں عکس آپ کا اتاریں گے
دل کو اپنے یونہیں سنواریں گے

بحث میں مولوی نہ ہاریں گے
جان ہاریں گے جی نہ ہاریں گے

آپ ناحق پہ اور ہم حق پر
آپ سے ہم کبھی نہ ہاریں گے

ہم سے کرتی ہے یہ بہت غمزے
ہم بھی دنیا پہ لات ماریں گے

رزق مقسوم ہی ملے گا اُسے
کوئی دنیا میں ڈور یاریں گے

عشق کہتا ہے لطف ہونگے بڑے
ہجر کہتا ہے جان ماریں گے

لیجئے جان سے یہی جو خوشی
کیجئے ظلم دم نہ ماریں گے

تن کی افسردگی نہ جائے گی
ہاں وہ چاہینگے تو ابھاریں گے

بتلائے بلا تو ہوں غافل
یہ بھی اللہ کو پکاریں گے

لائے بھی تو خدا کہیں وہ گھڑی
کہتے ہیں تجھ کو خوب ماریں گے

دل نہ دونگا میں آپ کو ہرگز
مفت میں آپ جان ماریں گے

مطبخ قوم میں رہا کیا ہے
صرف شیخی ہی آپ بگھاریں گے

پند اکبر کو دینگے کیا ناصح
گل کو کیا باغباں سنواریں گے

ضد ہے انھیں پورا مرا ارماں نکریں گے
منہ سے جو نہیں نکلی ہو اب ہاں نکریں گے

کیوں زلف کا بوسہ مجھے لینے نہیں دیتے
کہتے ہیں کہ واللہ پریشاں نکریں گے

ہے ذہن میں اک بات تمھارے متعلق
خلوت میں جو پوچھو گے تو پنہاں نکریں گے

واعظ تو بتاتے ہیں مسلمان کو کافر
افسوس یہ کافر کو مسلماں نکریں گے

کیوں شکر گذاری کا مجھے شوق ہو اتنا
سنتا ہوں وہ مجھ پر کوئی احساں نکریں گے

دیوانہ نہ سمجھے ہیں وہ سمجھے شرابی
وہ جانتے ہیں غیر مرے گھر میں ہے مہمان

اب چاک کبھی جیب و گریباں نہ کریں گے
آئیں گے تو مجھ پر کوئی احسان نہ کریں گے

اہل غرور و حرص کو کیا علم سے شرف
اٹھی نگاہ دیر میں لیکن جھکا نہ سر

تا چرخ بھی پہونچ سکے وہ شیطان ہی رہے
پیش صنم بھی ہم تو مسلمان ہی رہے

بت ستمگر کی کچھ نہ پوچھو حسین بھی ہے ذہین بھی ہے
نہیں ہے دل ہی یہ صرف آفت یہاں تو خطرہ دین بھی ہے

اگرچہ مغرب ہے ساز دل ہے مگر یہ آہنگ مشرقی ہوں
اگر میاں تو ہے انجمن میں محل خلوت میں بین بھی ہے

رعایت لعل لب سے میں نے کہا اسے مالک بدخشاں
تو بولا ابرو چڑھا کے دیکھو جبیں پہ تیوری پہ چین بھی ہے

ہمارے جھگڑے کی کچھ نہ پوچھو تمام دنیا ہے اور ہم ہیں
کہ جیب میں ہے نہ گھر میں ان ہے خراج پر کچھ زمین بھی ہے

ہمارا خنجر بھی بدنما ہے اور ان کی سوئی بھی ہے آفت
کہ صاف بھی ہے چمک بھی رکھتی ہے گول بھی ہے مہین بھی ہے

دعا کو بھی وہ کبھی ہے اٹھتا اسی سے ذرات صرف چکر
خدا کی قدرت کے کارخانہ میں ہاتھ بھی ہے مشین بھی ہے

ہے وہم نقش ہستی ہر چند دل نشیں ہے
دیکھو اسے تو سب کچھ سوچو تو کچھ نہیں ہے

دیکھا نہیں کسی نے اس یار نازنیں کو
لیکن سنا یہی ہے بے انتہا حسیں ہے

روحانیت بدلے آنکھوں میں خاک ہے اب
اس میں وہی رہا تھا اس میں ہمیں نہیں ہے

تصدیق سے قریں ہو کیوں کر ترا تصور
اک لفظ بے صدا ہے اک نقش بے نگیں ہے

کھڑے ہیں یار ششدر حیرت عبرت کا مضموں ہے
نہ جنگل ہے نہ ناقہ ہے نہ لیلا ہے نہ مجنوں ہے

وہ رنگ بزم اکبر اب کہاں بہتر ہے اٹھ جاؤ
یہی بس اک تدبیر سکون جان مضطر دل ہے

فتنہ اٹھے کوئی یا گھات میں دشمن بیٹھے
کار الفت یہ تو اب حضرت دل ٹھن بیٹھے

کیوں نہ اس سے مرا دل اے بت بد ظن بیٹھے
ہم کھڑے بھی نہ رہیں بزم میں دشمن بیٹھے

بزم میں وہ جو دبا کر مرا دامن بیٹھے
اٹھ گئے رشک سے پھر یاں نہ دشمن بیٹھے

شیخ کعبہ میں کلیسا میں برہمن بیٹھے
ہم تو کوچے میں ترے مار کے آسن بیٹھے

شوخیاں شوق سے کر مجھ کو بھی لطف آتا ہے
سچ کہا تو نے کہ نکلا مرا دشمن بیٹھے

سوئے دولت نظر آئی نہ جو راہ اعزاز
مسند صبر و توکل ہی پہ ہم تن بیٹھے

نظر اٹھی تو اٹھائے گئے نظروں سے گرے
غلطی کی ترے پاس آ کے بہت بدظن بیٹھے

ہوں میں وہ رند اگر حشر میں ملزم ٹھہروں
فیصلے کے لئے حوروں کا کمیشن بیٹھے

انقلاب روش چرخ کو دیکھ اے اکبر
کل جو تھے دوست مرے آج عدو بن بیٹھے

ہند سے آپ کو ہجرت ہو مبارک اکبر
ہم تو گنگا ہی پہ اب مار کے آسن بیٹھے

کیا ملا عرض آن و این کر کے
چل دیے وہ چنیں چنیں کر کے

فائدہ کیا کہ پھر کہوں ان سے
کر چکے ہاں وہ اب نہیں کر کے

جتنے مسجد میں اٹھے ہیں اکبر
دیر میں بیٹھے ترک دیں کر کے

وہ ہوا نہ رہی وہ چمن نہ رہا وہ گلی نہ رہی وہ حسیں نہ رہے
وہ فلک نہ رہا وہ سماں نہ رہا وہ مکاں نہ رہے وہ مکیں نہ رہے

وہ گلوں میں گلوں کی سی بو نہ رہی وہ عزیزوں میں لطف کی خو نہ رہی
وہ حسینوں میں رنگ وفا نہ رہا کہیں اور کی کیا وہ ہمیں نہ رہے

نہ وہ آن رہی نہ امنگ رہی نہ وہ رندی و زہد کی جنگ رہی
سوئے قبلہ نگاہوں کے رخ نہ رہے اور در پہ نقش جبیں نہ رہے

نہ وہ جام رہے نہ وہ مست رہے نہ فدائی عہد الست رہے
وہ طریقۂ کار جہاں نہ رہا وہ مشاغل رونق دیں نہ رہے

ہمیں لاکھ زمانہ لبھائے تو کیا نئے رنگ جو چرخ دکھائے تو کیا
یہ محال ہے اہل وفا کے لئے غم ملت و الفت دیں نہ رہے

ترے کوچۂ زلف میں دل ہے مرا اب اسے میں سمجھتا ہوں دام بلا
یہ عجیب ستم ہے عجیب جفا کہ یہاں نہ رہے تو کہیں نہ رہے

یہ تمھاری ہی بزم طرب ہے ابھی جاؤ نہ تم نہ کرو یہ غضب
کوئی بیٹھ کے لطف اٹھائے گا کیا کہ جو رونق بزم تمہیں نہ رہے

جو تھیں چشم فلک کی بھی نور نظر وہی جن پہ نثار تھے شمس و قمر
سو اب ایسی مٹی ہیں وہ انجمنیں کہ نشاں بھی اب ان کے کہیں نہ رہے

وہی صورتیں رہ گئیں پیش نظر جو زمانہ کو پھیریں ادھر سے ادھر
مگر ایسے جمال جہاں آرا جو تھے رونق روئے زمیں نہ رہے

غم و رنج میں اکبر اگر ہے گھرا تو سمجھ لے کہ رنج کو بھی ہے فنا
کسی شے کو نہیں ہے جہاں میں بقا وہ زیادہ ملول و حزیں نہ رہے

سدھاریں شیخ کعبہ کو ہم انگلستان دیکھیں گے
وہ دیکھیں گھر خدا کا ہم خدا کی شان دیکھیں گے

جوانوں کو ذرا پروا نہیں بے اعتدالی کی
بڑھاپے میں نتیجے اسکے یہ نادان دیکھیں گے

حسینانِ عدو کے اتقا کا سامنا ہوگا
میں دیکھونگا انھیں اور وہ مرا ایمان دیکھیں گے

تری دیوانگی پر رحم آتا ہے ہمیں اکبر
کوئی دن وہ بھی ہوگا ہم تجھے انسان دیکھیں گے

عقل ہے ایماں ہے دل ہے جان ہے
لیجیے سب آپ پر قربان ہے

خوبیٔ مذہب وہم آخر کھلی
نزع میں مونس فقط ایمان ہے

دل کے یاروں سے ہوا شوقِ گناہ
آدمی کا آدمی شیطان ہے

کیا مجھے کرتے ہو زندوں میں شمار
سانس لیتا ہوں بس اتنی جان ہے

خود بنا ہے کیا وہ بت اتنا حسیں
لطفِ فطرت ہے۔ خدا کی شان ہے

سعی بازو سے کرے جو کسب رزق
بس وہی اللہ کا مہمان ہے

لطف ساقی سے نہ چھلکے جام دل
ظرف عالی کی یہی پہچان ہے

دل جسے سمجھا ہے سامانِ وقار
غور سے دیکھو تو اک طوفان ہے

بیوقوفی ہے تعجب موت پر
عقل تو جینے ہی پر حیران ہے

عالمِ ہستی پہ حیرت ہے مجھے
ق　کس لئے آخر یہ سب سامان ہے

یا مصیبت امر معنی خیز ہے
یا یہ نیچر خود بہت نادان ہے

اس کی نادانی مگر مانیگا کون
ذرّہ ذرّہ عاقلی کی جان ہے

پھر اٹھی ہے آپ کی تیغ ستم
مجھ میں کیا باقی ابھی کچھ جان ہے

حکم خاموشی ہے اور میری زباں
آپ کی باتیں ہیں میرا کان ہے

لطف تھا جنسے نظارے کا حسیں وہ نہ رہے
جنسے رونق تھی مکانوں کی مکیں وہ نہ رہے

میں جو روتا ہوں کہ افسوس زمانہ بدلا
مجھ پہ ہنستا ہے زمانہ کہ تمھیں وہ نہ رہے

طلب ہو صبر کی اور دل میں آرزو آئے / غضب ہے دوست کی خواہش ہو اور عدو آئے

بہار میں بھی نہ راست سے جو فرقت ہو / صبا سے بھی گل داغ جگر کی بو آئے

بتوں کے ظلم کو کر دوں میں ہر طرح ثابت / مگر خدا نہ کرے ایسی گفتگو آئے

کیا ہے نشۂ الفت نے مائل گریہ / شراب پینے کو آخر کنار جو آئے

تم اپنا رنگ بدلتے رہو فلک کی طرح / کسی کی آنکھ میں اشک آئے یا لہو آئے

تری جدائی سے ہے روح پر یہ ظلم جو اس / میں اپنے آپ میں پھر کیوں ہوں جو تو آئے

ریا کا رنگ نہ ہو مستند ہیں وہ اعمال / کلام پختہ ہے جب درد دل کی بو آئے

لبوں کا بوسہ جسے مل گیا ہو وہ جانے / قدم تو اس بت بے پیر کے ہم بھی چھو آئے

کھلی جو آنکھ جوانی میں عشق آ پہونچا / جو گرمیوں میں کھلیں در تو کیوں نہ لو آئے

وہ کم نصیب کہاں ان ہوس پرستوں کو / کہ ہو ثبات قدم کو نہ لغزش نہ منہ سے بو آئے

بہت دن محتسب کے ہاتھ سے ہم کے سبو ٹوٹے / شکایت کیا اگر دست سبو سے اب وضو ٹوٹے

کچھ ایسا بڑھ گیا ہے حسن و لطف ساقی دوراں / ہزاروں شیشۂ تقویٰ پڑے ہیں چار سو ٹوٹے

شکست نیت طوف حرم تجھ سے ہوئی اے دل / سزا ہو اس بت ظالم کی تجھ کو جو تو ٹوٹے

ہوتا ہے فتح یورپین تان پاؤ سے / میں خوش ہوں ایشیا کے خیالی پلاؤ سے

تنہا وہ رہ سکے تو میں خود نہ بیٹھتا / ناحق نہ مجھے ذلیل کیا جاؤ جاؤ سے

ایمان بیچنے پہ ہیں اب سب تلے ہوئے / لیکن خرید ہو جو علیگڑھ کے بھاؤ سے

سب نالہ و فریاد و فغاں رہ نہیں سکتے / پھر اس پہ یہ ہے اسکا سبب کہہ نہیں سکتے

موجیں ہیں طبیعت میں مگر اٹھ نہیں سکتیں / دریا ہیں مرے دل میں مگر بہہ نہیں سکتے

پتوار شکستہ ہے نہیں طاقت ترمیم / ہے ناؤ میں سوراخ مگر کہہ نہیں سکتے

کہہ دیں گے کہ ہے تجربہ اس بات کے برعکس / کیوں کر یہ کہیں ظلم و ستم سہہ نہیں سکتے

عزت کبھی وہ تھی کہ بھلا اس سے نہ بھولے / تحقیر اب ایسی ہے کہ سہہ نہیں سکتے

ہم نے یہ نکتہ سنا اک مردِ حق آگاہ سے — پھر گیا اس سے زمانہ جو پھرا اللہ سے
ضعفِ مذہب ہو گیا ہے باعثِ طولِ سخن — گفتگو عامی سے ہو یا بحث ہو ذی جاہ سے
ایک لکچر کی ضرورت ہوتی ہے ہر بات پر — کام مطلق اب نہیں چلتا ہو واللہ سے
آپ فرماتے ہیں تجھ سے مجھ کو الفت ہے بہت — اور ثابت کرتے ہیں اس کو فقط واللہ سے

ان بتانِ بے وفا کے حسن کا دلدادہ ہے — فکر ہے اکبر کی رنگیں دل نہایت سادہ ہے
رقص پروانے کا گردِ شمع دیکھیں اہلِ ذوق — کس خوشی سے جان دینے کیلئے آمادہ ہے
مائلِ خالق مجھے کرتی ہے یاں رفتارِ خلق — چشمِ بینا کے لئے ہر نقشِ پا سجادہ ہے

کہاں تسکینِ خاطر نالۂ جانکاہ کرنے سے — بھڑکتی آتشِ دل اور بھی ہے آہ کرنے سے
یہ دورِ آسماں ختمِ طریقت ہو نہیں سکتا — خدارا اے خرد باز آ مجھے گمراہ کرنے سے
وہ کون ایسی نظر ہے جو نہ ہو محو ایسی صورت پر — وہ کون ایسی زباں ہے رک سکے جو آہ کرنے سے
مصیبت سخت تھی لیکن زمانہ دیکھ کر دل سے — کہا کیا فائدہ احباب کو آگاہ کرنے سے

غزل

بتوں کے سامنے کیا مذہبی بہانہ چلے — چلیں گے ہم بھی اُسی رُخ جدھر زمانہ چلے
میں جانتا ہوں نہ چھوڑیں گے آپ چال اپنی — کسی کا کام چلے یا حضور یا نہ چلے
خدا کے واسطے ساقی یہی نگاہِ کرم — چلا ہے دور تو پھر کیوں رکے چلا نہ چلے
کھلا ہے باغِ قناعت میں غنچۂ خاطر — خدا بچائے کہیں حرص کی ہوا نہ چلے
نصیب ہو نہ سکی دولتِ قدم بوسی — ادب سے چوم کے حضرت کا آستانہ چلے
فروغِ عشق کا سبب آہ کے نہیں لیکن — نہ پھیلے بوئے گلستاں اگر ہوا نہ چلے
سکے گلے کو اثر جو کر سکے پھر کسی کو کیا — یہ حکم بھی تو ہوا ہے کہ راستا نہ چلے
امیدِ حور میں مسلم تو ہو گیا ہوں مگر — خدا ہی ہے کہ مجھ سے یہ نبھ سکا نہ چلے
خودی کی حس سے بھی ہوتا ہے انتشار اکبر — کہاں رہوں کہ مجھے بھی مرا پتا نہ چلے

حضور اور بھی خوش ہوں گے نیکی کر البتہ فرمائیں | ہماری کیا ہے شاعر کے لیے اک شاہ کافی ہے
خوشی سے ما سوا پر آپ قبضہ کیجئے اپنا | مری تسکیں دل کے واسطے اللہ کافی ہے

نہایت ناپسند ان کو ہے یاد مرگ تو اکبر
اگر اس کے بھلا دینے کو حب جاہ کافی ہے

وصف قد یار میں مصروف میرا خامہ ہے | میری جو تحریر ہے وہ اک قیامت نامہ ہے

میرے دل کو وہ بت دلخواہ جو چاہے کرے | اب تو دے ڈالا اسے اللہ جو چاہے کرے
حضرت اکبر سا ضابط اور یہ بیتابیاں | آپ کی تو بھی نصیحت واللہ جو چاہے کرے
منزل صدق و صفا ہے ہر طرح خطرے سے پاک | نیک بختوں میں سے طے یہ راہ جو چاہے کرے
قاضی و مفتی ہیں غرق بادہ مستی و کبر | قوم کا تصفیہ اور حب جاہ جو چاہے کرے
شیخ کی منطق ہے اک چشم فسوں ساز بتاں | سیدھا سادہ ہوں مجھے گمراہ جو چاہے کرے
دیکھ کر یوں بھی برہمن کہتے ہیں اس عہد میں | شاعری تو آساں نہیں ہے بیاہ جو چاہے کرے
خرچ کی تفصیل پوچھو تو نگاہ مانگوں گا حساب | لیجئے وہ بت کل مری تنخواہ جو چاہے کرے
اچھے اچھے پھنس گئے ہیں نوکری کے جال میں | سچ یہ ہے افزونئ تنخواہ جو چاہے کرے

با اثر ہونا تو ہے موقوف دل کے رنگ پر
جوش میں یوں آ کے اکبر آہ جو چاہے کرے

جھکتا نہیں بندہ کسی بدخواہ کے آگے | کیا غم ہے توکلت علی اللہ کے آگے
متفق بھی ہے قانون شہادت بھی خرد بھی | سب ہیچ مگر آپ کی واللہ کے آگے

ان کی نظر کا آخر کیا کر لیا کسی نے | بس رو دیئے گر یہ کہہ کر یارب اسی نے
پھنکے ہیں نرم جسم میں اب کیسے رے خدائی | سکہ نیا بٹھایا گرد دل ان کی بھنوں نے
کیا حال دل بتائیں کیا اس پہ قدم رکھیں | مایوس کر دیا ہے اس بت کی بے رخی نے
جلوہ ہے آسماں پر ابر و شفق کا گویا | اچھا سماں دکھایا لب پر تری ہنسی نے

وہ خوب سمجھتے ہیں یہ کیوں مجھ کو غشی ہے
انکار دو عالم نے کیا ہے مجھے بیمار
محبوبہ بھی رخصت ہوئی ساقی بھی سدھارا
میں کونسا منہ لیکے انھیں شکل دکھاؤں

یہ بھی اک ادا ہے جو یہ بیگانہ وشی ہے
سنتا ہوں علاج اس کا فقط بادہ کشی ہے
دولت نہ رہی پاس تو اب ہے نہ نشی ہے
گورے کو کہا جب یہ نگوڑا حبشی ہے

ادھر ہے جلوۂ مضموں ادھر حسن قوافی ہے
جناب شیخ ہی کو فکر اسناد منافی ہے

یہی اک شغل میرے دل کے بہلانیکو کافی ہے
ہماری طبع موزوں کو زمین شعر کافی ہے

تیری زلفوں میں کافری ہے
اللہ رے مصائب شب ہجر
کہنے لگے سن کے نظم میری

تیری آنکھوں میں ساحری ہے
گویا ہر سانس آخری ہے
دنیا [illegible] یہ شاعری ہے

اٹھ گیا دنیا سے دل عزلت گزینی کیلئے
یاد تیری رہ گئی ہے ہمنشینی کیلئے

مطیع و تابع فرماں کو عذر ہی کیا ہے
جناب شیخ کو ہے میرے حال پر افسوس
ہمارے حضور کی ہے ابتدا زمانہ میں
وہ عشق کیا جو نہ ہو ادنی طریق کمال
ہر ایک کو ہے زمانے میں زندگی مقصود
بتوں کو دیتے ہیں ہم جان دل لگی کیلئے
مرید لوگ بھی اب اعتنا نہیں کرتے
جو [illegible] ہیں ان کو بتوں سے کیا مطلب
اس انقلاب کو حیرت سے دیکھتا ہوں میں
گل تر کو بھلا اس عارض رنگیں سے کیا نسبت
[illegible] کی تجلی عیاں ہے قرب عارض میں

کھلے تو حال کہ مرضی حضور کی کیا ہے
[illegible] ہوگا سوا اس کے کیا ہے
بڑھے گی اسکی [illegible] لے ابھی کیا ہے
جو عقل کو نہ بڑھائے وہ شاعری کیا ہے
کسے خبر ہے کہ مقصود زندگی کیا ہے
مگر یہ جان گنوانا ہے دل لگی کیا ہے
جو دیکھتے ہیں تو کہتے ہیں شیخ جی کیا ہے
وہ حور کی نہیں سنتے تو پھر پری کیا ہے
زمانہ کہتا ہے دیکھا کرو ابھی کیا ہے

گرا سپر اوس پڑتی ہے یہاں خوبی ٹھٹکتی ہے
یہی وہ برق ہے سورج کے پہلو میں چمکتی ہے

اپنے پہلو سے وہ غیروں کو اٹھا ہی نہ سکے
ان کو ہم قصۂ غم اپنا سنا ہی نہ سکے

ذہن میرا وہ قیامت کہ دو عالم پہ محیط
آپ ایسے کہ مرے ذہن میں آ ہی نہ سکے

دیکھ لیتے جو انھیں تو مجھے رکھتے معذور
شیخ صاحب مگر اس بزم میں جا ہی نہ سکے

عقل مہنگی ہے بہت عشق خلاف تہذیب
دل کو اس عہد میں ہم کام میں لا ہی نہ سکے

ہم تو خود چاہتے تھے چین سے بیٹھیں کوئی دم
آپ کی یاد مگر دل سے بھلا ہی نہ سکے

عشق کامل ہے اسی کا کہ پتنگوں کی طرح
تاب نظارۂ معشوق کی لا ہی نہ سکے

دام ہستی کی بھی ترکیب عجب رکھی ہے
جو پھنسے اس میں وہ پھر جان بچا ہی نہ سکے

مظہر جلوۂ جاناں ہے ہر اک شے اکبر
بے ادب آنکھ کسی سمت اٹھا ہی نہ سکے

ایسی منطق سے تو دیوانگی بہتر اکبر
کہ جو خالق کی طرف دل کو جھکا ہی نہ سکے

جو زاہدوں کی طرف سے تیری نگاہ فتاں پھری نہیں ہے
تو کیا سبب ہے ہنسو انکی بنائے تقویٰ گری نہیں ہے

اگرچہ عاشق بتوں کا ہوں میں نظر خدا سے پھری نہیں ہے
جو آنکھ رکھتے ہیں جانتے ہیں کہ عاشقی کافری نہیں ہے

جمال دلکش کا محو ہونا نہیں ہے ہرگز خلاف طاعت
خدا کی قدرت کی قدر کرنا ثواب ہے کافری نہیں ہے

بس اک اشارہ میں لے گئی تو دلوں سے ایمان و صبر و تقویٰ
بتا تو اے چشم مست کافر یہ کیا ہے گر ساحری نہیں ہے

ہماری دولت ایماں بت کافر نے لوٹی ہے
امید عیش پر خوش تھے مگر اب وہ بھی ٹوٹی ہے

مری تقریر طبع یار کو بے چین کرتی ہے
سبب کیا ہے وہی کہتا ہوں جو دل پر گزرتی ہے

ٹھہرتا ہی نہیں جو دل وہ ہے انمول دنیا میں
یہ کیا پوچھا کہ تیرے دل کی کیا قیمت ٹھہرتی ہے

سلیقہ عاشقی کا دل میں پیدا کرتی ہے فطرت
خدا جانے عنایت کرتی ہے یا ظلم کرتی ہے

یقین قوت مذہب سے بت پرستی ہے
غرور رفعت دنیا نظر کی پستی ہے

حدیث زلف و کمر معرفت کی غزلیں
خدا کے عشق میں بھی لطف بت پرستی ہے

مسلمانوں کو لطف عیش سے جینے نہیں دیتے
خدا دیتا ہے کہتا ہے شیخ جی پینے نہیں دیتے

شیخ جی اپنی سی بکتے ہی رہے
وہ تھیٹر میں تھرکتے ہی رہے

دف بجایا ہی کئے مضمون نگار
وہ کمیٹی میں مٹکتے ہی رہے

سرکشوں نے طاعت حق چھوڑ دی
اہل سجدہ سر پٹکتے ہی رہے

گائیں سبزہ پا گئیں کرتے کلیل
اونٹ کانٹوں پہ لپکتے ہی رہے

جو غبارے تھے وہ آخر گر گئے
جو ستارے تھے چمکتے ہی رہے

مرے اجداد بھی ڈرتے تھے اکبر میں بھی ڈرتا ہوں
مگر ان کو گناہوں سے تھا ڈر اور مجھ کو مرنے سے

نشان اللہ کا اس راہ میں دیتا نہیں واعظ
بجا ہے ہمت مسلم جو رکتی ہے ابھرنے سے

سعادت کا جو طالب ہے کھلا رکھے چشم عبرت کو
اثر دکھلائیگا یہ نقش ہستی آہ کے بھرنے سے

سرائے دہر کو جس نے محل خوف سمجھا ہے
اسے کیا لطف آئیگا یہاں رک کے ٹھہرنے سے

خدا کے نام میں لذت نہ پائی اہل غفلت نے
تعجب اس میں کیا دل مر گیا دنیا پہ مرنے سے

خدا کے خوف کو پیہم جگہ دے دل میں اے اکبر
بتوں کی کافری بڑھتی ہے تیرے واہ کرنے سے

اگر ملنا نہیں منظور آنکھیں کیوں ملاتے ہو
یہ تڑپانے سے حاصل فائدہ بیچین کرنے سے

نہ رہنے دیگا مجھ کو جوش دل دستکش ہرگز
قیامت ہو گیا ہے آپ کا سینہ ابھرنے سے

جوانی کی ہے آمد شرم سے جھک سکتی ہیں آنکھیں
مگر سینے کا فتنہ رک نہیں سکتا ابھرنے سے

اور بھی دور فلک ہیں ابھی آنے والے
ناز اتنا نہ کریں ہم کو مٹانے والے

سیکڑوں دور جنوں ہیں ابھی آنے والے
مطمئن کیا ہیں مجھے ہوش میں لانے والے

اٹھتے جاتے ہیں اب اس بزم سے ارباب نظر
گھٹتے جاتے ہیں مرے دل کے بڑھانے والے

خاتمہ عیش کا حسرت رہی یہ ہوتے دیکھا
رہ ہی گئے اٹھتے ہیں اس بزم میں گانے والے

حد ادراک میں داخل نہ ہوا سر ازل
کچھ سمجھ ہی نہ سکے ہوش میں آنے والے

موج معنی ہوئی گم بندھ گئے الفاظ کے پل
کچھ خبر ہے تجھے اے بات بنانے والے

آپ اندھیرے میں ہیں اپنی تجلی سے ڈر لیتے ہیں
چاند سورج ہیں تمہیں راہ دکھانے والے

بار احساں جسے کہتے ہیں وہ ہے کوہ جفا
کاش نادم ہوں یہ احسان جتانے والے

آپ منکر ہیں غلامی بھی نہیں ملتی ہے
سلطنت کر گئے عقبیٰ سے ڈرانے والے

قدم شوق بڑھے اُنکی طرف کیا اکبر
دل سے ملتے نہیں یہ ہاتھ ملانے والے

رہ گئے ہم ہاتھ ہی ملتے ہوئے
دل ہمارا لے گئے وہ چلتے ہوئے

کیوں نہ ہوتا دیب کالج بے ثمر
کس نے دیکھا بید کو پھلتے ہوئے

سب میں وحشت ہے زمانے کے بدل جانے سے
دل اب اپنے سے نہ ملتا ہے نہ بیگانے سے

رحم کر قوم کی حالت پہ تو اے ذکر خدا
بے ادب ہو گئی مجلس ترے اُٹھ جانے سے

جب ہمیں وہ نہ رہے پھر یہ بدلنا کیسا
یہ کہو مٹ گئے دنیا کے بدلجانے سے

نقص تعلیم سے اب اسکی سمجھ ہی نہ رہی
دل تو بڑھ جاتا تھا اجداد کے افسانے سے

شیخ مرحوم کا قول اب مجھے یاد آتا ہے
دل بدل جائیں گے تعلیم بدلجانے سے

حکم اکبر کو ہوا ہے کہ کرو ترک سخن
خواجہ حافظ بھی نکالے گئے میخانے سے

دم لبوں پر تھا دل زار کے گھبرانے سے
آ گئی جان میں جان آپ کے آجانے سے

تیرا کوچہ نہ چھٹے گا ترے دیوانے سے
اس کو کعبہ سے نہ مطلب ہے نہ بتخانے سے

بچتا ہوں کوئے حسیناں کی ہوا کھانے سے
فائدہ کیا ہے دبی آگ کے بھڑکانے سے

رقص کرتی ہے صبا گرم نوا ہے بلبل
کشتہ اس ناچ کا ہوں مست ہوں اس گانے سے

جو کہا میں نے کہ کچھ مرے رونے کا خیال
ہنس کے بولے مجھے فرصت ہی نہیں گانے سے

جاں بلب دیکھ کے سینے سے لگایا اُسنے
گھٹ گئی شرم مرے شوق کے بڑھ جانے سے

خیر چپ رہیئے مزا ہی نہ ملا بوسے کا
میں بھی بے لطف ہوا آپ کے جھنجلانے سے

خوش کرے کیا مجھے غنچوں کا شگفتہ ہونا
رنج ہوتا ہے بہت پھولوں کے کمھلانے سے

اپنے دل ہی کی رفاقت میں بسر کی ہیں نے
شکر اللہ کا ہے نبھ گئی دیوانے سے

شیخ نافہم ہیں کرتے جو نہیں قدر اسکی
دل فرشتوں کے ملے ہیں ترے دیوانے سے

مضطرب عشق بتاں میں ہوں عبث میں اتنا
رام ہو جائیں گے کیا وہ مرے گھبرانے سے

میہماں چرخ ستمگر کا کیا قسمت نے
کوئی چارہ نہیں اب خون جگر کھانے سے

خوان الوان جہاں پر یہ ہوا ہم کو یقیں
حظا یاں ہے فقط خون جگر کھانے سے

میں جو کہتا ہوں کہ مرتا ہوں تو فرماتے ہیں
کار دنیا نہ رکے گا ترے مرجانے سے

رونق عشق بڑھا دیتی ہے بیتابی دل
حسن کی شان فزوں ہوتی ہے شرمانے سے

دل صدچاک کے کھل جائینگے ہستی کے یہ پیچ
بل نکل جائینگے اس زلف کے اس شانے سے

کون ہمدرد کسی کا ہے جہاں میں اکبر
ایک ابھرا ہی یہاں ایک کے مٹجانے سے

صفحۂ دہر پہ ہیں نقش مخالف اکبر
ایک ابھرتا ہی یہاں ایک کے مٹجانے سے

کل تک محبتوں کے چمن تھے کھلے ہوئے
دو دل بھی آج مل نہیں سکتے ملے ہوئے

اچھے وہی ہیں آج جو سوتے ہیں زیر گل
افسوس ہے انھیں کے ہزاروں گلے ہوئے

آنکھیں دکھا رہی ہیں کہ ہے دلمیں بیٹری[1]
عارض اگرچہ گل کی طرح ہیں کھلے ہوئے

آنکھیں مجھے تلووں سے وہ ملنے نہیں دیتے
ارمان مرے دل کا نکلنے نہیں دیتے

خاطر سے تری یاد کو ٹلنے نہیں دیتے
سچ ہے کہ ہمیں دل کو سنبھلنے نہیں دیتے

کس ناز سے کہتے ہیں وہ جھنجلا کے شب وصل
تم تو ہمیں کروٹ بھی بدلنے نہیں دیتے

پروانوں نے فانوس کو دیکھا تو یہ بولے
کیوں ہم کو جلاتے ہو کہ جلنے نہیں دیتے

حیران ہوں کس طرح کروں عرض تمنا
دشمن کو تو پہلو سے وہ ٹلنے نہیں دیتے

دل وہ ہے کہ فریاد سے لبریز ہے ہر وقت
ہم وہ ہیں کہ کچھ منہ سے نکلنے نہیں دیتے

گرمی محبت میں وہ ہیں آہ کے مانع
پنکھا نفس سرد کا جھلنے نہیں دیتے

[1] لغت انگریزی یعنی بجلی پیدا کرنے کے آلہ کو کہتے ہیں ۱۲

دورِ دوم

غمزہ نہیں ہوتا کہ اشارا نہیں ہوتا
آنکھ اُن سے جو ملتی ہے تو کیا کیا نہیں ہوتا

جلوہ نہ ہو معنی کا تو صورت کا اثر کیا
بلبل گلِ تصویر کا شیدا نہیں ہوتا

اللہ بچائے مرضِ عشق سے دل کو
سنتے ہیں کہ یہ عارضہ اچھا نہیں ہوتا

تشبیہ ترے چہرے کو کیا دوں گلِ تر سے
ہوتا ہے شگفتہ مگر اتنا نہیں ہوتا

ہم نزع میں ہیں آئیں تو احسان ہے اُنکا
لیکن یہ سمجھ لیں کہ تماشا نہیں ہوتا

ہم آہ بھی کرتے ہیں تو ہو جاتے ہیں بدنام
وہ قتل بھی کرتے ہیں تو چرچا نہیں ہوتا

نہاں ہے مثلِ بوئے گل جو رنگ اس روئے زیبا کا
مری چشمِ تماشا چشمہ ہے خونِ تمنا کا

سیہ بختی کو پڑتے ہیں جو ہم پر پیچ غربت میں
تو یاد آتا ہے بل کھانا کسی زلفِ چلیپا کا

ہوا ہے امتحانِ ضبط پر مائل بتِ کافر
خدا حافظ دلِ بے صبر و جانِ ناشکیبا کا

بڑھا کر آرزو اتنا گھٹایا عشق نے مجھ کو
کہ کانٹا رہ گیا میں اپنے گلزارِ تمنا کا

نہ ہو چشمِ تمنا کس طرح محوِ رخِ روشن
رخِ روشن تمھارا نور ہے چشمِ تمنا کا

مری آنکھوں سے ہے کیفیتِ مستی دل پیدا
لبِ ساغر سے افشا ہو رہا ہے رازِ مینا کا

کمالِ یاس حاصل ہو گیا آخر مجھے اکبرؔ
بہت روزوں سے دل کو شغل تھا مشقِ تمنا کا

غمِ فراق کا صدمہ اُٹھا نہیں سکتا
اب اپنی جان میں اے جاں بچا نہیں سکتا

کسی کو رنگِ محبت دکھا نہیں سکتا
جو دل میں ہے وہ زباں پر میں لا نہیں سکتا

حیائے حسن اُنھیں ہے حجابِ عشق مجھے
غرض وہ آ نہیں سکتے میں جا نہیں سکتا

یہ کہہ کے اٹھ گئے ہنگام نزع مجھ سے رفیق
یہ راہ وہ ہے کوئی ساتھ جا نہیں سکتا

لگا لے سینے سے یا قتل کر مجھے ظالم
ترے قدم سے میں اب سر اٹھا نہیں سکتا

تمہیں ملو تو ملو ورنہ اور سے کیا کام
میں اپنے دل کو کہیں اب لگا نہیں سکتا

نظر لگائے ہیں دلبر ہر اک طرف سے حسیں
کسی طرح سے میں پہلو بچا نہیں سکتا

گذر چکا ہے مرا کام ضبط سے اکبر
میں راز عشق اب اپنا چھپا نہیں سکتا

تم نے بیمار محبت کو ابھی کیا دیکھا
جو یہ کہتے ہوئے جاتے ہو کہ دیکھا دیکھا

طفل دل کو مرے کیا جانے لگی کس کی نظر
میں نے کمبخت کو دو دن بھی نہ اچھا دیکھا

ق

لے گیا تھا طرف گور غریباں دل زار
کیا کہیں تم سے جو کچھ واں کا تماشا دیکھا

وہ جو تھے رونق آبادی گلزار جہاں
سر سے پا تک انہیں خاک رہ صحرا دیکھا

کل تلک محفل عشرت میں جو تھے صدر نشیں
قبر میں آج انہیں بیکس و تنہا دیکھا

بسکہ نیرنگی عالم پہ اسے حیرت تھی
آئینہ خاک سکندر کو سراپا دیکھا

سر جمشید کے کاسے میں بھری تھی حسرت
یاس کو معتکف تربت دارا دیکھا

وصل جاناں کی دل زار کو حسرت ہی رہی — پر میسر نہ ہوا — تھا یہ قسمت کا لکھا
عمر بھر جان پہ فرقت کی مصیبت ہی رہی

تم نے جو بات کہی میں نے دل و جاں سے وہ کی — نہ کیا عذر کبھی — پھل یہ خدمت کا ملا
تم کو اس پر بھی مگر مجھ سے شکایت ہی رہی

چشمۂ چشم سے اشکوں کی بھی موجیں نکلیں — ٹھنڈی سانسیں بھی بھریں — نہ ہوا فرق ذرا
آتش غم کی مگر دل میں حرارت ہی رہی

کھائیں سو مرتبہ قسمیں کہ ہوں عاشق تجھ پر — نہیں اوروں پہ نظر — صاف مجھ سے نہ ہوا
بدگمانی مگر اس شوخ کی عادت ہی رہی

ایک تم ہو کہ ہزاروں ہی کئے مجھ پہ ستم　　میں کہ غیروں سے بھی ہم
ایک میں ہوں کہ مجھے تم سے محبت ہی رہی　　کبھی شکوہ نہ کیا

دشمنوں نے تو بہت بات بنائی جا کر　　کہ وہ بگڑیں مجھ پر
حال پر میرے مگر انکی عنایت ہی رہی　　کچھ کسی سے نہ ہوا

ہے تمھاری بھی عجب سخت طبیعت بخدا　　رحم دل میں نہ ذرا
منتیں کرتے رہے ہم تمھیں وحشت ہی رہی　　پاس بیٹھے نہ ذرا

منزلِ گور میں تنہا نہ مجھے سب چھوڑ چلے　　اپنے بیگانے جو تھے
ساتھ دینے کو فقط اُسکی عنایت ہی رہی　　اور کوئی نہ رہا

ہم نشیں اٹھ گئے اس بزم سے اپنے اکبرؔ　　تم بھی بس باندھو کمر
نہ وہ جلسے ہی رہے اب نہ وہ صحبت ہی رہی　　کیا ہے جینے کا مزا

مائل دل وحشی ہے کسی زلفِ دوتا کا
سودا مرے دیوانے کو ہے دام بلا کا

انکار وصال اُنکے لبوں پر یہ نہیں ہے
پیغام میں سنتا ہوں مسیحا سے قضا کا

یار نے کچھ خبر نہ لی دل نے جگر نے کیا کیا
نالۂ شب سے کیا ہوا آہِ سحر نے کیا کیا

دونوں کو پا کے بیخبر کر گئے کام حسن و عشق
دل نے ہمارے کیا کیا انکی نظر نے کیا کیا

صاحب تاج و تخت بھی موت سے یاں نہ بچ سکے
جاہ و حشم سے کیا ہوا کثرت زر نے کیا کیا

کھل گیا سب پہ حال دل ہنستے ہیں دوست بر ملا
ضبط کیا نہ راز عشق دیدۂ تر نے کیا کیا

اکبرؔ خستہ دل کا حال قابل رحم ہو گیا
اس سے سلوک کیا کہوں تیری نظر نے کیا کیا

ہجوم غم سے ان روزوں ہے دل زیر و زبر اپنا
بحق احمد مرسل الٰہی فضل کر اپنا

نصیحت واعظوں کی اب کریگی کیا اثر اپنا
زمانہ ہو چکا ہے یو نہیں رندی میں بسر اپنا

نہ روؤں کس طرح غربت میں میں دل کھو لکر اپنا
حجاب اب ہے یہاں کس کا نہ شہر اپنا نہ گھر اپنا

رہ رسم محبت ان حسینوں سے میں کیا رکھوں
جہاں تک دیکھتا ہوں نفع انکا ہے ضرر اپنا

رہیں آوارہ یوں اک عمر دنیا میں تو کیا حاصل
فراغت تھا بنا لیتے کسی کے دلمیں گھر اپنا

محل غیرت کا ہے چہرے یہ نوک آوار قاتل کے
مجھے اس معرکے میں منہ نہ دکھلائے سپر اپنا

محبت کھل گئی اپنی پرائے طعنے دیتے ہیں
عجب عالم ہے غیرت سے ادھر انکا ادھر اپنا

محبت میں یہ ناصح اور بھی اک قہر ڈھاتے ہیں
کہیں کیا ناک میں دم ہے ادھر انکا ادھر اپنا

گلستان مضامیں سبکہ ہے مد نظر اپنا
گل تر سے لطافت میں فزوں ہے شعر تر اپنا

ہوا ہے بیخودی کے کوچہ میں جب سے گذر اپنا
نگاہ شوق سے میں خود ہوں منظور نظر اپنا

اٹھاتا تھا نہ ارمان سختیاں دلمیں اسی رکھ کر
مرے سنگ لحد پر آرزو پٹکے گی سر اپنا

عروج ہستی فانی پہ کیا سرگرم عشرت ہوں
فروغ چند ساعت ہے یہاں مثل شرر اپنا

جگر ڈوبے آمد آمد ہے نوید وصل جاناں کی
اٹھا لے سینہ سے بستر تو لے درد جگر اپنا

نہیں کچھ آج ہی سے میری قسمت میں پریشانی
ازل سے حصۂ سودائے گیسو میں ہے سر اپنا

لحد کی فکر بھی لازم ہے منعم قصر عالی میں
مآل کار بھی کچھ سوچ لے اے بیخبر اپنا

امانت عشق کی بعد اپنے کیا جانے ملے کسکو
نہیں معلوم جائے کس کے سر درد سر اپنا

غرض کیا انکو ہے پابوس انکی پاؤں دھوتی ہے
لیے پھرتا ہے کیوں پھر فلک یہ طشت زر اپنا

نگاہ شوق پرست ہوس کو کیوں نہ رشک آئے
کہ یہ مجبور ہیں وہ کام کرتی ہے ادھر اپنا

کہیں دیکھا نہ ہستی و عدم کا اشتراک ایسا
جہاں ہیں یار رکھتی ہی نہیں انکی کمر اپنا

نہایت جلد آکر باعث تسکین خاطر ہو
سراپا منتظر سمجھے مجھے ان کی خبر اپنا

نہیں باقی نہیں پاتی رسائی گوش جاناں تک
بدلتی ہے طریقہ سو طرح میری خبر اپنا

غزل ایسی پڑھو مملو جو ہو عالی مضامیں سے
کرو اب دوسرے کوچہ میں اے اکبر گذر اپنا

حباب آسا اٹھایا بحر ہستی میں جو سر اپنا
بنایا بس دہیں موج فنا نے ہم سفر اپنا

بسترِ ہجر درد دل میں ہو کیونکر اہلِ بینش کی
اندھیرے میں نہیں کچھ کام کر سکتی نظر اپنا

پہنچ جاؤنگا سجدوں سے مقامِ قربِ باری میں
قدم کے بدلے میں اس راہ میں رکھونگا سر اپنا

خطِ موہوم کو ہے نقطۂ فرضی سے اک نسبت
تمھیں اپنے دہن سے کچھ کرو درست کمر اپنا

تصور بھی کبھی مرقد کا آتا تھا نہ دنیا میں
یہ غفلت تھی کہ ہم بھولے ہوئے بیٹھے تھے گھر اپنا

رہِ توحید میں کھٹکا نہیں ہے غیر کا مجھ کو
خودی کا خوف ہے لیکن رہا کرتا ہے ڈر اپنا

نزاکت کے اثر سے شعر میں بھی بندھ نہیں سکتا
بچا جاتا ہے پہلو مجھ سے مضمونِ کمر اپنا

ہماری سرخی داغِ جگر سے زرد رو ہونگے
جمائیں گے وہاں کیا رنگ الفت اہلِ زر اپنا

تردد کچھ نہیں ایذا دہندوں کو رسائی میں
تمنا بے تکلف دل میں کر لیتی ہے گھر اپنا

نسیمِ عیش ہو یا صرصرِ غم ہم نہیں ہٹتے
جما ہے پائے استقلال یہاں مثلِ شجر اپنا

جو پیشِ چشمِ معنی جلوۂ حسنِ بشر آیا
تماشہ پرتوِ انوارِ خالق کا نظر آیا

رہا دم بھر فروغ اس کو کبھی جو اوج پر آیا
مرے حصے میں شاید اخترِ بختِ شرر آیا

تصور جلوۂ توحید کا ہے مثلِ آئینہ
کیا شوقِ تماشا جب کبھی میں خود نظر آیا

تصور انکے عارض کا زبس رنگین و نازک تھا
پری بنکر ہمارے شیشۂ دل میں اتر آیا

ملا ہے ہم کو یہ مضمون روشن چشمِ بینا سے
کہ چھوڑی جس نے خود بینی اسے سب کچھ نظر آیا

گیا تھا ہو کے رخصت صورتِ تسکینِ دل مجھ سے
برنگِ ہوش واں سے پھر کے اپنا نامہ بر آیا

حسینوں کو ترے ہوتے ہوئے اے بت میں کیا دیکھوں
مجھے تو حسن تیرا خود تماشائی نظر آیا

ہوا ہے باعثِ ایجادِ عالم حسن یہ کس کا
یہ کس کے دیکھنے کو مجمعِ اہلِ نظر آیا

جگہ بھی بیٹھنے کی اب مجھے ملتی نہیں صاحب
وہی اچھا رہا اس بزم میں جو پیشتر آیا

سوا افسانۂ دل کے کہا بھی کچھ نہیں میں نے
یہ غصہ آپ کو فرمائیے کس بات پر آیا

ہوئے سرسبز لاکھوں نخل اس گلزارِ ہستی میں
نہ لیکن رنگ پر اپنی تمنا کا شجر آیا

نہ حاصل ہوا صبر و آرام دل کا
نہ نکلا کبھی تم سے کچھ کام دل کا

محبت کا نشہ رہے کیوں نہ ہر دم — بھرا ہے مئے عشق سے جام دل کا

پھنسایا تو آنکھوں نے دام بلا میں — مگر عشق میں ہو گیا نام دل کا

ہوا خوب رسوا یہ عشق بتاں میں — خدا ہی ہے اب میرے بدنام دل کا

یہ بانکی ادائیں یہ ترچھی نگاہیں — یہی لے گئیں صبر و آرام دل کا

دھواں پہلے اُٹھتا تھا آغاز تھا وہ — ہوا خاک اب یہ ہے انجام دل کا

جب آغاز الفت ہی میں جل رہا ہے — تو کیا خاک بتلاؤں انجام دل کا

خدا کے لئے پھیر دو مجھ کو صاحب — جو سرکار میں کچھ نہ ہو کام دل کا

پس مرگ اُن پر کھلا حال الفت — گئی لے کے روح اپنی پیغام دل کا

تڑپتا ہوا یوں نہیں پایا ہمیشہ — کہوں کیا میں آغاز و انجام دل کا

دل اُس بے وفا کو جو دیتے ہو اکبرؔ — تو کچھ سوچ لو پہلے انجام دل کا

فروغ کم بضاعت رونق عالم نہیں ہوتا — مہ نو بدر ہو کر نیر اعظم نہیں ہوتا

بتوں کے قول سے شاداں دل پر غم نہیں ہوتا — دل انکا سنگ ہے پر عہد مستحکم نہیں ہوتا

خدا محفوظ رکھے الفت مژگان خوباں سے — یہ ذوق نشتر دل مرتے مرتے کم نہیں ہوتا

مقام بیخودی میں آرزو کیا عرض مطلب کیا — وہاں یہ دل نہیں ہوتا ہے یہ عالم نہیں ہوتا

تمنائے سینہ تک دست تصور کس طرح پہنچے — وہ سینہ آشنائے دست نامحرم نہیں ہوتا

تمہارے وعظ میں تاثیر تو ہے حضرت واعظ — اثر لیکن نگاہ ناز کا بھی کم نہیں ہوتا

تمنائے وصال یار میں ہر وقت روتا ہوں — فراق آستیں و دیدۂ پر نم نہیں ہوتا

شکستہ سوختہ مجروح اسیر تمنا ہیں — دل عاشق سا دنیا میں کوئی پر غم نہیں ہوتا

اگر دل واقف نیرنگی طبع صنم ہوتا — زمانہ کی دو رنگی کا اسے ہر گز نہ غم ہوتا

یہ پابند مصیبت دل کے ہاتھوں ہم تو رہتے ہیں — نہیں تو چین سے کٹتی نہ دل ہوتا نہ غم ہوتا

انہیں کی بے وفائی کا یہ ہے آٹھوں پہر صدمہ
نہ ہی ہوتے جو قابو میں تو پھر کاہے کو غم ہوتا

لب و چشمِ صنم گر دیکھنے پاتے کہیں شاعر
کوئی شیریں سخن ہوتا کوئی بیمار درہم ہوتا

بہت اچھا ہوا آئے نہ وہ میری عیادت کو
جو وہ آتے تو غیر آتے جو غیر آتے تو غم ہوتا

اگر قبروں میں نظر آتیں نہ دارا و سکندر کی
مجھے بھی اشتیاقِ دولت و جاہ و حشم ہوتا

لیے جاتا ہے جوشِ شوق ہم کو راہِ الفت میں
نہیں تو ضعف سے دشوار چلنا دو قدم ہوتا

نہ رہنے پائے دیواروں میں روزن شکر ہے ورنہ
تمہیں تو دل لگی ہوتی غریبوں پر ستم ہوتا

نہ پروانے سے محفل اور نہ بلبل سے چمن چھوٹا
مجھی سے جلسۂ رنگینِ یاراں وطن چھوٹا

وہ ترچھی نظروں سے دیکھا کیے اور میں ہوا بسمل
نہ بیتابی گئی میری نہ اُن کا بانکپن چھوٹا

روشن دلِ عارف سے فزوں ہے بدن انکا
رنگیں ہے طبیعت کی طرح پیرہن انکا

محروم ہی رہ جاتی ہے آغوشِ تمنا
شرم آ کے چرا لیتی ہے سارا بدن انکا

جن لوگوں نے دل میں ترے گھر اپنا کیا ہے
باہر ہے دو عالم سے مری جان وطن انکا

ہر بات میں وہ چال کیا کرتے ہیں مجھ سے
الفت نہ نبھے گی جو یہی ہے چلن انکا

عارض سے غرض ہم کو عنادل کو ہے گل سے
ہے کوچۂ معشوق ہمارا چمن انکا

ہے صاف نگاہوں سے عیاں جوشِ جوانی
آنکھوں سے سنبھلتا نہیں مستانہ پن انکا

یہ شرم کے معنی ہیں حیا کہتے ہیں اسکو
آغوشِ تصور میں نہ آیا بدن انکا

غیروں ہی پہ چلتا ہے جو اب ناز کا خنجر
کیوں تیغ میں لایا تھا مجھے بانکپن انکا

غیروں نے کبھی پاک نظر سے نہیں دیکھا
وہ اُس کو نہ سمجھیں تو یہ ہے حسنِ ظن انکا

اس زلف و رخ و لب پہ انھیں کیوں نہ ہو نخوت
تاتار ہے انکا حلب اُن کا یمن انکا

اللہ رے فریبِ نظرِ چشمِ فسوں ساز
ہندو ہے ہر اک شیخ ہر اک برہمن انکا

آیا جو نظر حسنِ خداداد کا جلوہ
بت بن گیا منہ دیکھ کے ہر برہمن انکا

مرقد میں اتارا ہمیں تیوری کو چڑھا کر
ہم مر بھی گئے پر نہ چھٹا بانکپن انکا

گذری ہوئی باتیں نہ مجھے یاد دلاؤ
اب ذکر ہی جانے دو بس ایجان من ان کا

دلچسپ ہے آفت ہے قیامت ہے غضب ہے
بات انکی ادا ان کی قد ان کا چلن ان کا

پوشیدہ آنکھ میں کبھی دل میں نہاں رہا
برسوں خیال یار مرا میہماں رہا

فریاد کس کی تھی پس دیوار رات بھر
کیا مجھ سے پوچھتے ہو تو کل شب کہاں رہا

بیجا مرے سفر پہ ہیں یہ بدگمانیاں
پیش نظر تمھیں تو رہے میں جہاں رہا

مصحف رخسار یوسف میں ہو جب تفسیر خواب
کیا زلیخا کو عزیز مصر دے تعبیر خواب

اگلی باتیں سنکے عبرت کے عوض غفلت نہ کر
غافلوں کے واسطے افسانہ ہے تدبیر خواب

کوچۂ جاناں سے اٹھتا ہوں تو سو جاتے ہیں پاؤں
ہے طلسم تازہ بیڑی کے عوض زنجیر خواب

خواب تھیں بیداریاں اس ہستی موہوم کی
گور میں خواب فنا سے مل گئی تعبیر خواب

برق کا جلوہ نظر آیا ہے مجھ کو خواب میں
قرب ان سے ہوگا الٹی ہے اگر تعبیر خواب

وصل میں شوق تماشا ہجر میں اشکوں کا جوش
عاشقی میں الغرض ممکن نہیں تدبیر خواب

قتل کرتا ہے ترا بے ساختہ سونا مجھے
اس ادا سے خواب کو کہتا ہوں میں شمشیر خواب

اس زمیں میں اور بھی پڑھیے غزل اکبر کوئی
پڑ گئی ہو گر نہ پائے فکر میں زنجیر خواب

ہم جو سمجھے تھے نہ وہ حاصل ہوئی تعبیر خواب
خواب میں بھی پھر نظر آئی نہ وہ تصویر خواب

عالم ایجاد بھی اک عالم موہوم ہے
جتنی تعمیریں ہیں پائی ہیں یہ سب تعمیر خواب

خواب میں دیکھا کہ وہ دامن چھڑا کر چل دیے
حشر کے دن ہونگے یارب ہم گریباں گیر خواب

کون ایسا ہے جو ہر شب چین سے سوتا نہیں
اک ہمیں محروم ہیں اے فیض عالمگیر خواب

حضرت یوسف کو لپٹا کر زلیخا نے کہا
آپ کے ملنے سے مجھ کو مل گئی تعبیر خواب

خواب میں شاید کہی ہے تمنے اکبر یہ غزل
سارے مضموں ہیں خیالی ہے یہ سب تقریر خواب

نظر آتی نہیں جب انہیں اثر کی صورت / فائدہ کیا جو بہے اشک گہر کی صورت

خانۂ دل کو کیا عشق بتاں نے برباد / کیا سے کیا ہو گئی اللہ کے گھر کی صورت

حسن کیواسطے لازم ہے تلوّن شاید / دیکھئے روز بدلتی ہے قمر کی صورت

ہمنے مخلوق میں خالق کی تجلّی پائی / دیکھ لی آئینہ میں آئینہ گر کی صورت

دل رنگیں بھی عجب دل ہے مگر قہر ہے یہ / خون ہو جاتا ہے مصروف تمنّا ہو کر

مرض عشق سے صحت نہیں ہوتی تو نہ ہو / کام ہی کیا ہے کروں گا جسے اچھا ہو کر

عالم اُسکے رُخ زیبا کا بیاں ہو کس سے / حسن حیرت میں ہے خود محو تماشا ہو کر

بتوں کی مجھ کو یہ ترچھی نظر نہیں منظور / خرابی دل و جان و جگر نہیں منظور

ٹلا لیتے ہیں عبث آجکل پہ عذر وصال / جواب صاف نہ دیدیں اگر نہیں منظور

یہاں کے آنے میں تکلیف ہوگی انکو کمال / اسی سے جذبۂ دل کا اثر نہیں منظور

وہ خود رقیبوں سے ملنا جو ترک کرتے ہیں / تو خیر مجھ کو بھی اب انسے شر نہیں منظور

مرض ہزار بلاخیز ہو پسند ہے وہ / دوا میں لاکھ شفا ہو مگر نہیں منظور

ہزار بے اثری ہو رہیگا ضبط مجھے / فغاں میں لاکھ اثر ہو مگر نہیں منظور

نہ ہو عروج تو بیفروغ ہو کے رہیں / یہ سرکشی تو بسان شرر نہیں منظور

قبول سایۂ دیوار یار میں رہنا / ہما کا سایہ مگر فرق پر نہیں منظور

ہزار نوک سناں سینہ پر گوارا ہے / مگر یہ کاوش تیر نظر نہیں منظور

اداس ہوتے ہو کیوں اٹھو پھر چلے جانا / تمہارا رکنا پھر رات بھر نہیں منظور

جو گھر سے نکلا تو ظالم مرے دکھانیکو / اُدھر چلا ہے کہ جانا جدھر نہیں منظور

عدم کو جاتا ہوں احباب دیکھ لیں آکر / وہیں رہونگا اب آنا ادھر نہیں منظور

ازل میں خالق برحق سے روح کا تھا یہ قول / بغیر عشق لباس بشر نہیں منظور

وہ دل پسند نہیں جسمیں جائے درد نہ ہو / ہو اُسکے غم نہ جسمیں وہ سر نہیں منظور

محل امن یہی ہی کہ سب مجاز ہی یہاں
کسی کے دل میں مجھے اپنا گھر نہیں منظور

خیال وصل بتاں چھوڑ دو بس اے اکبر
تڑپنا روح کا آٹھوں پہر نہیں منظور

سنہ ۱۸۷۰ء

آگیا وقت اجل اے شوق دنیا الوداع
الوداع اے حسرت دل اے تمنا الوداع

الوداع اے ساقی مے خانۂ طول امل
اے سرور بادۂ امید فردا الوداع

اے خم محراب ایوان خوش آئین السلام
اے شکوہ رفعت قصر معلّے الوداع

الوداع اے مسند و فرش و قبا و پیرہن
اے حریر و اطلس و کمخواب و دیبا الوداع

الوداع اے رنگ وحشت الوداع اے ذوق شوق
رخصت اے جوش جنوں اے سیر صحرا الوداع

الوداع اے جلوۂ نیرنگی حسن بتاں
اے خیال عارض و زلف چلیپا الوداع

الوداع اے عالم نیرنگی باغ جہاں
اے نگاہ دیدۂ محو تماشا الوداع

عازم ملک عدم ہے اکبر خونیں جگر
الوداع اے عمر اے بزم احبا الوداع

ہوا پھر قیدی زلف دوتا دل
بلا میں ہو گیا پھر مبتلا دل

نگاہیں چتونیں عشوے کرشمے
ادھر اتنے ادھر تنہا مرا دل

نہ چھوڑا آتش الفت نے پیچھا
جگر جلنے لگا جب جل چکا دل

لگاوٹ غیر سے ہم سے رکھائی
انھیں باتوں سے تجھ سے پھر گیا دل

یہ وقت نزع ہے دم بھر تو ٹھہرو
نہ توڑو عاشق رنجور کا دل

بڑے صدمے اُٹھائے تم نے اکبر
بتوں کو اب نہ دو بہر خدا دل

عہد طفلی سے ہو مذہب میں گرفتاری دل
ساتھ ساتھ اپنے بڑھا کی ہے یہ بیماری دل

نئے اتحاد مبارک رہیں نو خیزوں کو
میں نہ تھا اور آرزوئے عرب و وفاداری دل سا

الفت اسلام میں اچھے بڑے مدت گذری
اب کہاں، چھوڑتی ہے مجھ کو وفاداری دل

میں تو شیدائے رسول عربی ہوں اکبر
مجھ کو اب بس انھیں کے لئے سرداری دل

ما حصل عمر سوا موت کے جب کچھ بھی نہیں
چار دن کیلئے یہ عیش و طرب کچھ بھی نہیں

وجہ کیا تم سے کہوں اسکی طبیعت ہی تو ہے
دل کو اک جوش ہے روتا ہوں سبب کچھ بھی نہیں

زندگی میں تو رہا کرتے تھے کیا کیا ساماں
قبر میں بعد فنا آئے تو اب کچھ بھی نہیں

نہ تو خلوت ہی میسر ہے نہ کچھ لطف کی بات
کیوں بلایا ہے مجھے آپ نے جب کچھ بھی نہیں

نہ وہ احباب نہ وہ لوگ نہ وہ شمع نہ بزم
صبحدم وہ اثر جلسہ شب کچھ بھی نہیں

کوئی اکبر سا بھی دیوانہ نظر آیا ہے کم
یوں رہا ہے جو پوچھو تو سبب کچھ بھی نہیں

سنبھالیں دل کو کہ ہم حالت جگر دیکھیں
تمام آگ لگی ہے کدھر کدھر دیکھیں

کریں نہ لطف و کرم وہ تو کیا وفا نہ کروں
یہی سمجھ ہے تو اچھا ستم بھی کر دیکھیں

یہ کہہ کے روح نے دل کو کیا سپرد اسکے
کہ ہم تو جاتے ہیں اب آپ اپنا گھر دیکھیں

تڑپ کے جان ابھی دو کہ ہوں تجلی اغیار
خدا کرے کہ مجھے بھی وہ اک نظر دیکھیں

کبھی تو بوسہ سیب ذقن عنایت ہو
نہال عیش کو اک دن تو بارور دیکھیں

نہ تو خشک حسن بتاں سے ہیں بے نصیب
آنکھیں خدا نے دی ہیں مگر دیکھتے نہیں

میں جسکے دیکھنے کو سمجھتا ہوں زندگی
ان کا یہ حال ہے کہ ادھر دیکھتے نہیں

تاثیر انتظار نے یہ حال کر دیا
آنکھیں کھلی ہوئی ہیں مگر دیکھتے نہیں

کیوں دل کو کرتے ہو پامال اے بتو
یہ شوخیاں خدا کا بھی گھر دیکھتے نہیں

ڈرتے تو ڈالدو ذرا چشم شوق کو
دیکھیں گے کس طرح وہ ادھر دیکھتے نہیں

زخمی تری نظر سے بھی ہو ضبط بھی کرے
اتنا ہم اپنے دل کا جگر دیکھتے نہیں

میری جو پوچھتے ہو تو دیتا ہوں اُنپہ جاں
ان کا یہ حال ہے کہ ادھر دیکھتے نہیں

ہے انقلاب حُسن کے عالم میں کسقدر
دو دن بھی ایک شکل قمر دیکھتے نہیں

اکبر نہ سینک شعلۂ حسن بتاں پہ آنکھ
عاقل جو لوگ ہیں وہ ادھر دیکھتے نہیں

رقیب تیرہ باطن کو جگہ دے رکھی ہے دلمیں
نہیں کچھ اور عیب اسکے سوا اس ماہ کامل میں

نہ پوچھو وسعت اندیشۂ عشاق قامت کو
یہ وہ ہیں سو قیامت گم ہے انکے گوشۂ دل میں

بہت عاشق مگر صورت سے معنی بھی تو پیدا ہوں
بہت مجنوں مگر جلوہ تو ہو لیلیٰ کا محمل میں

زبانوں کو نہیں کھلنے کی طاقت بزم میں تیری
نگاہوں کو نہیں یارا کہ اُٹھیں تیری محفل میں

بہت آسان ہے تشریح منطق کے نتیجوں کی
بہت مشکل ہے لیکن فرق کرنا حق و باطل میں

سو جاں سے محو رخ جاناں ہیں تو ہم ہیں
اس آئینہ خانہ میں جو حیراں ہیں تو ہم ہیں

گلگشت کریں پھول جنہیں ان کو ہو کیا غم
آوارۂ صحرائے مغیلاں ہیں تو ہم ہیں

بھڑکی ہوئی ہے آتش گل اپنے ہی دم سے
سوز جگر بلبل نالاں ہیں تو ہم ہیں

شور اپنے ہی جلوے کا ہے یہ دیر و حرم میں
مقصود دل گبر و مسلماں ہیں تو ہم ہیں

اے برق تڑپنے میں ہمیں ہیں ترے ساتھی
اے ابر ترے ساتھ جو گریاں ہیں تو ہم ہیں

دن رات رقیبوں پہ ہے صاحب کی عنایت
بس ایک غم ہجر میں نالاں ہیں تو ہم ہیں

آ چکی بس مرے حصہ میں شب وصل ازل
گردش چرخ میں ایسے مرے مقسوم نہیں

بعد مدت کے جو تقریر بھی کی تم نے تو وہ
جس کے مطلب نہیں معنی نہیں مفہوم نہیں

کمر یار ہے باریکی سے غائب ہر چند
مگر اتنا تو کہوں گا کہ وہ معدوم نہیں

ترچھی چتون سے خدا جانے وہ دیکھیں مجھے کب
موت کا وقت کسی شخص کو معلوم نہیں

میرا احوال جو یاروں نے کہا کچھ اُن سے
ہنس کے فرمایا کہ ہوگا مجھے معلوم نہیں

دم نکلتا ہے ہمارا جو اُن کو نہیں کچھ
جان جاتی ہے ہماری اُنھیں معلوم نہیں

جب کہا میں نے مرے حصے میں آؤ گے کبھی
ہنس کے فرمایا کہ ایسے ترے قسمت میں نہیں

خوب کرتا ہوں رقیبوں کی برائی اُن سے
مذہب عشق میں غیبت کہیں مذموم نہیں

حرم کیا دیر کیا دونوں یہ ویراں ہوتے جاتے ہیں
تمھارے معتقد گبر و مسلماں ہوتے جاتے ہیں

الگ سب سے نظر نیچی خرام آہستہ آہستہ
وہ مجھ کو دفن کر کے اب پشیماں ہوتے جاتے ہیں

سوا طفلی سے بھی ہیں بھولی باتیں اب جوانی میں
قیامت ہے کہ دن پر دن وہ ناداں ہوتے جاتے ہیں

کہاں سے لاؤں گا خون جگر اُن کے کھلانے کو
ہزاروں طرح کے غم دل کے مہماں ہوتے جاتے ہیں

خرابی خانہائے عیش کی ہے دور گردوں میں
جو باقی رہ گئے ہیں وہ بھی ویراں ہوتے جاتے ہیں

بیاں میں کیا کروں دل کھول کر شوق شہادت کو
ابھی سے آپ تو شمشیر عریاں ہوتے جاتے ہیں

غضب کی یاد ہیں عیاریاں واللہ تم کو بھی
غرض قائل تمھارے ہم تو اے جاں ہوتے جاتے ہیں

ادھر ہم سے بھی باتیں آپ کرتے ہیں لگاوٹ کی
ادھر غیروں سے بھی کچھ عہد و پیماں ہوتے جاتے ہیں

غم ہے اتنا کہ دل زار پہ قابو بھی نہیں
ضبط یہ ہے کہ کہیں آنکھ میں آنسو بھی نہیں

کیا مرے عہد میں بدلی ہے گلستاں کی ہوا
رنگ کیسا کہ کسی پھول میں خوشبو بھی نہیں

جفا میں جھیل کر تاثیر الفت کی دکھاتے ہیں
حنا کی طرح پس لیتے ہیں تب پھر رنگ لاتے ہیں

فدا سو جان سے ہوتا ہوں پروانوں کی ہمت پر
جلے جاتے ہیں لیکن شمع سے لپٹے ہی جاتے ہیں

کھلایا غم پلایا خون دل مہماں نوازی کی
ترے احسان مند اے چرخ ہم دنیا سے جاتے ہیں

خودی و بیخودی دونوں ہیں عکس صورت جاناں
اُسی کو جلوہ گر پاتے ہیں جس عالم میں جاتے ہیں

سحر کو در پہ جاتا ہوں تو فرماتے ہیں اندر سے
ابھی سو کر اُٹھے ہیں ہاتھ منہ دھوتے ہیں آتے ہیں

چرخ نے برہم کیا جس کو وہ صحبت خوب تھی
مٹ گئی جو قسمت بد سے وہ سنگت خوب تھی

صحبت باہم میں تو اب روز رہتا ہے فساد
ہم سے لڑنے دور کی صاحب سلامت خوب تھی

درد و الم رنج تنہائی نے غربت میں ہمیں
اب خیال آیا کہ یاروں ہی کی صحبت خوب تھی

عشق میں فرہاد و مجنوں کی بھی قسمت خوب تھی
جان دی شیریں نے اُس پر اُس پہ لیلیٰ مر گئی

غم نہیں اسکا جو شہرت ہو گئی
ہو گئی اب تو محبت ہو گئی

اب کہاں اگلے سے وہ راز و نیاز
مل گئے صاحب سلامت ہو گئی

ہائے کیا دلکش ہے اسکی چشم مست
آنکھ ملتے ہی محبت ہو گئی

چودھواں سال انکو ہے نام خدا
عمر آفت تھی قیامت ہو گئی

ناز سے اسنے جو دیکھا شیخ کو
انکی دینداری ہی رخصت ہو گئی

خدا کا گھر بنانا ہے تو نقشہ لے کسی دل کا
یہ دیواروں کی کیا تجویز ہے زاہد یہ چھت کیسی

یہ کار عاشقی ہے دل جدھر لیجائے جا اکبر
یہ بحثیں اسمیں کیا ہیں مشورہ کیا مصلحت کیسی

انہیں سے ہوئی مجھکو الفت کچھ ایسی
نہ تھی ورنہ میری طبیعت کچھ ایسی

جہاں دل دکھا بس نکل آئے آنسو
بگاڑی محبت نے عادت کچھ ایسی

حیا کی نگاہوں نے مارا ہے مجھ کو
نہیں چتونوں کی شرارت کچھ ایسی

گرے میری نظروں سے خوبان عالم
پسند آگئی تیری صورت کچھ ایسی

میں رونے لگا حال دل کہتے کہتے
یکایک بھر آئی طبیعت کچھ ایسی

یہ غیروں نے اب انکو برہم کیا ہے
نہ تھی ورنہ رنجش کی صورت کچھ ایسی

بسر کیوں نہ ہو عشق خوباں میں اکبر
خدا ہی نے دی ہے طبیعت کچھ ایسی

سنہ ۱۸۷۰ء

حسینوں کے گلے سے لگتی ہے زنجیر سونے کی
نظر آتی ہے کیا چمکی ہوئی تقدیر سونے کی

نہ دل آتا ہے قابو میں نہ نیند آتی ہے آنکھوں میں
شب فرقت میں کیونکر بن پڑے تدبیر سونے کی

یہاں بیداریوں سے خون دل آنکھوں میں آتا ہے
گلابی کرتی ہے آنکھوں کو واں تاثیر سونے کی

بہت بےچین ہوں نیند آ رہی ہو رات جاتی ہو
خدا کے واسطے جلد اب کرو تدبیر سونے کی

یہ زر وہ چیز ہے جو ہر جگہ ہے باعث شوکت
سنی ہے عالم بالا میں بھی تعمیر سونے کی

ضرورت کیا ہے رکنے کی مرے دل سے نکل نالہ
برس مجھ کو نہیں ملتے اگر شبگیر سونے کی

چھپر کھٹ یاں جو سونے کی بنائی اس سے کیا حاصل
کرو اے غافلو کچھ قبر میں تدبیر سونے کی

نظر لطف و کرم یار کی اب وہ نہ رہی
پہلے اک بات جو تھی پیار کی اب وہ نہ رہی

ناامیدی سی ہوئی دیکھ کے غیروں کا ہجوم
آرزو تیرے طلب گار کی اب وہ نہ رہی

وہ لگاوٹ تھی فقط دل کے لبھانے کے لئے
مہربانی بت عیار کی اب وہ نہ رہی

یہ درد دل بھی نہ تھا سوزش جگر بھی نہ تھی
ان آنسوؤں کی تو الفت میں کچھ خبر بھی نہ تھی

زمانہ سازی ہے اب یہ کہ منتظر تھا میں
ہمارے آنے کی تم کو تو کچھ خبر بھی نہ تھی

فلک نے کیوں شب فرقت مجھے ہلاک کیا
جمال یار نہیں تھا تو کیا سحر بھی نہ تھی

تمہارے دل کی نزاکت پہ اس کو رحم آیا
نہیں تو آہ مری ایسی بے اثر بھی نہ تھی

سمجھ میں کچھ نہیں آتا طلسم حسن بتاں
دہن کو سمجھے تھے معدوم واں کمر بھی نہ تھی

جو آپ ہوتے ہیں منکر تو خیر میں جھوٹا
مرا جگر بھی نہ تھا آپ کی نظر بھی نہ تھی

گذر یہ ہو گیا کیونکر دل پریشاں کا
جگہ تو کوچۂ گیسو میں بال بھر بھی نہ تھی

لپٹ گئے وہ گلے سے مرے تو حیرت کیا
وہ سنگدل بھی نہ تھے آہ بے اثر بھی نہ تھی

نگاہ پھیر کے دیکھا یہی غنیمت ہے
مجھے تو آپ سے امید اسقدر بھی نہ تھی

شہید جلوۂ مستانہ ہو گیا شب وصل
خوشی نصیب میں عاشق کے رات بھر بھی نہ تھی

تیری نظروں سے ہماری جب نظر ملتی نہ تھی
ہم کو ایسی لذت درد جگر ملتی نہ تھی

ہر گلی کوچے میں چرچا میری بیتابی کا تھا
کیا کسی سے آپ کو میری خبر ملتی نہ تھی

وہ بھی کیا دن تھے تری شرم و حیا کا دور تھا
آئینہ تک میں چشم جو تجھ سے نظر ملتی نہ تھی

میں اپنی آہ کیے جاؤں واں اثر نہ سہی
مجھے تو بےخبری ہے انہیں خبر نہ سہی

یہ بے حجاب سرِ شام بام پر آنا
حیا بھی تو کوئی شے ہے کسی کا ڈر نہ سہی

اثر وہی ہے محبت کا گو ہے ضبط مجھے
جگر میں درد تو رہتا ہے چشم تر نہ سہی

نکال لینے دے اے چرخ حوصلے دل کے
شباب تک تو رہے عیش عمر بھر نہ سہی

خدا کیواسطے تشریف لائیں آج ضرور
رہیں وہ دو ہی گھڑی پاس رات بھر نہ سہی

حسین جتنے ہیں خواہاں ہیں سب ترا اے دل
بس ایک اُن کی توجہ نہیں اگر نہ سہی

یہ سوچ کیا ہے تجھے رنج کا ہے کون محل
تمام شہر پڑا ہے اک ان کا گھر نہ سہی

سنہ ۱۸۷۱ء

نہ خود رہے نہ حکومت رہی سلیماں کی
کہانی ہو گئی وہ سلطنت پرستاں کی

اسی کے سایہ میں ہوتی ہے میرے دل کی بسر
خدا دراز کرے عمر زلفِ پیچاں کی

خزاں میں بلبل و گل کا نشان تک نہ رہا
ہوا بدل گئی دو روز میں گلستاں کی

جماتی ہے لبِ نازک پہ اُنکے رنگ اپنا
یہ شوخیاں تو ذرا دیکھو سُرخیِ پاں کی

نگاہِ نازِ بتاں سے خدا بچائے رہے
یہ وہ نظر ہے کہ رہزن ہے دین و ایماں کی

میں اپنی راست روی کو کبھی نہ چھوڑونگا
حضور وضع کو سیدھی بنا ئیں یا بانکی

طریقِ عشق میں ہے بیخودی کو منصبِ خضر
کہ رہنمائی یہ کرتی ہے کوئے جاناں کی

قریب میں بت کافر کے آگیا ہوں میں
نظر نہیں ہے خرابی پہ دیں و ایماں کی

تعجب ہے مجھ کو وہ کیوں شرم سے نہیں جھکتیں
جو گردنیں متحمل ہیں بارِ احساں کی

غذائے خونِ جگر عاشقوں کو کافی ہے
ہوس نہیں مجھے اے چرخ خوانِ الواں کی

ہمیں نہیں ہیں ہوا خواہ اس چمن میں ترے
صبا بھی اک متوسل ہے تیرے داماں کی

نہیں ہے سیب کی خواہش بے علاجِ دماغ
یہ آرزو ہے کہ بُو سونگھئے زنخداں کی

عجیب رنگ نظر آیا کوئے قاتل میں
کسی کو دل کی ہے پروا نہ قدر ہے جاں کی

کوئی لئے ہے سینہ سپر تیغ ناز کے آگے
کسی کی روح نشانہ ہے تیر مژگاں کی

نہیں ہے ظلمت اعمال کا کچھ اندیشہ
کہ روشنی ہو مرے دل میں نور ایماں کی
وہ پونچھیں آنسو مرے آ کے اپنے دامن سے
ہو قسمت ایسی کہاں میری چشم گریاں کی
وہ چشم ہوں کہ جو ہے محو جلوۂ توحید
وہ دل ہوں جس میں تجلی ہے نور عرفاں کی
وہ حال ہوں کہ بیاں جس کا دل دکھاتا ہو
وہ سِر ہوں کہ نشانی ہے درد پنہاں کی
وہ ذرہ ہوں کہ بیاباں ہو گرد جس کے حضور
وہ قطرہ ہوں کہ حقیقت نہ سمجھے طوفاں کی
وہ درد ہوں جو پیام اجل ہو ہر دل کیلئے
طپش وہ ہوں کہ جو بجلی ہو خرمن جاں کی

سکوت کیوں نہ ہو مُہر لب سخن اکبر
زمانہ میں نہ رہی قدر اب سخنداں کی

ہو گیا بدر ہلال اس کا سبب روشن ہو
روز گھستا تھا ترے در پہ جبیں تھوڑی سی
منزل گور میں کیا خاک ملے گا آرام
خوہ تڑپنے کی وہی اور زمیں تھوڑی سی
آپ کو غیر کی راحت کا مبارک ہو خیال
خیر تکلیف اٹھالیں گے ہمیں تھوڑی سی
طلسم کالبد میں ہے مقید روح انساں کی
نہیں اربع عناصر چار دیواری ہو زنداں کی
اسے سودائے گیسو ہو گیا جس نے مجھے دیکھا
پریشانی مری تصویر ہو زلف پریشاں کی
نہیں کچھ رنج اس ظلمت کدہ میں بیفروغی کا
تجلی ہیش چشم اپنے ہے شمع نور ایماں کی
صبا سے کیوں نہ رو رو کر کہوں میں حال دل اپنا
یہی قاصد ہوا کرتی ہے اکثر کوئے جاناں کی
وہ تھا اک وقت جب سیر چمن میں پھول چنتے تھے
زمانہ ایک یہ ہی خاک اڑاتے ہیں بیاباں کی
پھر آئی فصل گل پھر جوش سودا ہو گیا مجھ کو
اڑائی دھجیاں جوش جنوں نے پھر گریباں کی
وہی میں ہوں کہ غیروں کو وہاں آنے نہ دیتا تھا
وہی میں ہوں کہ پہروں منتیں کرتا ہوں درباں کی

تمام حسرتیں پیری میں ہو گئیں رخصت
بس ایک رہ گئی مرنے کی آرزو باقی
جو ذبح کرتا ہو پر کھول دے مرے صیاد
کہ رہ نہ جائے تڑپنے کی آرزو باقی
ہمارے شہر پہ یارب یہ کیا پڑی آفت
نہ خوبرو ہے باقی نہ خوش گلو باقی

پروانہ جل کے خاک ہوا شمع رو چکی
تاثیر حسن و عشق جو ہونی تھی ہو چکی

دنیا میں کون خانۂ دل کی کریگا قدر
آبادی اسکی ایسے خرابے میں ہو چکی

بیگانہ وار رہتی ہے اب کیوں نگاہ یار
دونوں جہان سے بھی تو یہ مجھ کو کھو چکی

اب جان ناتواں بھی طبیعت کی نذر ہے
ایمان و دل تو پہلے ہی الفت میں کھو چکی

تھک تھک گئی زبان دم شرح درد دل
یہ داستاں مگر نہ کبھی دوست سو چکی

اکبر عروس دہر سے چشم وفا نہ رکھ
دارا و جم کی جب نہوئی تیری ہو چکی

خفا ہوے سب مجھ سے کہو میری خطا کیا ہے
چھوا ابھی زلف مشکیں کو تو آفت کیا بلا کیا ہے

قیامت ہے طبیعت آگئی اُس آفت جاں پر
جسے اتنا نہیں معلوم الفت کیا وفا کیا ہے

انھیں بھی جوش الفت ہو تو لطف اٹھے محبت کا
ہمیں دنرات اگر تڑپے تو پھر اسمیں مزا کیا ہے

مصیبت عین راحت ہے اگر ہو عاشق صادق
کوئی پروانے سے پوچھے کہ جلنے میں مزا کیا ہے

کوئی دن کا ہوں مہماں آ چکی ہے جان ہونٹوں پر
وہی خود دیکھ لیں آکر کہ اب مجھ میں رہا کیا ہے

طبیبوں سے میں کیا پوچھوں علاج درد دل اپنا
مرض جب زندگی خود ہو تو پھر اسکی دوا کیا ہے

سنبھالو دل کو اکبر ہجر میں روکو طبیعت کو
یہ رونا یہ تڑپنا خیر ہے تم کو ہوا کیا ہے

آج آرائش گیسوے دوتا ہوتی ہے
پھر مری جان گرفتار بلا ہوتی ہے

شوق پا بوسی جاناں مجھے باقی ہے ہنوز
گھاس جو اُگتی ہے تربت پہ حنا ہوتی ہے

پھر کسی کام کا باقی نہیں رہتا انساں
سچ تو یہ ہے کہ محبت بھی بلا ہوتی ہے

جو زمیں کوچۂ قاتل میں نکلتی ہے نئی
وقف وہ بہر مزار شہدا ہوتی ہے

جسنے دیکھی ہے وہ چتون کوئی اُس سے پوچھے
جان کیونکر ہدف تیر قضا ہوتی ہے

نزع کا وقت بُرا وقت ہے خالق کی پناہ
ہے وہ ساعت کہ قیامت سے سوا ہوتی ہے

روح تو اک طرف ہوتی ہے رخصت تن سے
آرزو اک طرف دل سے جدا ہوتی ہے

خود سمجھتا ہوں کہ رونے سے بھلا کیا حاصل
پر کروں کیا یہ نہیں تسکین ذرا ہوتی ہے

زندے تنے پھرتے ہیں وہ مجمع اغیار کے ساتھ
خوب ہے تو قبر مزار شہدا ہوتی ہے

مرغ بسمل کی طرح لوٹ گیا دل میرا
نگہ ناز کی تاثیر بھی کیا ہوتی ہے

نالہ کر لینے دیں للہ نہ چھیڑیں احباب
ضبط کرتا ہوں تو تکلیف سوا ہوتی ہے

جسم تو خاک میں ملجاتے ہوئے دیکھتے ہیں
روح کیا جانے کدھر جاتی ہے کیا ہوتی ہے

ہوں فریب ستم یار کا قائل اکبر
مرتے مرتے نہ کھلا یہ کہ جفا ہوتی ہے

اثر دکھانے پہ یہ جذب دل جو آتا ہے
کنوئیں سے حضرت یوسف کو کھینچ لاتا ہے

فلک جو روز نیا داغ اک دکھاتا ہے
ہمارے حوصلۂ دل کو آزماتا ہے

کبھی جو دعوے منصور میں شک آتا ہے
خیال یار مجھے آئینہ دکھاتا ہے

وہ بات ہوں کہ جو لاتی ہے جوش میں دلکو
وہ حال ہوں کہ جسے سنکے وجد آتا ہے

جو بیخودی میں مجھے چھیڑ کر وہ جاتے ہیں
تو میرے حال پہ رونیکو ہوش آتا ہے

الٰہی خیر ہو اُس بُت کے ناز بیجا کی
دل غیر کو میرے بہت ستاتا ہے

زیادہ جان سے کیونکر نہ رکھوں دل کو عزیز
یہ آئینہ تیری صورت مجھے دکھاتا ہے

وہ دو ہی ہاتھ میں سمجھے کہ آرزو نکلی
دہان زخم اسی پر تو مسکراتا ہے

ہمیں تو آٹھ پہر رہتی ہے تمھاری یاد
کبھی تمھیں بھی ہمارا خیال آتا ہے

نہ جانے کا تو نہیں جانتے بہانہ کچھ
ہزار حیلہ نہ آنے کا تم کو آتا ہے

وہ میکدہ ہے ہمارا کہ جس میں مستوں سے
ہزار ساغر جم روز ٹوٹ جاتا ہے

خدا پناہ میں رکھے کشاکش غم سے
اسی سے تار نفس جلد ٹوٹ جاتا ہے

مصائب شب فرقت اُٹھا چکا ہوں میں
عذاب گور سے واعظ کسے ڈراتا ہے

نہ پوچھیے ستم جوشِ حسرتِ دیدار
یہ جانِ زار کو آنکھوں میں کھینچ لاتا ہے
دوئی کا دخل نہیں بزمِ وصل میں منظور
وگرنہ آپ میں آنا تو مجھ کو آتا ہے
فنا کا خوف کچھ اہلِ حیات ہی کو نہیں
ہوا سے شمع کا شعلہ بھی کانپ جاتا ہے
مقامِ شکر ہے غافل مصیبتِ دنیا
اسی بہانے سے اللہ یاد آتا ہے

خدا کے واسطے یاد خدا کر اے اکبر
بتوں کے عشق میں جاں اپنی کیوں گنواتا ہے

کیا پوچھتے ہو مجھ سے پہلو میں تیرے کیا ہے
اب تو نہیں ہے کچھ بھی دل تھا سو کھو گیا ہے
پایا عجیب عالم قاتل تری گلی میں
ہر زخم یاں ہے مرہم ہر درد یاں دوا ہے
مجھ زار ناتواں کا رہتا ہے میل خاطر
سختیِ دل تمھاری ہم سنگ کہربا ہے
برسوں کا چھوڑتی ہے دم بھر میں ساتھ ظالم
کہتے ہیں عمر جس کو معشوق بے وفا ہے
گنجینۂ محبت وحشت میں کیا ہو خالی
داغِ جنوں کا سکہ سرمایۂ وفا ہے
صرصر نے لاکھ چاہا اٹھا نہ اس گلی سے
اب تک غبار اپنا خاکِ رہِ وفا ہے
رنگیں تری ادا نے دل خوں کیا چمن کا
جو گل ہے داغِ دل ہے جو برگ ہے حنا ہے
ہو حسبِ طرف طبیعت لازم ہے شوق کامل
ہر بات میں اثر ہے ہر رنگ میں مزا ہے
ایسا مٹا دیا ہے الفت میں دلکشوں نے
رنگِ رخِ تمنا گردِ رہِ وفا ہے
اکل کی تھی بیخودی ہیں دم بھر کو سیر دل کی
کس لطف کی ہوا ہے کیا باغ خوش فضا ہے
کیا شرح آرزو پردا ہو زبان اپنی
افسانۂ دو عالم آغازِ مدعا ہے
اظہارِ شوق میں ہے رسوائیِ محبت
ہے حرفِ آبرو پر جو حرفِ مدعا ہے
اہلِ عدم نہ پوچھو کچھ ہم سے حالِ دنیا
رہ آئے ہم بھی دو دن اک میہماں سرا ہے

کیونکر نہ شعر اکبر آئے پسند سب کو
یہ رنگ ہی نیا ہے کوچہ ہی دوسرا ہے

بس گئی ہے دل میں وہ زلف دوتا کیا کیجیے
جان آفت میں ہوئی ہے مبتلا کیا کیجیے

نزع میں پوچھا جو اکبر سے کہ کیوں بیتاب ہو
آہ سرد اک کھینچ کے وہ کہنے لگا کیا کیجیے

اضافہ حال

دم لبوں پر آگیا ہے اب دوا کا ذکر کیا
اک بت کافر کی الفت ہے دعا کیا کیجیے

جس کے صدمے سے نکل جاتی تھی میری جان
پھر وہی درد آج سینے میں اٹھا کیا کیجیے

وہ بھی تو بہت گھر سے اپنے مرے گھر میں مگر کبھی آ نہ سکے
وہ نسیم مراد چلے بھی تو کیا کہ جو غنچہ دل کو کھلا نہ سکے

ترے عشق سے باز بھی آ نہ سکے ترے ظلم و ستم بھی اٹھا نہ سکے
جو نصیب میں لکھی ہوئی تھی قضا کسی طور سے جان بچا نہ سکے

اب دور جو رہتے تھے پیش نظر بڑے لطف سے ہوتی تھی جن پہ بسر
یہ خبر نہیں جا کے رہے وہ کدھر کہ ہم انکا نشان بھی پا نہ سکے

کبھی جن کے خیال میں ہجر کی شب مجھے نیند نہ آتی تھی ہائے غضب
وہ جو روٹھے بھی آ کے مزار پر اب مجھے خواب لحد سے جگا نہ سکے

یہ مری ہی نہ آہ کا سب ہے اثر کہ رقیبوں سے دیتے ہو آڑ پھر
مری حال پہ چشم کرم جو ہو کوئی آپ سے آنکھ ملا نہ سکے

کیا جذبہ عشق نے میرے اثر رہی غیرت حسن پہ انکی نظر
پس پردہ صدا تو سنائی دی مجھے مگر اپنا جمال دکھا نہ سکے

رہا شہر عشق کا یاں مجھے ڈر انہیں اپنے پرائے کا خوف و خطر
رہیں دل ہی میں تیر دونوں طرف جو میں جان انکا دو آ نہ سکے

وہی انکی تڑپ ہی درد جگر ہوا تو بہ عشق کا کچھ نہ اثر
تری شکل جو آنکھوں میں پھرتی رہی تری یاد بھی دل سے بھلا نہ سکے

تری بانکی ادا ہے وہ ہوش ربا کہ ہوں خضر و مسیح بھی جیسے فدا
وہ فریب سرا ہے نظر میں تری کہ فرشتہ بھی دل کو بچا نہ سکے

ہے خدا کی جناب میں صبح و مسا یہی اکبر خستہ جگر کی دعا
کہ ہمارے سوا بت ہوش ربا کوئی سینے سے تجھ کو لگا نہ سکے

تری زلفوں میں دل الجھا ہوا ہے
بلا کے پیچ میں آیا ہوا ہے

نہ کیونکر بوئے خوں نامے سے آئے
اسی جلاد کا لکھا ہوا ہے

چلے دنیا سے جس کی یاد میں ہم
غضب ہے وہ ہمیں بھولا ہوا ہے

کہوں کیا حال اگلی عشرتوں کا
وہ تھا اک خواب جو بھولا ہوا ہے

جفا ہو یا وفا ہم سب میں خوش ہیں
کریں کیا اب تو دل اٹکا ہوا ہے
ہوئی ہے عشق ہی سے حسن کی قدر
ہمیں سے آپ کا شہرا ہوا ہے
بتوں پر رہتی ہے مائل ہمیشہ
طبیعت کو خدایا کیا ہوا ہے
پریشاں رہتے ہو دن رات اکبر
یہ کس کی زلف کا سودا ہوا ہے

دل کو غفلت نے کدورت میں چھپا رکھا ہے
بخل نے زر کو تہ خاک دبا رکھا ہے
شور کیوں گبر و مسلماں نے مچا رکھا ہے
دیر میں کچھ بھی نہیں کعبہ میں کیا رکھا ہے
بے زری میں کوئی معشوق تو ہمدم ہیں کہاں
داغ افلاس کو سینے سے لگا رکھا ہے
آپ کو پردہ نشینی ہی جو آئی ہے پسند
مجھ کو کیوں مفت میں دیوانہ بنا رکھا ہے
جوشش فصل بہاری ہے کہ ہنگامۂ حشر
بلبلوں نے تو غضب شور مچا رکھا ہے
دیکھئے صبح تلک بدلے وہ کیا کیا پہلو
منتوں سے اُسے یاں آج سلا رکھا ہے
آپ کے شہرۂ رحمت نے تو ڈھایا ہے غضب
ایک عالم کو گنہگار بنا رکھا ہے
آرزو مرگ کی اکبر نہ کر اللہ سے ڈر
تجھ سے عاصی کے لئے قبر میں کیا رکھا ہے

کسی کی قسمت میں زہر غم ہے کسی کو حاصل مئے طرب ہے
وہی بگاڑے وہی بنائے اسی کی قدرت کا کھیل سب ہے
نظر جو آئے وہ آفت جاں تو دل کو کیونکر بچائے انساں
ادا ہے بانکی نگاہ ترچھی ستم ہے عشوہ حیا غضب ہے
جلا چکی آتش محبت تمام میرے دل و جگر کو
تمہیں نہیں ہے یقین اب تک یہی تو اے میری جان غضب ہے
گزر گیا ہے جو عہد عشرت نہ رکھ تو ناداں کچھ اسکی حسرت
قیام اسکا تم اپنی غنیمت جو وقت پیش نگاہ اب ہے
اٹھا کے گھونگھٹ نگاہ پھر پھر نکالا ہے [illegible]
یہ جی الجھا ہے کسی ادا سے ہمیں کسی کے لپٹنے کا اک ڈھب ہے
[illegible]
کتاب میں [illegible] اسکو کیونکر وہ میرا ناکتہ میرا رب ہے
یہ حال بھی آرام پائے گا کہاں اب سوتے جائیے گا
اندھیرا چھایا ہے ابر طاری ہے مینہ برستا ہے وقت شب ہے

دنیا ہو اکبر یہ اپنی ہر دم لحد میں نکلے زباں سے یہ ہم
محمد ہمارا رسول برحق خدا سے برتر ہمارا رب ہے

سنتا ہوں کہ تاثیر محبت میں بھی کچھ ہے
تسخیر بتاں ہوتی ہے گو نقش درم سے
بیچین ہوئے سن کے مرے شوق کا قصہ
سب کہتا ہوں اُنسے کہ مرے دل میں ہے حسرت
واعظ میں غضب ہی کا سزاوار نہیں ہوں
رندوں میں تو ہے لطف مے و ساقی و مطرب
وہ کوچۂ جاناں سے مرے ایک سزا لے
بگڑے ہوئے تیوری سے ثابت نہیں رنجش
فرماتے ہیں وہ سنکے مرے رونیکا احوال
گو راز محبت کا چھپانا ہے بہت خوب
افسانۂ حسرت مرا سن سکے وہ بولے
خوش وصل سے کوئی کوئی نظارۂ سرو دلشاد
بالائے زمیں پاس سکندر کے تھا سب کچھ
تم آنے نہ دو یاد بھی کیا کرنے نہ دوگے

کیوں کر نہ کہوں انکی طبیعت میں بھی کچھ ہے
تاثیر مگر دل کی محبت میں بھی کچھ ہے
صد شکر مزہ ان کی طبیعت میں بھی کچھ ہے
کس ناز سے کہتے ہیں کہ حسرت میں بھی کچھ ہے
حصہ مرا گنجینۂ رحمت میں بھی کچھ ہے
واعظ یہ بتا تو تری صحبت میں بھی کچھ ہے
ہم پہلے سمجھتے تھے کہ جنت میں بھی کچھ ہے
ان روزوں تو فرق انکی طبیعت میں بھی کچھ ہے
یہ بات تو داخل تری عادت میں بھی کچھ ہے
لیکن بخدا لطف تو شہرت میں بھی کچھ ہے
ہے سب یہ زبانی کہ طبیعت میں بھی کچھ ہے
اے گردش گردوں مری قسمت میں بھی کچھ ہے
اب جا کے ذرا دیکھئے تربت میں بھی کچھ ہے
دخل آپ کو بندے کی طبیعت میں بھی کچھ ہے

قید احساں سے تری اے فلک آزاد رہے
مئے گلگوں سے چھلکے مست ہوئے شاد رہے
اجل آتی ہے غم ہجر میں اللہ سے نصیب
ہے یہ حسرت تری حسرت کے سوا سب ہو فنا
حشر برپا جو ہوا بھول گیا ایک کو ایک

بے کسی کا ہو بھلا بے وطنی شاد رہے
ساقیا خانۂ احسان ترا آباد رہے
ملک الموت کو کس طرح یہ ہم یاد رہے
دونوں عالم نہ رہیں شہر دل آباد رہے
ایسی آفت میں بھلا کون کسے یاد رہے

گوشۂ خاطر عالی میں جو پائے نہ جگہ — کہئے پھر جا کے کہاں عاشق ناشاد رہے
نزع میں نام لیا قبر میں مذکور آیا — کون سی جا تھی جہاں وہ نہ مجھے یاد رہے

زخمی کیا سینے کو نظر ہے کہ غضب ہے — خوں ہو کے بھی قائم ہے جگر ہے کہ غضب ہے
وہ کہتے ہیں مے پینے کو تو پی نہیں سکتا — اے شیخ یہ اللہ کا ڈر ہے کہ غضب ہے
گذری ہے شب وصل کہ آئی ہے مری موت — وہ ہوتے ہیں رخصت یہ سحر ہے کہ غضب ہے

لپٹا کے مجھے سینہ سے وہ آج یہ بولے
اکبر تری آہوں کا اثر ہے کہ غضب ہے

دل شکستہ ہوں مگر دل میں خدا کا نور ہے — یہ وہ ویرانہ ہے روشن جس میں شمع طور ہے
آپ کی پیاری ادا پر دل نہ دیتا میں کبھی — بس یہی کہئے قضا سے آدمی مجبور ہے
کون ایسا ہے نہیں ہے موت کی جس کو خبر — پھر جو غفلت ہے تو یہ دنیا کا اک دستور ہے
گونج سے بالے کی زلف الجھی میں عاشق ہو گیا — یہ نہ خوف آیا کہ وہ افعی ہے یہ زنبور ہے

شعر گوئی کی وکالت میں نہ مجھے فرصت کہاں
یہ بھی اکبر خاطر احباب گورکھپور ہے

کہوں کس سے قصۂ درد و غم کوئی ہمنشیں ہے نہ یار ہے — جو انیس ہے تری یاد ہے جو شفیق ہے دل زار ہے
تو ہزار کرتا لگاوٹیں میں کبھی نہ آتا فریب میں — مجھے پہلے اس کی خبر نہ تھی ترا دو ہی دن کا پیار ہے
یہ نوید اوروں کو جا سنا ہم اسیر دام ہیں اے صبا — ہمیں کیا چمن ہے جو رنگ پر ہمیں کیا جو فصل بہار ہے
جسے دو جہاں میں ہو خوشی تو ضرور ہے اسے رنج بھی — شب ہجر میں ہے جو درد سر مے وصل کا یہ خمار ہے
وہ نظر جو مجھ سے ملا گئے تو یہ اور فتنے ڈھا گئے — کہ حواس و ہوش و خرد ہے اب نہ شکیب و صبر و قرار ہے
مجھے رحم آتا ہے دیکھ کر ترا حال اکبر نوحہ گر — تجھے وہ بھی چاہے خدا کرے کہ تو جس کا عاشق زار ہے

۳۵ سال بعد

مری چشم کیوں نہ ہو خونفشاں نہ رہی وہ بزم نہ وہ سماں — نہ وہ طرز گردش چرخ ہے نہ وہ رنگ لیل و نہار ہے

دل کیا نذر جو میں نے تو وہ ہنس کر بولے — آپ رکھ چھوڑیے اس کو مرے کس کام کا ہے

دل مرا ہاتھ میں لے کر یہ فرماتے ہیں — اس کو پامال کرو دل اور یہ کس کام کا ہے

لگاوٹ کی ادا سے انکا کہنا پان حاضر ہے — قیامت ہے ستم ہے دل فدا ہے جان حاضر ہے

کہو جو چاہو سن لینگے مگر مطلق نہ سمجھیں گے — طبیعت تو خدا جانے کہاں ہے کان حاضر ہے

نگاہیں ڈھونڈھتی ہیں جنکو انکا دو نشاں یارو — اسے میں کیا کروں گا یہ جو سامان حاضر ہے

بٹھا کر غیر کی محفل میں مجھ کو اسنے فرمایا
سنو اکبر کی غزلیں دیکھو یہ مستان حاضر ہے

اک بوسہ دیجئے مرا ایمان لیجئے — گو بت ہیں آپ بہر خدا مان لیجئے

دل لیکے کہتے ہیں تری خاطر سے لیلیا — الٹا مجھی پہ رکھتے ہیں احسان لیجئے

غیروں کو اپنے ہاتھ سے ہنسکر کھلا دیا — مجھ سے کبیدہ ہو کے کہا پان لیجئے

مرنا قبول ہے مگر الفت نہیں قبول — دل تو نہ دونگا آپ کو میں جان لیجئے

حاضر ہوا کروں گا میں اکثر حضور میں — آج اچھی طرح سے مجھے پہچان لیجئے

اپنی ہستی جو حجاب رخ جاناں نہ رہے — واں رہیں ہم کہ جہاں پھر کوئی ارماں نہ رہے

صورت یار جو سو پردوں میں پنہاں نہ رہے — بحث پھر تم میں یہ اے گبر و مسلماں نہ رہے

سامنا جلوۂ معشوق کا اللہ اللہ — ہے یہی وقت کہ بس آپ میں انساں نہ رہے

مانگتا ہوں جو دعا صبح کی کہتی ہے اجل — یہ بھی ممکن ہے رہو تم شب ہجراں نہ رہے

آپ ہی نے تو کیا ہے مجھے دیوانۂ عشق — آپ ہی کہتے ہیں اب آپ تو انساں نہ رہے

میں تو عشق بت ظالم سے نہ باز آؤں گا — عقل چھٹ جائے جگر ٹکڑے ہو ایماں نہ رہے

آئینے کو ہے یہ حیرت کہ سکندر ہوئے خاک — ہوش پریوں کے اڑے ہیں کہ سلیماں نہ رہے

چشم نرگس سے کوئی حال چمن کا پوچھے — دیکھتے دیکھتے کیا کیا گل خنداں نہ رہے

صبح تک ہجر صنم میں یہ دعا تھی اپنی — میں رہوں یا نہ رہوں یہ شب ہجراں نہ رہے

ان کا یہ ناز کہ آجائیں گے جلدی کیا ہے
اپنا یہ حال کہ ہم صبر کے مجبور نہیں

منہ نہ موڑ دست ستم وجور بتاں سے اکبر
بندگی کیسی اگر تابع فرماں نہ رہے

قابلیت تو بہت بڑھ گئی ماشاء اللہ
پر افسوس یہی ہے کہ مسلماں نہ رہے

مصیبت عشق کی تنہا مجھی پر کیا گذرتی ہے
خبر ملتی نہیں کچھ مجھ کو یاران گذشتہ کی
مری آنکھوں میں تو اسکا گذر بھی ہو نہیں سکتا
محبت کا اثر ہے عاشق و معشوق پر یکساں
اثر کچھ ہو چلا ہے سوزش الفت کا سینے میں
پریشاں رکھتی ہے دن رات اگر بیوفاؤں پر

تمہارے حسن عالمگیر پر اک خلق مرتی ہے
خدا جانے کہاں ہیں کسطرح ہیں کیا گذرتی ہے
یہ آنکھیں آپکی ہیں نیند جس میں چین کرتی ہے
جو مجنوں سر ٹپکتا ہے تو لیلیٰ آہ کرتی ہے
الٰہی خیر ہو دل کا پتا ہے روح ڈرتی ہے
طبیعت آدمی کو کس قدر بے چین کرتی ہے

کیا قہر ہے اجل مرے سر پر کھڑی رہے
اے شور حشر شہر خموشاں کی لے خبر
جدت ہو فکر میں تو توارد کبھی نہ ہو

غیر دل کی تم کو فکر عیادت پڑی رہے
اب تک فلک اجاڑ یہ بستی پڑی رہے
مضمون کیوں لڑیں جو طبیعت لڑی رہے

ہے عشق میں ہر لحظہ ترقی مرے دل کی
کیا اور ہے ممکن ہو تسلی مرے دل کی
رونا ہے جو فرقت میں یہی دیدۂ تر کا
مہماں ہے جس روز سے سینے میں تری یاد
آخر کو یہ جلنے بھی لگا شعلۂ غم سے
یا اسکی خبر بھی نہیں لیتے کبھی اب تم
نظروں سے ترے گر کے ہوا عشق دوبالا
دکھلا کے جھلک اور بھی تڑپا گئے اسکو

ہر داغ بڑھاتا ہے تجلی مرے دل کی
جب آپ ہی نے کچھ نہ خبر لی مرے دل کی
طوفان میں آ جائے گی کشتی مرے دل کی
آباد ہو اجڑی ہوئی بستی مرے دل کی
فکر آپ کو ہوتی نہیں اب بھی مرے دل کی
یا فکر تمھیں رہتی تھی کتنی مرے دل کی
ہوتی ہے تنزل میں ترقی مرے دل کی
کی واہ دوا آپ نے اچھی مرے دل کی

جب قول وفا ہار چکا ہیں تو پھر اب کیا
جیتے ہوئے ہیں آپ تو بازی مرے دل کی

باطن سے ہوں نظارگیِ جلوۂ جاناں
آئینۂ معنی ہے صفائی مرے دل کی

رنگینی میں نرمی میں صفائی میں ضیا میں
ہے ایک سی خلقت ترے رخ کی مرے دل کی

نابود ہوئے جل کے خیالات دو عالم
اللہ رے ترے عشق میں گرمی مرے دل کی

سو جان سے کیونکر نہ ہوں قربان تمنا
کرتی ہے بڑی قدر شناسی مرے دل کی

ملتا ہے فراغ ان کو مرے جوش جنوں کا
سرخوش انھیں کر دیتی ہے مستی مرے دل کی

یا ہجر تھا یا وصل میں اب ہو گئے بیخود
وہ خوبیِ قسمت تھی یہ خوبی مرے دل کی

وہ ترچھی نگاہوں سے مجھے دیکھ رہے ہیں
اس وقت میں ہو خیر الٰہی مرے دل کی

تسکیں کے لئے رہتے تھے سینے پہ جو ہر دم
اب ہے انھیں ہاتھوں سے خرابی مرے دل کی

کیوں مکتب غم میں سبق عشق نہ پڑھتا
تقدیر میں لکھی تھی خرابی مرے دل کی

کیا پوچھتے ہو عشق نے ڈھائی ہے مصیبت
اب روح بھی دیتی ہے دہائی مرے دل کی

کہنا تو بہت کچھ ہے مگر کیا کہوں اکبر
افسوس کہ سنتا نہیں کوئی مرے دل کی

بیچین ہے دل سینے میں مرا رہ رہ کے تری یاد آتی ہے
وہ چشم سیہ جادو کی بھری آنکھوں میں مری پھر جاتی ہے

اے حسرت وصل خدا کیلئے بیچین نہ کر اتنا مجھ کو
کیوں زخم نیا ہے دل میں مرے کیوں روح کو یوں تڑپاتی ہے

تم اسکے جدا ہو جانے کا اکبر نہ کرو کچھ رنج و الم
ہے جان پیاری کونسی شے انسان سے یہی چھٹ جاتی ہے

ہوگا کیا رنجش جو تجھ سے اے پری ہو جائیگی
جس سے دل لگ جائیگا اک دل لگی ہو جائے گی

ٹال دیتے ہیں یہی کہہ کر مرے مطلب کی بات
آج پر کیا منحصر ہے پھر کبھی ہو جائے گی

آئے گا آغوش میں میرے جو وہ شاخ چمن
نکہت گل کی طرح سے بیخودی ہو جائے گی

روح کو قالب میں آنے سے بڑا انکار تھا
یہ نہ سمجھی تھی کہ آخر دوستی ہو جائے گی

نزع میں ہوں اب بھی آ جائیں وہ دم بھر کے لئے
اور تو کیا اک نگاہ آخری ہو جائیگی

جو اس سرو قد سے جدائی ہوئی ہو
قیامت مرے سر پہ آئی ہوئی ہو

ذرا دیکھنا پھر انھیں چتونوں سے
یہ پیاری ادا دل کو بھائی ہوئی ہو

نہیں روئے رنگیں پہ زلفوں کا جلوہ
گلستاں پہ بدلی یہ چھائی ہوئی ہو

کسی کا نہیں ہو گذر اس گلی میں
یہ قسمت سے اپنی رسائی ہوئی ہو

مرا سوز دل آپ کیا دیکھتے ہیں
یہ آگ آپ ہی کی لگائی ہوئی ہو

نہ دیکھینگے وہ اسطرف آنکھ اٹھا کر
کچھ اور ان کے دلمیں سمائی ہوئی ہو

دکھاتے تھے آپ یوں مجھکو آنکھیں
یہ شوخی کسی کی سکھائی ہوئی ہو

الگ کر دیا تھا رقیبوں نے ان کو
بڑی مشکلوں سے صفائی ہوئی ہو

جو چاہیں کریں بے وفائی وہ اکبر
طبیعت مری ان پہ آئی ہوئی ہے

دور اول

عمر اکیس سال یعنی ۱۸۶۶ء کی تصنیف

الفت جو کیجئے تو غرض آشنا سے کیا
وعدہ جو لیجئے تو بُت بے وفا سے کیا

موسیٰ نے کوہ طور پہ باتیں خدا سے کیں
رتبہ بشر کا دیکھئے ہوتا ہے کیا سے کیا

مرتا ہوں جان جاتی ہے اب ہجر میں مگر
اظہار اسکا کیجئے اس بے وفا سے کیا

لطفِ چمن ہے بادۂ گلگوں ہے یار ہے
اب موسم بہار میں مانگوں خدا سے کیا

قاتل تجھیں کہیں گے جہاں میں ہمیں شہید
اے یار اور ہوگا تمھاری جفا سے کیا

دار فنا سے لے چلے کچھ تو غم نہیں
فرمائیے تو لائے تجھے ملک بقا سے کیا

تیرے مریض غم کو جو کرتی اثر نہیں
کچھ کہہ دیا ہے آکے قضا نے دوا سے کیا

کیا کیا صفت لکھی تری زلف دراز کی
مضموں ہاتھ آتے ہیں فکر رسا سے کیا

لیتا ہے یاں غم شب ہجراں تو اپنی جاں
اُمید صبح دیتی ہے ہم کو دلا سے کیا

صد چاک مثل شانہ کرے خاکشتوں کا دل
ہوگا بس اور آپ کی زلف دوتا سے کیا

دل میں جو ہے وہ ہوگا شب وصل میں ضرور
ہوگا حضور آپ کی شرم و حیا سے کیا

میں حال دل تمام شب ان سے کہا کیا
ہنگام صبح کہنے لگے کس ادا سے کیا

پھر نمود غنچہ گوارا ہوا اپنا خوں
مضمون ہاتھ آیا ہے برگ حنا سے کیا

عمر ۲۴ سال

جلوۂ رفتار جاناں ہے نمونا حشر کا
حق بجانب ہو جو ہے زاہد کو دھڑکا حشر کا

سب نے قائل تیری قامت کے جو مضموں مل گئے
شاید اب نزدیک آ پہونچا زمانہ حشر کا

بلوۂ قامت نے کچھ ایسا ہمیں گھبرا دیا / جیتے جی ہم سمجھے آ پہونچا زمانہ حشر کا

میری آنکھیں نوح کے طوفاں کی دکھلاتی ہیں سیر / انکی چتون نے تو دکھلایا تماشا حشر کا

یاد قامت نے کیا ہے واعظوں کا معتقد / روز میں سننے کو جاتا ہوں فسانا حشر کا

لوح قسمت کے مطابق نامۂ عصیاں ہو جب / پھر بھلا ہونے لگا کیوں مجھ کو کھٹکا حشر کا

ہو شب ہجراں درازی میں بسان زلف یار / طول ہیں روز جدائی دن ہو گویا حشر کا

یاد قامت سے جو اسدن لگی فرصت ہمیں / دیکھ لیں سگ دور سے ہم بھی تماشا حشر کا

بیخبر جو ایک کے احوال سے ہے دوسرا / آپ کی محفل بھی گویا ہے نمونا حشر کا

جنس عصیاں نفع خاطر خواہ پر بیچیں گے ہم / لے غم نقصاں ذرا ہونے دے میلا حشر کا

فاتحہ پڑھنے مری تربت پہ خوش قد آتے ہیں / ہر شب آدینہ یاں ہوتا ہے میلا حشر کا

کیا قیامت نامہ پڑھ پڑھ کر سناتا ہو مجھے / خوف تو مجھ کو دلاتا ہے بھلا کیا حشر کا

واعظا میں اس کا محو جلوۂ رفتار ہوں / جس کا ہر نقش قدم ہے اک رسالا حشر کا

انتہا کا حسن بخشا ہے اُسے اللہ نے / کیوں دل و جاں سے نہ میں ہو جاؤں شیدا حشر کا

نامۂ اعمال میرا اسکی ہے زلف سیاہ / نور رحمت سے حق ہے اُسکے زیبا حشر کا

وحشت دل مجھ سے کہتی ہے چلو بھی یاں سے اب / لے ابھی پرسوں نہ ہوگا یہ بکھیڑا حشر کا

خواہش خلد بریں میں آرزوے حوریں / کون مدت تک اُٹھائے ناز بیجا حشر کا

حشر تک اب ہاتھ آئینگے نہیں مضمون حشر / تم نے اے اکبر کوئی پہلو نہ چھوڑا حشر کا

۱۸۷۳ء مقام آگرہ

ہجر میں آنسونکے گریاں جو میں بیتاب ہوا / اشک جو آنکھ سے نکلا دُر نایاب ہوا

سبزۂ خط سے گرفتار دل بیتاب ہوا / کشتہ اس بوٹی سے آخر کو یہ سیماب ہوا

مورد طعنۂ بیگانہ و احباب ہوا / خوب رسوا ترے ہاتھوں دل بیتاب ہوا

ہو گیا غرق میں یادِ رُخِ نورانی میں
ہالۂ ماہ مجھے حلقۂ گرداب ہوا

تو ہے وہ برقِ تجلی کہ ترا نقشِ قدم
روکشِ آئینۂ مہرِ جہاں تاب ہوا

تیرے جلوے سے ہوا حسنِ ظہورِ ایجاد
نور تیرا سببِ عالمِ اسباب ہوا

گلِ ہستی کو ترے رنگ نے زینت بخشی
چمنِ خلق ترے فیض سے شاداب ہوا

حسرت اے عقل کہ پائی ترے لشکر نے شکست
مژدہ اے عشقِ جنوں آج ظفر یاب ہوا

کسی حالت میں اسیری سے رہائی نہ ہوئی
ڈوب مرنے پہ بھی حائل جو میں بیتاب ہوا

ق

موجِ دریا کی سلاسل ہوئیں پاؤں کیلئے
طوقِ گردن کے لئے حلقۂ گرداب ہوا

چشمِ معنی سے جو کی سیرِ ظلماتِ جہاں
پتا پتا مجھے اِک گلشنِ شاداب ہوا

قطرے قطرے میں ہوئی وسعتِ دریا پیدا
ذرہ ذرہ صفتِ مہرِ جہانتاب ہوا

اِک زمانے کی ترے آگے جھکی ہے گردن
خمِ ابرو نہ ہوا کعبہ کی محراب ہوا

ساقیا بہرِ خدا جلد پلا مجھ کو شراب
فرقتِ شیشہ و ساغر میں میں بیتاب ہوا

نہ رہی دخترِ رز مجھ پہ کسی طرح حرام
اب ترے عذر کا مسدود ہر اِک باب ہوا

اُس طرف قلقلِ مینا ہے اِدھر شورِ طلب
بس سمجھ لے وہ قبول اور یہ ایجاب ہوا

درد ہوتا ہے یہ کہہ کر کے کان آپ نے بند
حال میرا نہ ہوا قطرۂ سیماب ہوا

فکرِ رنگیں سے ہوئی مدحتِ دندانِ صنم
دیکھئے لعل سے پیدا درِ نایاب ہوا

رہی ہر کام میں ہر وقت مسبب پہ نگاہ
اپنا منظر نہ کبھی عالمِ اسباب ہوا

یاں کی رنگینیاں ہیں عینِ دلیلِ غفلت
سُرخیِ چشم سے پیدا اثرِ خواب ہوا

گردشِ بخت سے آنسو ہی نکلتے ہیں مدام
اس میں بھی کیا اثرِ گردشِ دولاب ہوا

ضیقِ فرصت میں غزل ہو نہ سکی اے اکبرؔ
ہیں تو شرمندۂ فرمائشِ احباب ہوا

ابھی سے خون رلاتی ہے مجھ کو فکرِ مآل
چمن میں بعد ترے اے بہار کیا ہوگا

انھیں پسند نہیں اور اس سے میں بیزار
الٰہی پھر یہ دل بیقرار کیا ہوگا

عزیزو سادہ ہی رہنے دو لوحِ تربت کو
ہمیں مٹے تو یہ نقش و نگار کیا ہوگا

زمانہ ہو گیا بسمل تری سیدھی نگاہوں سے
خدا ناخواستہ ترچھی نظر ہوتی تو کیا ہوتا

محبت ہو نہ ہو انکو مجھے کیا میں تو عاشق ہوں
نہونیسے ہے اسکے کیا اگر ہوتی تو کیا ہوتا

پسا جاتا ہوں میں سو جان سے اس بیوفائی پر
محبت یار کو مجھ سے اگر ہوتی تو کیا ہوتا

مری حسرت کی نظروں ہی پہ ظالم اسقدر بگڑا
کہیں درد جگر سے چشم تر ہوتی تو کیا ہوتا

نہ رکھی آسماں نے ایکدم بھی وصل کی ساعت
گھڑی بھر چین سے اپنی بسر ہوتی تو کیا ہوتا

قفس اس ناتوانی پر تن بسمل بنا تم سے
جو طاقت بھی کہیں اے بال و پر ہوتی تو کیا ہوتا

سنہ ۱۸۶۶ء

کس قدر جوش مسرت میں ہے سر پر سہرا
خود ہے خوشبو کی طرح جامے سے باہر سہرا

مصر خوبی کا تو نوشاہ ہے مثل یوسف
سایۂ لطف خدا ہے ترے سر پر سہرا

عارض و خال کا تیرے ہے اسے قرب نصیب
کس طرح سے نہ ہو رشک مہ و اختر سہرا

آج ہر گل کی تمنا ہے یہی گلشن میں
کہ ترے فرق مبارک پہ ہو آکر سہرا

بے سبب تو نے سنبھالا نہیں ہاتھوں سے اسے
غش ہے عارض کی صفائی پہ مقرر سہرا

نکہت گیسوئے مشکیں نے دکھایا جو اثر
ہو گیا اور بھی خوشبو سے معطر سہرا

روز روشن کا گماں کیوں شب عشرت یہ نہو
عکس رخسار سے ہے دہر منور سہرا

گلشن حسن میں اللہ رے رسائی اسکی
ہو گیا سنبل گیسو کے برابر سہرا

زینت حسن خداداد جو شادی سے ہوئی
بن گیا چہرۂ پر نور کا زیور سہرا

جلوۂ حسن کے نظارہ کی لاتا نہیں تاب
اسلئے چہرے سے ہٹ جاتا ہے اکثر سہرا

یہ طراوت عرق رخ کی نہیں ہے اسمیں
آب آئینۂ خورشید میں ہے تر سہرا

کہدیا ہم نے یہ اک دوست کی فرمائش سے
ورنہ واقف بھی نہیں کہتے ہیں کیونکر سہرا

سنہ ۱۸۶۰ع

لاکھ جرأت کی کہ تنہائی میں لپٹا لیں انھیں
دل میں رعبِ حسن سے خوف و خطر آ ہی گیا

میں بھی اب اچھی طرح غیروں سے کرتا ہوں فساد
رنج تو مجھ سے تجھے اے فتنہ گر آ ہی گیا

دھیان میں لایا سرِ مو بھی نہ اسکی نازکی
کھل کے جوڑا خود سری سے تا کمر آ ہی گیا

گو بہت کچھ رنجِ یارانِ وطن سے تھا ہمیں
آنکھ میں آنسو مگر وقتِ سفر آ ہی گیا

میری آہیں سنکے کان اپنے کئے تھے تم نے بند
روٹھ کے آخر کو دل میں کچھ اثر آ ہی گیا

آ کے جب غش میں مجھے دیکھا تو گھبرا کر کہا
ہوش میں آ تو میں اے بے خبر آ ہی گیا

بعد مدت کے نظر آئی جو صورت یار کی
سو طرح دل کو سنبھالا غش مگر آ ہی گیا

حسرت کو شہرِ عشق میں بھیجا خدا نے جب
رہنے کو خانۂ دلِ مضطر بنا دیا

پہلے ہی چال آپ کی تھی فتنۂ زا حضور
گھونگھرو نے اور فتنۂ محشر بنا دیا

لکھی یہاں تلک صفت اس نونہال کی
خامے کو ہم نے شاخِ گلِ تر بنا دیا

نظارہ روز و شب ہے مصحفِ رخسارِ قاتل کا
یہی صورت رہی تو بس خدا حافظ مری دل کا

خزاں میں کیا ادا سے چھائی ہے صحنِ گلستاں پہ
نہ وہ پھولوں کی رنگینی نہ وہ نغمہ عنادل کا

یہ زینت بندشِ الفاظ کی ہے حسنِ معنی سے
نہ ہو جادو جو لیلیٰ کا تو پھر کیا لطف محمل کا

سنہ ۱۸۶۳ع

کیسی کیسی وہ لگاوٹ کی نظر کرتے ہیں
دھوکے کھاتا ہے ہمارا دلِ ناداں کیا کیا

خوب فرما گئے ہیں حضرت آتش اکبر
میرے اللہ نے مجھ پر کئے احساں کیا کیا

یہ پہلی غزل ہے جو مشاعرے میں پڑھی گئی اور پبلک نے اکبر کا نوٹس لیا اور اس وقت اکیسواں سال تھا

سمجھے وہی اس کو جو ہو دیوانہ کسی کا
اکبر یہ غزل میری ہے افسانہ کسی کا

دکھلاتے ہیں بت جلوۂ مستانہ کسی کا
یاں کعبہ میں مقصود ہے بتخانہ کسی کا

گر شیخ و برہمن سنیں افسانہ کسی کا
مسجد نہ مندر ہے کعبہ و بتخانہ کسی کا

اللہ نے دی ہے جو تمھیں چاند سی صورت
روشن بھی کرو جا کے سیہ خانہ کسی کا

اس کوچے سے ہے گبر و مسلماں کو عقیدت
کعبہ جو کسی کا ہے تو بتخانہ کسی کا

اشک آنکھوں میں آ جائیں عوض نیند کے صاحب
ایسا بھی کسی شب سنو افسانہ کسی کا

جان اپنی جو دی شمع نے شعلے سے لپٹ کر
سمجھا رخ روشن اسے پروانہ کسی کا

شمع رخ روشن کا وہ جلوہ تو دکھائیں
ہے حوصلہ بھی صورت پروانہ کسی کا

کیا برق کی شوخی مری آنکھوں میں سمائے
ہے پیش نظر جلوۂ مستانہ کسی کا

الفت مجھے اس سے ہو لے غیرت ہے یہ عشق
میں شیفتہ اس کا ہوں وہ دیوانہ کسی کا

عشرت نہیں آتی جو مرے دل میں نہ آئے
حسرت ہی سے آباد ہے ویرانہ کسی کا

حیراں ہوں لسے تاب جمال آئیگی کیونکر
بیخود ہے جو دل سن ہی کے افسانہ کسی کا

پہونچی جو نگہ عالم مستی میں فلک پر
ہم سمجھے مہ نو کو بھی پیمانہ کسی کا

کرنے نہیں دیتے جو بیاں حالت دل کو
سننے گا لب گور سے افسانہ کسی کا

ساماں تکلف نظر آئیں گے جو ہر سو
جنت میں بھی یاد آئیگا کاشانہ کسی کا

نالاں ہے اگر وہ تو یہ ہے چاک گریباں
بلبل کی طرح گل بھی ہو دیوانہ کسی کا

چشم و دل عاشق کا نہ کچھ پوچھئے احوال
وہ محو کسی کی ہے یہ دیوانہ کسی کا

تاثیر جو کی صحبت عارض نے دم خواب
خجلت دہ آئینہ ہوا شانہ کسی کا

کوئی نہ ہوا روح کا ساتھی دم آخر
کام آیا نہ اس وقت میں یارانہ کسی کا

کچھ دور نہیں ساقی کوثر کے کرم سے
بھر دے مئے وحدت سے جو پیمانہ کسی کا

رکھتا ہے قدم کوچۂ گیسو میں جو بیخوف
کیا تو دل صد چاک ہو اے شانہ کسی کا

تاثیر محبت ہے جو ہو جاتے ہیں بیچین
رو دیتے ہیں اب سن کے وہ افسانہ کسی کا

احباب نے پوچھا جو مرا حال تو بولے
سنتے ہیں وہ ان روزوں ہے دیوانہ کسی کا

ق

دیکھا ہی عجب رنگ کچھ اس دور فلک میں
کوئی نہیں اے ساقی میخانہ کسی کا

یاں شیشۂ دل خون تمنا سے ہے لبریز
واں بادۂ گلفام سے پیمانہ کسی کا

سب مست مئ شوق ہیں ان انکھوں سے ایدل
اس دور میں خالی نہیں پیمانہ کسی کا

بخشی ہی جبیں سائی کی در پر جو اجازت
واجب ہے مجھے سجدۂ شکرانہ کسی کا

اے حضرت ناصح نہ سنے گا یہ تمھاری
میرا دل وحشی تو ہے دیوانہ کسی کا

کرتے وہ نگاہوں سے اگر بادہ فروشی
ہوتا نہ گذر جانب میخانہ کسی کا

حسرت ہی رہی زلفوں کے نظارہ کی مجھ کو
یہ پنجۂ مژگاں نہ بنا شانہ کسی کا

کس طرح ہوا مائل گیسو نہیں معلوم
پابند نہ تھا یہ دل دیوانہ کسی کا

ہم جان سے بیزار رہا کرتے ہیں اکبر
جب سے دل بیتاب ہی دیوانہ کسی کا

یہ دوسری غزل ہے جو اکبر نے مشاعرے میں پڑھی بعمر ۲۲ سال

مبارک میکشو موسم پھر آیا بادہ خواری کا
چمن میں شور ہے پھر آمد فصل بہاری کا

نہایت اجتماع آتش و سیماب مشکل ہی
خیال رخ میں کیونکر حال لکھوں بیقراری کا

ہمارا غنچۂ خاطر شگفتہ کر نہیں سکتی
فقط کلیاں کھلانا کام ہے باد بہاری کا

چمن میں خندہ زن گل ہی تو میخانہ میں پیمانہ
یہاں ہی فیض ساقی واں کرم باد بہاری کا

مسخر کرتا ہوں پریوں کو میں جادو بیانی سے
حسینوں میں فسانہ ہی مری ذی اختیاری کا

ہوئی ہے الفت معبود میں دیوانگی مجھ کو
مقر کیوں کر نہ اک عالم ہو میری ہوشیاری کا

ناقصاں را سود بخشد پرتو اہل کمال
ماہ نور امیکند در نور کامل آفتاب

بینمش در قطع رہ ہر روز زاد لیس
خلوت من ہست جویائے چہ منزل آفتاب

ہر سحر لرزاں ز ہر شعلے بچوں می بینمش
شد مگر از غمزۂ حسن تو بسمل آفتاب

سیر تم بنود بریں اوج تو اے لیلائے حسن
ناقات گردوں اگر سازند محمل آفتاب

مرکز آسا نقطۂ موہوش انگارند و بس
گردد ار در حلقۂ بزم تو داخل آفتاب

ہست رفتار حسیناں باعث صد انقلاب
میکند تغییر فصل از قطع منزل آفتاب

سوز عشق روئے تو دارم بایں کم مائگی
اختری ہستم کہ پنہاں کردہ در دل آفتاب

جوش زد چوں پرتو رخسار ای بحر حسن
در افق گم گشت مثل موج ساحل آفتاب

پرتو نورت نمود اعجاز ہنگام شنا
قطرہ قطرہ گشت در داماں ساحل آفتاب

میکشاں مخمور و از بحر تردد بگذرند
می رساند کشتی رنداں بساحل آفتاب

دانہائے سبحہ در دست است و شوق می بطبع
بر کف انجم دارم و پوشیدہ در دل آفتاب

بر سرش زہرہ اگر با بدسیراں را خوش است
بگذرد در دو از نواح چاہ بابل آفتاب

بر سپہر معنی روشن چو گامے سیر کرد
ارمغاں آورد اکبر سوئے محفل آفتاب

آفریں اکبر بریں روشن بیانہائے تو
شعر می خوانی و میتابد بہ محفل آفتاب

دلم افسردہ شد و عشق و آرزو باقی است
نماند در گل پژمردہ رنگ و بو باقی است

گماں مبر کہ ستم کردی و وفا نہ کنم
بیا بیا کہ ہماں شوق و آرزو باقی است

فغاں کہ آتش غم زیر خاک ہم نگذاشت
ہنوز سوز دل و آہ شعلہ خو باقی است

بہ بحر عشق فتادیم دو دست و پا نہ زدیم
ہزار منت ہمت کہ آبرو باقی است

اجل بیامد و جانم ببرد و دل بگذاشت
فغاں کہ جان عزیزم شد و عدو باقی است

فدائے صورت زیبا رخے کہ فانی نیست
نثار حسن حسینے کہ حسن او باقی است

ز زشتی عملم در لحد نمی پرسند
ہزار شکر کہ یاد رخ نکو باقی است

پس فنا بہ لحد ہم قرار نیست مرا
اگر بہ دل خلش خار آرزو باقی است

بحسن فانی دنیا مبند دل اکبر
فنا شود رہ آں کس کہ نام او باقی است

جاں نثاروں کے سوا کوئی نہ دیکھے روئے دوست — چال ہے تیغ قضا کی جنبش ابروئے دوست
دیکھنے آئے تھے ہم حسن رخ نیکوئے دوست — آپ سے جاتے رہے آکر میان کوئے دوست
اہل دل کو ذکر قمری سے یہ آتی ہے صدا — باغ دل میں چاہیے سرو قد دلجوئے دوست
رقص کرتی ہے نسیم صبح کیوں مستانہ وار — گلشن دل سے اڑا لائی ہے شاید بوئے دوست
کیسے کیسے گل کھلے ہیں نقش پائے یار سے — غیرت دامان گلچیں ہو رہا ہے کوئے دوست
وہ گل رنگیں ہوں میں پیدا ہے جس سے رنگ یار — رنگ وہ ہوں جسمیں پنہاں ہو گئی ہے بوئے دوست
دشمنوں کا سر ندامت سے ہے جھکنے کیلئے — میری گردن ہے برائے خنجر ابروئے دوست
میں وہ آئینہ ہوں اس حیرت سرائے دہر میں — جسمیں جوہر کے عوض رہتا ہے عکس روئے دوست

چیزے کہ بہ عشق او می رقصد و می سوزد — دل ہست کہ در پہلو می رقصد و می سوزد
در شمع چو می بیند نورے ز رخ خوبت — پروانہ بگرد او می رقصد و می سوزد
ہر شمع بیاد او میگرید و می کاہد — ہر شعلہ بہ شوق او می رقصد و می سوزد

زائل اے دل یہ مرا درد جگر ہو کیونکر — وصل جاناں ہے دوا اسکی مگر ہو کیونکر
محفل عشرت اغیار میں رہتے ہیں حضور — حال غمدیدۂ ہجراں کی خبر ہو کیونکر
جلوۂ شاہد معنی کی ہیں مشتاق آنکھیں — حسن صورت نہ مجھے منظور نظر ہو کیونکر
سیم تن ہیں انھیں رہتی ہے بہت خواہش زر — واں بھلا ہم سے غریبوں کا گذر ہو کیونکر
حاضری کا جو ملا حکم تو ہو یہ ارشاد — در دولت پہ جو آؤں تو خبر ہو کیونکر

غم ہجر تو چہ کرد است بمن ہیچ مپرس — گریہ می آیدم از رنج و محن ہیچ مپرس
نالۂ من چو توانی بر یاراں برساں — اے صبا قصۂ دوری وطن ہیچ مپرس
بشنو از مرگ من و فارغ و خورسند نشیں — باش مستغنی و از گور و کفن ہیچ مپرس
وقتے ہست بہ تشریح کمر ہیچ مگو — نکتۂ ہست ز اسرار دہن ہیچ مپرس
آخر فصل بہار است و دوم رخصت گل — دیگر از حسرت مرغان چمن ہیچ مپرس

؎ صوفیوں کے ایک طریقہ ذکر کا نام ہے

شوقستم آوارہ و دل باش وتاش نبیں
دریں وقت زبے صبری من ہیچ مپرس

وقت آنست کہ با شام غریباں سازم
باش ہلے ہمسفر از صبح وطن ہیچ مپرس

حسرت چند بہ دل دارم و این نکتہ بس است
زانکہ آموختہ ام طرز سخن ہیچ مپرس

گو از گسل یا بی دیدہ بین لخت دلم
اشک من سنگ داز در عدن ہیچ مپرس

بیکسی متکفل تربت او بود بہ دشت
قصۂ اکبر مہجور وطن ہیچ مپرس

دور رشک گل نہ ہوا ہم سے ہمکنار افسوس
بہار عمر خزاں ہو گئی ہزار افسوس

بہت پسند ترا رنگ ہے مجھے لیکن
بقا نہیں تجھے اے موسم بہار افسوس

بتوں کی یاد میں توبہ بھی بھولے ہم دم مرگ
چلے جہاں سے آخر گناہ گار افسوس

جو بیقراری نے آنے دیا نہ دل کے قریب
تو میرے حال پہ کرنے لگا قرار افسوس

کسی نے بزم میں سمجھا نہ باعث گریہ
تمام رات رہی شمع اشکبار افسوس

طریق عشق میں ہادی و رہنما اکبر
جو ایک دل بھی ملا ہے وہ بیقرار افسوس

مشاعرہ

کام آتا ہے جو صف بندی دلبر میں چراغ
اوج پر رہتا ہے ہر محفل میں ہر گھر میں چراغ

یاد مژگاں رخ روشن ہمارے دل میں ہے
یا کسی نے رکھ دیا پہلوئے خنجر میں چراغ

آہ کرتا ہوں تو رکھ لیتے ہیں وہ رخ پر نقاب
کہتے ہیں صاحب جھونکا ک ہو صرصر میں چراغ

جب تحریر بنائے رخ میں کام آتا ہے یہ
ہے عوض ہستی کے ذکر تار مسطر میں چراغ

پھیل جائے گی جو ظلمت نامۂ اعمال کی
میرا یہ داغ ندامت ہوگا محشر میں چراغ

دل ڈوبے ہیں جو چشم مست ساقی میں عیاں
ہیں طلسم حسن سے روشن یہ ساغر میں چراغ

دل کے پیمانہ میں داغ ہجر ساقی یہ نہیں
میکشو روشن کیا ہے میں نے ساغر میں چراغ

یوں خیالِ گلرخاں میں ہے منوّر داغِ دل
جل رہا ہو جس طرح پھولوں کی چادر میں چراغ

دیکھتے ہو تم بہت پروانہ بنجائے نہ یہ
پڑ نہ جائے جادوئے چشمِ فسونگر میں چراغ

یوں ہو افشاں میں عیاں پیشانیِ روشن تری
ماہ کا جلتا ہو جیسے برجِ اختر میں چراغ

کر رہا ہے وصفِ آئینہ کا جو وہ شعلہ رو
ہے یہ گویا شکرِ احسانِ سکندر میں چراغ

روزِ روشن آئینے کا زلف نے شب کر دیا
عکسِ عارض نے جلایا چشمِ جوہر میں چراغ

یوں ہو دل کی خواہشوں میں داغِ حسرت کا ہجوم
جس طرح سے سیکڑوں جلتے ہوں لشکر میں چراغ

بیگنہ ہر شب لیا کرتا ہے پروانوں کی جان
کیا جواب اسکا خدا کو دیگا محشر میں چراغ

دل میں جتنی ہو سکے داغوں کی کثرت خوب ہے
چاہیئے افراط سے اللہ کے گھر میں چراغ

بزمِ ہستی میں نہ دیکھا پرتوِ روئے صنم
اس شبستاں میں نہ تھا میرے مقدر میں چراغ

غم کے شعلے یادِ عارض میں بھڑکتے رہتے ہیں
آجکل ہے دشمنِ جاں بزمِ اکبر میں چراغ

عمر ۲۲ سال

آپ سے آتے ہو کب عشاقِ مضطر کیطرف
جذبِ دل یہ تمکو لایا ہے مرے گھر کیطرف

پوچھتا ہے جب کوئی اُنسے کسے ہے تمسے عشق
دیکھتے ہیں پیار سے شرما کے اکبر کیطرف

اُنھیں نگاہ ہے اپنے جمال ہی کی طرف
نظر اُٹھا کے نہیں دیکھتے کسی کی طرف

توجہ اپنی ہو کیا فنِ شاعری کی طرف
نظر ہر ایک کی جاتی ہے عیب ہی کی طرف

لکھا ہوا ہے جو رونا مرے مقدر میں
خیال تک نہیں جاتا کبھی ہنسی کی طرف

تمہارا سایہ بھی جو لوگ دیکھ لیتے ہیں
وہ آنکھ اُٹھا کے نہیں دیکھتے پری کی طرف

بلا میں پھنستا ہے دل مفت جان جاتی ہے
خدا کسی کو نہ لیجائے اس گلی کی طرف

کبھی جو ہوتی ہے تکرار غیر سے ہم سے
تو دل سے ہوتے ہو درپردہ تم اُسی کی طرف

نگاہ پڑتی ہے اُن پر تمام محفل کی
وہ آنکھ اُٹھا کے نہیں دیکھتے کسی کی طرف

نگاہ اس بت خود بیں کی ہے مرے دل پر
نہ آئینہ کی طرف ہے نہ آرسی کی طرف

قبول کیجیے للہ تحفۂ دل کو
نظر نہ کیجیے اس کی شکستگی کی طرف

یہی نظر ہے جو اب قاتل زمانہ ہوئی
یہی نظر ہے کہ اُٹھتی نہ تھی کسی کی طرف

غریب خانہ میں للہ دو گھڑی بیٹھو
بہت دنوں میں تم آئے ہو اس گلی کی طرف

ذرا سی دیر ہی ہو جائیگی تو کیا ہوگا
گھڑی گھڑی نہ اُٹھاؤ نظر گھڑی کی طرف

جو گھر میں پوچھے کوئی خوف کیا ہے کہہ دینا
چلے گئے تھے ٹہلتے ہوئے کسی کی طرف

ہزار جلوۂ حسن بتاں ہو سامنے اکبر
تم اپنا دھیان لگائے رہو اسی کی طرف

سنہ ۱۵۶۱ء

اگر پہونچا نہیں اے یار تیرے قد رعنا تک
ہماری فکر عالی سرو سے ہو آئی طوبیٰ تک

کبھی تشریف تو لائیں وہ مجھ محو تمنا تک
دل مشتاق کیا اپنی فدا ہے جان شیدا تک

دبستان محبت میں ہوا حاصل نہ کچھ مجھ کو
کتاب عمر آخر ہوگئی حرف تمنا تک

گلستاں میں جو بلبل رنگ گل پر جان دیتی ہے
نہیں پہونچی نظر اسکی ترے رخسار زیبا تک

تری فکر کمر سے ہوگیا ہے اسقدر نازک
کہ مشکل سے پہونچتا ہے تصور نام عنقا تک

دل صد چاک آتا ہے نظر جو صورت شانہ
رسائی اسکی ہے شاید تری زلف چلیپا تک

گماں ہے کاروان جذبۂ دل کا مجھے اس پر
کنوئیں سے کھینچ لایا تھا جو یوسف کو زلیخا تک

نقاب الٹیں اگر وہ عارض پُر نور سے اپنے
شب یلدا کو سمجھے روز محشر چشم اعمیٰ تک

جو ہے طوق گلو گرداب تو زنجیر پا موجیں
تری الفت میں انساں کیا کہ دیوانہ ہے دریا تک

نہا کر آب آئینہ کیا ہے اُسنے پانی کو
نگاہیں بے تکلف جا رہی ہیں قعر دریا تک

زمیں پر شمع روشن ہے فلک پر ماہ تاباں ہے
تمہارے نور سے ہیں فیضیاب ادنیٰ سے اعلیٰ تک

میں ہوں وہ رشکِ مجنوں جس سے وحشت کو بھی وحشت ہے
وہ ویرانہ ہو میرا جس سے گھبرا آتا ہو صحرا تک

کیا ہے عاشق اک پردہ نشیں کا مجھ کو قسمت نے
میں وہ بیمار ہوں جو جا نہیں سکتا مسیحا تک

وہ آئے بھی جو بالیں پر تو ایسے وقت میں آئے
کہ فرطِ ضعف سے ہم کر نہیں سکتا اشارا تک

جو اسنے ناز سے پوچھا کہ تیری آرزو کیا ہے
خوشی سے یہ ہوئے بیخود کہ ہم بھولے تمنا تک

یہ نکلیں اشکِ حسرت نزع میں اے بیکسی کیونکر
وہ بیکس ہوں نہیں ہے کوئی مجھ پر رونیوالا تک

جو وصفِ صاحبِ معراج ہے مدِنظر اکبر
مری فکرِ رسا جاتی ہے اب عرشِ معلیٰ تک

عمر ۱۶ سال

چشمِ عاشق سے گریں لختِ دلِ بیتاب با اشک
آپ یوں دیکھیں تماشا جانکر سیمابِ اشک

اپنے دامن پر گرا کر کیوں اسے کرتے خراب
جانتے یکساں اگر ہم گوہرِ نایاب و اشک

جانبِ زنجیرِ گیسو پھر کھنچا جاتا ہے دل
دیکھئے اب سیرے سر پر کیا بلا لاتا ہے دل

لوگ کیونکر چھوڑ دیتے ہیں محبت دفعتاً
میں تو جب یہ قصد کرتا ہوں مچل جاتا ہے دل

رکھ کے تصویرِ خیالی یار کی پیشِ نظر
رات بھر مجھ کو شبِ فرقت میں تڑپاتا ہے دل

داغہائے سینہ گل ہیں آہِ سرد اپنی نسیم
گلشنِ ہستی میں کیا اچھی ہوا کھاتا ہے دل

بارگاہِ عشق سے کہدے تیرے دولت خانے کو
جو کوئی آتا ہے یاں تجھ سے لگا جاتا ہے دل

خون کے پردے میں چھپ جاتی ہے جانِ ناتواں
عاشقی کے معرکے میں کام آ جاتا ہے دل

ساتھ ساتھ اپنے جنازے کے یہ چلاتی تھی روح
ان کو مٹی میں ملانے کو لئے جاتا ہے دل

شیخ اگر کعبہ میں خوش ہے برہمن بتخانے میں
اپنے اپنے طور پر ہر شخص بہلاتا ہے دل

قصد کرتا ہوں جو اٹھنے کا تو فرماتے ہیں وہ
اور بیٹھو دو گھڑی صاحب کہ گھبراتا ہے دل

یہ نہیں کہتے یہیں رہ جاؤ اب تم رات کو
بس انھیں باتوں سے اکبر مرا جاتا ہے دل

لکھتے ہیں کلک تصور سے ترے نام کو ہم
کام میں لاتے ہیں لوح دل ناکام کو ہم

بادہ نوشی میں بسر کرتے ہیں ایام کو ہم
خط تقدیر سمجھتے ہیں خط جام کو ہم

عکس اس شوخ کی آنکھوں میں پھرا کرتی ہے
آنکھیں دکھلاتے ہیں اب گردش ایام کو ہم

نظر آتی ہے جو گلزار میں پھولوں کی بہار
یاد کرتے ہیں حسینان گل اندام کو ہم

آب حیواں کا اثر بادۂ گلرنگ میں ہے
لب جاں بخش سمجھتے ہیں لب جام کو ہم

گردش چشم حسیناں کا نہ کیجئے احوال
جانتے ہیں اثر گردش ایام کو ہم

ایک دن ہم کو لب گور سے سنوا دینگے
کہہ نہیں سکتے ابھی عشق کے انجام کو ہم

رہتی ہے کار دو عالم سے ہمیں وحشت سی
نہیں معلوم یہاں آئے ہیں کس کام کو ہم

تڑپ چکے ہیں جو کبھی فصل بہاری میں اسیر
کانپ کانپ اٹھتے ہیں جب دیکھتے ہیں دام کو ہم

اجل سے وہ ڈریں جینے کو جو اچھا سمجھتے ہیں
یہاں ہم چار دن کی زندگی کو کیا سمجھتے ہیں

ہمیں ہے خاکساری میں بھی ڈر محسود ہونے کا
اسے بھی ہم غبار خاطر اعدا سمجھتے ہیں

کوئی کیا سمجھے الطاف خفی انکار جاناں کے
یہ رمز لن ترانی حضرت موسیٰ سمجھتے ہیں

تمہاری ناخوشی کا ڈر ہمیں مجبور رکھتا ہے
نہیں تو اے صنم اغیار کو ہم کیا سمجھتے ہیں

یقیں کفار کو آتا نہیں روز قیامت کا
اسے بھی وہ تمہارا وعدۂ فردا سمجھتے ہیں

جنوں زائل ہوا ہوش آگیا صحت ہوئی ہم کو
بڑے عیار ہو تم اب تو ہم اتنا سمجھتے ہیں

کرو ناکس سے کیوں سرگوشیاں کرتی ہو محفل میں
خبر بھی ہے کہ لوگ اپنے دلوں میں کیا سمجھتے ہیں

رہو سرسبز گلشن ان کی بزم عیش و عشرت کا
نکل جاؤں گا میں مجھ کو اگر کانٹا سمجھتے ہیں

نگاہوں کے اشاروں سے جو حکم اٹھنے کا ہوتا ہے
مجھے بھی آپ کیا درد دل شیدا سمجھتے ہیں

میں اپنے نقد دل سے جنس الفت مول لیتا ہوں
اطبا کو ذرا دیکھو اسے سودا سمجھتے ہیں

اسے ہم آخرت کہتے ہیں جو مشغول حق رکھے
خدا سے جو کرے غافل اسے دنیا سمجھتے ہیں

نثار اپنے تصور کے کہ جس کے فیض سے ہر دم
جو ناپیدا ہو نظروں سے اسے پیدا سمجھتے ہیں

وہ ہمکو کچھ نہ سمجھے اے رقیبو اختیار اُن کا
یہ تم کیوں خوش ہوا تنے وہ تمھیں کو کیا سمجھتے ہیں

یہی رخ ہو کہ جسپر پھول کا اطلاق ہوتا ہو
یہی آنکھیں ہیں جن کو نرگس شہلا سمجھتے ہیں

تو وہ برق تجلی ہے کہ تیرے دیکھنے والے
ترے نقش کف پا کو ید بیضا سمجھتے ہیں

غزل اک اور پڑھیے آج ایسے رنگ میں اکبر
کہ ارباب بصیرت جسکو عبرت زا سمجھتے ہیں

جو اپنی زندگانی کو حباب آسا سمجھتے ہیں
نفس کی موج کو موج لب دریا سمجھتے ہیں

گواہی دینگے روز حشر یہ سارے گناہونکی
سمجھتا میں نہیں لیکن مرے اعضا سمجھتے ہیں

شریک حال دنیا میں نظر آتا نہیں کوئی
فقط اک بیکسی ہے جسکو ہم اپنا سمجھتے ہیں

جو ہیں اہل بصیرت اس تماشا گاہ ہستی میں
طلسم زندگی کو کھیل لڑکوں کا سمجھتے ہیں

مبرا ہوں ہنر سے میں سراپا عیب ہوں اکبر
عنایت ہے احبا کی اگر اچھا سمجھتے ہیں

شوق نظارہ کبھی دل سے نکلتا ہی نہیں
جی ہمارا بے ترے دیکھے بہلتا ہی نہیں

چین سے ہو بیٹھنا کیونکر نصیب اے ہمنشیں
جوش وحشت سے مزاج اپنا سنبھلتا ہی نہیں

وصل کے ایام میں کیا کیا دکھائے انقلاب
ہجر میں رنگ فلک اب تو بدلتا ہی نہیں

کس غضب کا ہے معاذ اللہ طول روز ہجر
حشر مجھ پر ہو گیا لیکن یہ ڈھلتا ہی نہیں

ہر قدم پر دل پڑے ہیں حسرت پامال میں
اب زمیں پر پاؤں رکھ کر یار چلتا ہی نہیں

چند روز آیا تھا میری قبر پر وہ شعلہ رو
اب تو مدت سے چراغ گور جلتا ہی نہیں

ہم نے چاہا تھا نہ ہو لیکن ہوئی صبح فراق
موت کا جب وقت آجاتا ہے ٹلتا ہی نہیں

بوسہ کیسا گالی دینے میں بھی ان کو بخل ہے
ان لبوں سے کام اپنا کچھ نکلتا ہی نہیں

صورت پروانہ جل کر خاک بھی میں ہو گیا
دل ترا اے شمع رو لیکن پگھلتا ہی نہیں

نخل حسرت وہ ہوں میں جسکو ہیں یکساں چار فصل
وہ شجر ہوں باغ عالم میں جو پھلتا ہی نہیں

وہ تمنا ہوں جو رہتی ہے ہمیشہ جی کے ساتھ
حوصلہ وہ ہوں جو دنیا میں نکلتا ہی نہیں
رنگ وہ ہوں جو زمانے کے ہو باہر رنگ سے
وہ زمانہ ہوں جو رنگ اپنا بدلتا ہی نہیں
شوق وہ ہوں دست دل جسکے آگے تنگ ہو
حرف مطلب وہ ہوں جو منہ سے نکلتا ہی نہیں
دل وہ ہوں جس میں چبھے ہیں خار حسرت سیکڑوں
خار حسرت وہ ہوں جو دل سے نکلتا ہی نہیں
نقد سودا وہ ہوں جو رائج نہیں بازار میں
سکہ داغ جنوں وہ ہوں جو چلتا ہی نہیں

سنہ ۱۸۹۶ء

یہ مصرعہ چاہیئے لکھنا بیاض چشم وحدت میں
خدا کا عشق ہو عشق مجازی بھی حقیقت میں
برنگ حسن جو ہو جلوہ فرما انکی صورت میں
خمیر عشق منکر ہے وہی میری طبیعت میں
اگر میں ڈوب جاؤں قلزم اشک ندامت میں
گناہوں کا سفینہ غرق ہو دریائے رحمت میں
بھریں گلہائے حسرت ہی سے دامان تمنا کو
جو آنکلے ہیں بھر سیر گلزار محبت میں

لکھا خون جگر سے صفحۂ دل پر اسے اکبر
اثر ممکن نہیں پیدا نہ ہو نقش محبت میں

گلے لگائیں کریں پیار تم کو عید کے دن
ادھر تو آؤ مرے گلعذار عید کے دن
غضب کا حسن ہے آرائش قیامت کی
عیاں ہے قدرت پروردگار عید کے دن
سنبھل سکی نہ طبیعت کسی طرح میری
رہا نہ دل پہ مجھے اختیار عید کے دن
وہ سال بھر سے کدورت بھری جو تھی دل میں
وہ دور ہو گئی بس ایکبار عید کے دن
لگا لیا انھیں سینہ سے جوش الفت میں
غرض کہ آ ہی گیا مجھ کو پیار عید کے دن
کہیں ہے نغمۂ بلبل کہیں ہے خندۂ گل
عیاں ہے جوش شباب بہار عید کے دن
سویاں دودھ شکر میوہ سب مہیا ہے
مگر یہ سب ہے مجھے ناگوار عید کے دن
ملے اگر لب شیریں کا تیرے اک بوسہ
تو لطف ہو مجھے البتہ یار عید کے دن

مضمون سوز غم نہ ہو کیونکر چراغ میں
پروانوں کے پروں کا ہے دفتر چراغ میں

ہو لطف حسن و عشق نہ کیونکر چراغ میں
ہے روشنی و سوز برابر چراغ میں

درگاہ جانے والے ہیں غیروں کے ساتھ وہ
گھی جل رہا ہے آج تو گھر گھر چراغ میں

مژگاں کا عکس عارض روشن میں دیکھ لے
دیکھا نہ جس نے ہو کبھی خنجر چراغ میں

خورشید رخ نے تیرے جو بے نور کر دیا
کیا روشنی تھی صورت اختر چراغ میں

اس بت کے دل کا اس دل روشن میں ہے خیال
ہے حسن اتفاق سے پتھر چراغ میں

جلنا نصیب میں ہے تو ہو کچھ فروغ ہی
بتی کی جا رہے تن لاغر چراغ میں

پھیلی ہمارے سوز محبت کی داستاں
بتی پڑی جو شام سے گھر گھر چراغ میں

رنگینی اس کے عارض پر نور میں نہیں
ہے جلوۂ بہار گل تر چراغ میں

داغ گناہ سے دل مومن کو کیا ضرر
ہوتی سیاہی بھی تو ہے اکبر چراغ میں

خودی بھی مجھ سے جب واقف نہ تھی میں تب بھی بسمل تھا
ازل سے[1] کشتۂ تیغ نگاہ ناز قاتل ہوں

دلا کیونکر میں اس رخسار روشن کے مقابل ہوں
جسے خورشید محشر دیکھ کر کہتا ہے میں تل ہوں

خم گیسو پر اک رشک پری کے دل سے مائل ہوں
مجھے بھی اندنوں سودا ہے دیوانوں میں داخل ہوں

نہیں معلوم اسکو تیری چتون سے مقابل ہوں
مجھے واعظ سمجھتا ہے کہ میں مرنے سے غافل ہوں

نگاہ ناز سے تم نے اگر دیکھا نہیں مجھ کو
تو پھر میں کیوں تڑپتا ہوں نہ زخمی ہوں نہ بسمل ہوں

تغافل کیسی کہ حرف شکوہ بھی لب پر نہ آئے گا
یہ جبتک تم نہ کہہ لوگے وفا کا تیری قائل ہوں

رہ الفت وہ کوچہ ہے قضا بھی جس سے ڈرتی ہے
قدم رکھتا ہے دل اسمیں نثار ہمت دل ہوں

جو یونہیں لحظہ لحظہ داغ حسرت کی ترقی ہے
عجب کیا رفتہ رفتہ میں سراپا صورت دل ہوں

مدد اے رہنمائے گمرہاں اس دشت غربت میں
مسافر ہوں پریشاں حال ہوں گم کردہ منزل ہوں

یہ میرے سامنے شیخ و برہمن کیا جھگڑتے ہیں
اگر مجھ سے کوئی پوچھے کہوں دونوں کا قائل ہوں

نکل مقصد جسے سمجھا وہ نکلا داغ ناکامی
غرض باغ جہاں میں خوبی قسمت کا قائل ہوں

[1] مصرع طرح

اگر دعویٰ یکرنگی کروں ناخوش نہو جانا
میں اس آئینہ خانے میں ترا عکس مقابل ہوں

تو تم رہتی ہو ہر دم کر دم لینے کی مہلت ہو
معاذ اللہ اپنی موت سے کس درجہ غافل ہوں

رسائی زلف نے پائی قدم تک اب وہ کیوں آئیں
یہاں خوب ہاتھ آیا کہ پابند سلاسل ہوں

خبر لیتے ہیں اسکی جس کو بیگانہ سمجھتے ہیں
مجھے کب پوچھتے ہیں میں تو اک تحصیل حاصل ہوں

زمین شعر جس سے آسماں بنجائے ای اکبر
علو طبع سے ایسی غزل پڑھنے پہ مائل ہوں

جو لذت آشنائے درد الفت ہے میں وہ دل ہوں
اجل جب تک قیامت تک نہ آئیگی وہ بسمل ہوں

نصیب ایسے کہاں جو زینت فتراک قاتل ہوں
جسے صیاد نے دیکھا نہیں وہ مرغ بسمل ہوں

پئے نظارہ جب سے عالم حیرت میں داخل ہوں
یہ محو روئے قاتل ہوں کہ شکل چشم بسمل ہوں

سنا کر وصف قاتل میں نے لاکھوں کو کیا بسمل
میں اس تعریف سے گویا زبان تیغ قاتل ہوں

قضا نے ہے سے تنگ اپنی بیتابی کی وسعت سے
تڑپنے کی جگہ ملتی نہیں جسکو وہ بسمل ہوں

تنا ہر ہستی موہوم میری بیقراری میں
دل بیتاب کے ہاتھوں سے میں تسکین بسمل ہوں

خوشی میں روح جامے سے رہیگی حشر تک باہر
لپٹ کر جس سے قاتل رو رہا ہے میں وہ بسمل ہوں

توسل چاہتا ہوں جس سے وہ دامن بچاتا ہے
یہ عالم قتل کا میدان ہے میں خون بسمل ہوں

تمنا کا وہم بھی جس جا نہ پہونچیگا قیامت تک
وہاں تیغ نگاہ ناز قاتل سے میں بسمل ہوں

جو کی کچھ گفتگو پیر خرد نے راہ الفت میں
کہا تقریر نے خاموش میں گم کردہ منزل ہوں

دکھایا بیخودی نے آئینہ جب میری ہستی کو
ہوا یہ صاف روشن وہ صنم حق ہے میں باطل ہوں

عجب مضمون میں پیدا ہوا ہوں بیت ہستی میں
عبارت میں بہت آساں ہوں معنی میں مشکل ہوں

ثبوت اسکا مجھے بھی خود فراموشی سے یاد آیا
وہ دعوے کر رہے تھے شکل انساں کا میں حاصل ہوں

ازل میں روئے جاناں سے اشارہ تھا یہ مصحف کا
تمنا ہے کہ میں بھی تیری ہی صورت میں نازل ہوں

جو پوچھا نیستی ہستی میں کیونکر فرق ظاہر ہو
کمر نے یار کی ایما کیا میں حد فاصل ہوں

گرے اک قطرہ جسکا بیخبر شورِ دو عالم سے
اُسی جام شراب تند کا ساقی سو سائل ہوں

عیاں ہر رنگ داغِ عشق میری خاکساری سے
گلستان محبت کا ہوں گل گو صورت گِل ہوں

عجب مجموعہ میں ہوں سرکشی اور خاکساری کا
جو شعلہ باد و آتش سے تو آب و خاک سے گِل ہوں

وہ داغِ آرزو ہوں جس سے دل دامن بچاتا ہے
کوئی پہلو نہیں ملتا جسے دنیا میں وہ دل ہوں

تصور وہ ہوں جو ہر رنگ ہے تصویر جاناں کا
خیال یار سے ملکر بنا ہے جو میں وہ دل ہوں

جسے چشمِ تصور خواب میں بھی پا نہیں سکتی
سراپا چشم ہو کر میں اسی محفل میں داخل ہوں

رہِ الفت میں آتی ہے یہی آواز دوزخ سے
کہ میں بھی اک شرار شعلۂ بیتابیِ دل ہوں

ندا آئے صور سے شورِ قیامت کا یہ آیا ہے
کہ میں بیساختہ اک نالۂ مستانۂ دل ہوں

وہ مجنوں ہوں کہ جسکی ہر نظر تصویرِ لیلیٰ ہے
حجابِ حُسن اُٹھ جاتا ہے جس سے میں وہ محمل ہوں

اجل سے پوچھتا ہے ہر نفس جو باہر آتا ہے
اجازت ہو اگر تیری تو پھر سینہ میں داخل ہوں

کہاں اس بحر سے جائینگے بچکر گوہرِ مضموں
سخن دریا جو ہے طبعِ رسا سے میں بھی ساحل ہوں

غزل ایسی پڑھوں جس سے برابر بید اسکے
عروجِ فکرِ عالی ہوں نشانِ عشق کامل ہوں

وفورِ شوقِ قاتل سے نثارِ ہمتِ دل ہوں
اُمیدِ جذبۂ دل سے مقیمِ کوئے قاتل ہوں

ہجومِ آہِ سوزاں ہے خیالِ روئے جاناں سے
فروغِ بزمِ ماتم ہوں چراغِ خانۂ دل ہوں

حجابِ روئے قاتل سے غمِ ناکامیِ دل سے
نگاہِ چشمِ حسرت ہوں شہیدِ نازِ قاتل ہوں

وفورِ شوقِ ماتم سے صدائے نالۂ غم سے
شریکِ حالِ حسرت ہوں شکستِ شیشۂ دل ہوں

ہوائے باغِ عالم سے جفائے خنجرِ غم سے
بقائے رنگِ عشرت ہوں فنائے روحِ بسمل ہوں

بلائے یادِ گیسو سے خیالِ تیغِ ابرو سے
ظہورِ جوشِ سودا ہوں گواہِ حالِ بسمل ہوں

خیالِ حسنِ صورت سے ہجومِ دردِ الفت سے
بنائے اوجِ مستی ہوں نشانِ عشق کامل ہوں

ہوائے شعلۂ غم سے جفائے چرخِ ظالم سے
چراغِ داغِ حسرت ہوں گرفتارِ غمِ دل ہوں

نسیمِ صبحِ عشرت سے فروغِ شوقِ دولت سے
ہجومِ خوابِ غفلت ہوں چراغِ عمرِ غافل ہوں

لگی ہو آگ الفت کی ہمارے رشتۂ جاں میں — جلا کرتے ہیں مثل شمع ہم بزم حسیناں میں

اگر دوڑیگا جستجو مضموں کی وصف چشم جاناں میں — پھریگی فکر پتلی کی طرح چشم غزالاں میں

پرو دے یار نے موتی جو اپنی زلف پیچاں میں — نظر آنے لگے شبنم کے قطرے سنبلستاں میں

کیا موزوں جو مطلع میں نے وصف روئے جاناں میں — نظر آنے لگا خورشید تاباں برج میزاں میں

اثر اک یہ جو فرش گل پہ سوتے تھے گلستاں میں — اب انکی خاک اڑتی پھرتی ہو دشت بیاباں میں

نہ کیونکر دشت دل پر گماں ہو شوق موسیٰ کا — تجلی وادی ایمن کی ہو اپنے بیاباں میں

انھیں کی آنکھ سے ممکن ہو انکا دیکھنا اے دل — بنوں حیرت سے آئینہ نہ کیونکر بزم جاناں میں

غزالان ختن آ آ کے مجھ پر صدقے ہوتے ہیں — کبھی بیمار پڑتا ہوں جو یاد چشم جاناں میں

خزاں میں کیوں نہو سرسبز نخل ماتم بلبل — عوض پانی کے جب حسرت برستی ہو گلستاں میں

تری زلف مسلسل دیکھ کر ظاہر ہوا مجھ کو — یہی زنجیر پائے دل کی ہو ہستی کے زنداں میں

اگر زنجیر پا ہوتی نہ الفت تیری زلفوں کی — نہ رہتے ہمسے دیوانے کبھی ہستی کے زنداں میں

اثر بعد فنا بھی گردش قسمت کا باقی ہو — بگولا بنکے میری خاک اڑتی ہو بیاباں میں

خیال ہجر یاران وطن سے جان جاتی ہو — غضب ہے ہوش آتا ہو جنوں مجکو بیاباں میں

زبان حال سے کہتا ہو میرا سبزۂ تربت — نشاں حسرت کا ہو نشو و نما بھی اس گلستاں میں

اسی مصرعہ پہ میں تو فصل گل میں وجد کرتا ہوں — تری قدرت نے کیا کیا گل کھلائے ہیں گلستاں میں

خزاں آتی ہو بلبل دیکھ لے اچھی طرح گل کو — خدا جانے کب آئے موسم گل پھر گلستاں میں

سناتا ہوں جو افسانہ کسی کی بزم عشرت کا — نسیم نوبہاری رقص کرتی ہو گلستاں میں

کرینگے حشر میں ظاہر جو ہم مجبوری الفت — ہمارا نامۂ اعمال ہوگا دست جاناں میں

سر خاک شہنشاہان عالم کہتی ہو عبرت — قدم رکھے بچا کر آئے جو شہر خموشاں میں

پئے تسلیم سر جھکتا تھا سب کا جنکے ایواں میں — انھیں کی خاک اب پامال ہو گور غریباں میں

پھرا کی شکل یاران گذشتہ چشم گریاں میں — ہماری عمر رفتے ہی کٹی گور غریباں میں

جمال حور کو کہتا ہے افزوں حسن انساں سے
کوئی عاشق بھی ان کا زاہدا ہے باغ رضواں میں

جب آنا موت کا ممکن نہیں جنت میں کیوں اخفا
تو پھر کس کام کی حوروں کی عزت ہے باغ رضواں میں

نہ پوچھو حال کچھ چاہت کا ان زہرہ جبینوں کی
فرشتے تکتے ہیں کیوں ڈوبے ہوئے چاہ زنخداں میں

کسی کو ہوتی کیا پروا بھلا ہے جینے مرنے کی
بسان سبزۂ بیگانہ ہم تھے اس گلستاں میں

نہیں سرو سہی کو باغ میں اندیشۂ صرصر
غرض ہے راستی بھی خوب شیوہ اس گلستاں میں

ابھی تو موسم گل بھی نہ آیا تھا گلستاں میں
میں کیوں جامہ سے باہر ہو گیا شوق بیاباں میں

نظر آتا نہیں جز آہ کوئی مونس و ہمدم
بدل جاتی ہے دنیا کی ہوا شبہائے ہجراں میں

میں دیتا جاؤں یاران وطن کو کیا پتہ اپنا
خدا جانے مجھے لیجائے وحشت کس بیاباں میں

سماں آنکھوں میں پھر جاتا ہے جب فصل بہاری کا
گلوں کو یاد کر کے خوب روتا ہوں گلستاں میں

دم بالیں پر ہیں وقت نزع کیوں کر انسے رخصت ہوں
نہیں طاقت اشارے کی بھی مجھ دم بھر کے مہماں میں

مزا کیا جب حسینوں نے اطاعت کی حکومت سے
نہیں کچھ لطف پریاں تھیں جو قابو کے سلیماں میں

وفور اشک سے یوں ہیں ہرے داغ جگر اپنے
چمن سرسبز ہو جاتا ہے جیسے فصل باراں میں

یقیں تھا گوہر آمرزگاری کے جو ملنے کا
دم آخر تلک ڈوبے رہے ہم بحر عصیاں میں

ہیں اپنے داغ سینہ طعنہ زن خورشید محشر پر
تماشا حشر کا ہے کوچۂ چاک گریباں میں

یہ مجھ دیوانے کو اکثر صدا آتی ہے زنداں سے
کھلا ہے خانۂ زنجیر کا در شوق مہماں میں

عجب کیا موسم پیری میں اے دل ٹھنڈی سانسوں کا
ہوائے سرد اکثر چلتی ہے فصل زمستاں میں

بقول کند مہماں فلک میں بھی ہوں اے اکبر
مری قسمت کا ٹکڑا بھی ہے اسکے خوان الواں میں

بگڑ گئی آپ کی دو دن میں طبیعت کیسی
یہ وفا کیسی تھی صاحب یہ مروت کیسی

دوست احباب سے ہنس بول کے کٹ جائیگی رات
رند آزاد ہیں ہم کو شب فرقت کیسی

جس حسیں سے ہوئی الفت وہی معشوق اپنا
عشق کس چیز کو کہتے ہیں طبیعت کیسی

جس طرح ہو سکے دن زیست کے پورے کر لو
چار دن کے لئے انسان کو حسرت کیسی

ہے جو قسمت میں وہی ہوگا نہ کچھ کم نہ سوا
آرزو کہتے ہیں کس چیز کو حسرت کیسی

حال کھلتا نہیں کچھ دل کے دھڑکنے کا مجھے
آج رہ رہ کے بھر آتی ہے طبیعت کیسی

گر کوچۂ یار میں جاتا تو نظارہ کرتا
قیس آوارہ ہے جنگل میں یہ وحشت کیسی

حسن اخلاق پہ جی لوٹ گیا ہے میرا
ہیں تو کشتہ تری باتوں کا ہوں صورت کیسی

آپ بوسہ جو نہیں دیتے تو میں دل کیوں دوں
ایسی باتوں میں مری جان مروت کیسی

ہم نہ کہتے تھے کہ زینت بھی ہے معشوق کو شرط
کیوں نظر آتی ہے آئینہ میں صورت کیسی

سنتا ہوں چمن میں جو تری زمزمہ سنجی
یاد آتی ہے بلبل مجھے تقریر کسی کی

ملے ہر اک سے محبت مگر انھیں سے رہی
وہ عاشقانہ جو تھی اک نظر انھیں کو رہی

پھر کون بات پسند آگئی ہے غیروں کی
لگاوٹ انکی جو آٹھوں پہر انھیں سے رہی

چھٹو گے دام بلا سے کبھی نہ اے اکبر
طبیعت الجھی ہوئی یوں اگر انھیں سے رہی

عمر ۱۹ سال سنہ ۱۸۶۴ء

بے تکلف بوسۂ زلف چلیپا لیجئے
نقد دل موجود ہے پھر کیوں نہ سودا لیجئے

دل تو پہلے لیجئے اب جان کے خواہاں ہیں آپ
اس میں بھی مجھ کو نہیں انکار اچھا لیجئے

پاؤں پکڑ کر کہتی ہے زنجیر زنداں میں رہو
وحشت دل کا ہے ایما راہ صحرا لیجئے

تیر کو تیز کر کے صید کرتے ہیں کہا میں شکریہ
مجھ سے کہتے ہیں اگر کچھ بھوک ہو کھا لیجئے

خوشنما چیزیں ہیں بازار جہاں میں بے شمار
ایک نقد دل سے یارب مول کیا کیا لیجئے

کشتۂ آخر آتش فرقت سے ہونا ہے مجھے
اور چندے صورت سیماب تڑپا لیجئے

فصل گل کے آتے ہی اکبر ہوئے بے ہوش آپ
کھولئے آنکھوں کو صاحب جام صہبا لیجئے

تصور سے غم فرقت کے اپنا جی دہلتا ہے
اگر یہ محبت آخر سینے سے دم نکلتا ہے

خدا کی شان وہ میرا تڑپنا دل لگی سمجھیں
کسی کی جان جاتی ہے کسی کا جی بہلتا ہے

خیال زلف میں اے دل نہ ٹھہرے گر منزل الفت
اندھیری رات میں ناداں کوئی راہ چلتا ہے

جنوں جب مجھے میں ہشیار بڑھتی ہے مری وحشت
سنبھالیں ہوش اپنا یہاں دل کب سنبھلتا ہے

مریض غم کیا کرتا ہے ضبط نالہ ہمت سے
اگر منہ زرد ہو جاتا ہے جب کروٹ بدلتا ہے

وصال یار کا وعدہ ہے کل اور آج موت آئی
کریں کیا اب مقدر پر کسی کا زور چلتا ہے

محبت الفت کر کے پھنس گئے ہیں ہم تو آفت میں
نہ دل تھامیں تو کیا ہو ان پر زور چلتا ہے

کیا کرتا ہوں موزوں وصف انکی روئے روشن کا
مرا ہر شعر اکبر نور کے سانچے میں ڈھلتا ہے

شاعری رنگ طبیعت کا دکھا دیتی ہے
بوئے گل راہ گلستاں کی بتا دیتی ہے

سیر غربت کوئی جلسہ جو دکھا دیتی ہے
یاد احباب وطن مجھ کو رلا دیتی ہے

بیخودی پردہ کثرت جو اٹھا دیتی ہے
ہر طرف جلوۂ توحید دکھا دیتی ہے

آہ یاس یہ ہو قہر خدا کا نازل
رہرو منزل الفت کو ڈرا دیتی ہے

ہو نہ رنگین طبیعت بھی کسی کی یارب
آدمی کو یہ مصیبت میں پھنسا دیتی ہے

گر لطف تری باد بہاری ہے مگر
غنچۂ خاطر عاشق کو کھلا دیتی ہے

اچھی صورت میں بھی خالق نے بھرا ہی جادو
اپنے مشتاق کو دیوانہ بنا دیتی ہے

پوچھتا ہوں میں جو عبرت سے مآل ہستی
راستہ گور غریباں کا بتا دیتی ہے

نظر آتا جو نہیں نزع میں بالیں پہ کوئی
بیکسی ان کے تغافل کو دکھا دیتی ہے

کیا صفائی رخ جاناں کی ہے اللہ اللہ
دیکھنے والوں کو آئینہ بنا دیتی ہے

دشمن اہل نظر ہے نگہ حسن پرست
الفت پاک کو بھی عیب لگا دیتی ہے

موت سے کوئی نہ گھبرائے اگر یہ سمجھے
کہ یہ دنیا کے بکھیڑوں سے چھڑا دیتی ہے

بدسلوکی تری لاتی ہے خرابی مجھ پر ‎ میری تقدیر کو الزام لگا دیتی ہے

نگہ شوق سے کیونکر نہ گلوں کو دیکھوں ‎ انکی رنگت ترے عارض کا پتا دیتی ہے

قید ہستی سے ہے غبار رخ آئینۂ روح ‎ جان مشتاق کو جاناں سے چھڑا دیتی ہے

کشتہ ہوں مرگ حسیناں کی ہیں بیدردی کا ‎ خاک میں چاند سی صورت کو ملا دیتی ہے

فکر اکبر گل مضموں کا دکھا کر جلوہ
محفل شعر میں رنگ اپنا جما دیتی ہے

زیر گیسو روئے روشن جلوہ گر دیکھا کئے ‎ شان حق سے ایک جا شام و سحر دیکھا کئے

گل کو خنداں بلبلوں کو نوحہ گر دیکھا کئے ‎ باغ عالم کی دو رنگی عمر بھر دیکھا کئے

جنبش ابرو ہی کافی تھی ہمارے قتل کو ‎ آپ تو ناحق سوئے تیغ و تبر دیکھا کئے

صبر کر بیٹھے تھے پہلے ہی سے ہم تو جان زار ‎ عشق نے جو کچھ دکھایا بے خطر دیکھا کئے

دیکھئے اب کیا دکھائے قسمت بد بعد مرگ ‎ رنج و اندوہ و الم تو عمر بھر دیکھا کئے

خواب غفلت سے نہ چونکے اہل عالم ہے غضب ‎ گو بہت نیرنگی شام و سحر دیکھا کئے

حسرت و حرمان و اندوہ و غم و رنج و الم ‎ جو دکھایا آسماں نے عمر بھر دیکھا کئے

وعدۂ شب پر گمان صدق سے سوئے نہ ہم ‎ راہ اس پیماں شکن کی رات بھر دیکھا کئے

یاد میں رخسار تابان صنم کی رات بھر ‎ دیدۂ حسرت سے ہم سوئے قمر دیکھا کئے

پیدا وہ جفا کے جو نئے ڈھنگ کرینگے ‎ تیغ نگہ ناز سے جو رنگ کرینگے

کافی ہیں وہ مستانہ نگاہیں وہ خط سبز ‎ اب ہم نہ کبھی شوق مے و بنگ کرینگے

انکے دہن تنگ کا مضموں نہیں بندھتا ‎ اب قافیۂ شعر کو ہم تنگ کرینگے

کر لے گا جگہ مثل شرر جذبۂ الفت ‎ وہ سخت جو دل کو صفت سنگ کرینگے

دمساز دلوں سے ملنے بھی تو پائیں کبھی اے چرخ، ‎ آراستہ پھر بزم نئے وہ چنگ کرینگے

نالے دل پر داغ کو سکھلائیں گے موزوں ‎ طاؤس کو ہم مرغ خوش آہنگ کرینگے

کچھ زمزمہ سنجی ہی پہ موقوف نہیں لطف
نالے بھی کرینگے تو خوش آہنگ کرینگے

ان سے تو کوئی صلح کی صورت نہیں بنتی
غیر دل ہی سے دل کھولکے اب جنگ کرینگے

میلے ہیں حسینوں کے پریزادوں کے جگھٹ
اب جا کے قیام اپنا لب گنگ کرینگے

راضی ہی نہونگے وہ کسی طور تو کیا بس
تقدیر سے مجبور ہیں تو کیا جنگ کرینگے

ارشاد جو ہوتا ہے کہ لکھ وصف دہن کچھ
معلوم ہوا آپ مجھے تنگ کرینگے

رنگینی مضمون جو دل صاف میں ہوگی
شیشہ میں گمان مے گلرنگ کرینگے

اکبر نہ ہو دمساز بتاں بہر خدا تم
دل دوگے تو وہ جان کا آہنگ کرینگے

جب عشق کی آتش میں جو رہے ہوئے کیونکر کہیں نیک انجام رہے
مستوں کی طرح گلیوں میں پھرے زندگی میں کٹی بدنام رہے

اب ہم تو خدا کی عنایت سے اے عہد شکن آزاد ہوئے
پھنس جائینگے پھندوں میں طائر دل زلفوں کا سلامت دام رہے

ملنا جو نہ تھا قسمت میں لکھا تدبیر سے کچھ حاصل نہ ہوا
ناموں کی ہوئی تحریر بہت اک مدت تک پیغام رہے

منہ ترا دیکھ کے فق رنگ گلستاں ہو جائے
دیکھ کر زلف کو سنبل بھی پریشاں ہو جائے

یاد قامت میں جو میں نالہ و فریاد کروں
پیشتر حشر سے یاں حشر کا ساماں ہو جائے

جلوۂ مصحف رخسار جو آجائے نظر
حسرت بوسہ میں کافر بھی مسلماں ہو جائے

آپ کے فیض قدم سے ہو بیاباں گلزار
باغ میں جائیے تو گلشن رضواں ہو جائے

ناز و انداز و ادا سے جو چلیں چال حضور
جس جگہ پاؤں پڑے گنج شہیداں ہو جائے

آفت گردش افلاک سے پاؤں جو نجات
گردش چشم مجھے گردش دوراں ہو جائے

آپ کھلائیں جو اپنے رخ رنگیں کی بہار
اُسکے مانند ہوا رنگ گلستاں ہو جائے

لاغر اسدرجہ ہوا ہوں کہ جو لیٹوں میں کبھی
تار بستر مجھے وسعت میں بیاباں ہو جائے

حسرتیں اسمیں ہوا کرتی ہیں اکثر مدفوں
کیا عجب خانۂ دل گور غریباں ہو جائے

شباب جوش پہ ہے ولولے ہیں جوبن کے
کبھی وہ جھوم کے چلتے ہیں اور کبھی تن کے

جب ان کو رحم مجھے آیا حیا نے سمجھایا
بگڑ بگڑ گئی تقدیر میری بن بن کے

مریض غم کو ڈرایا کرے نہ پھر اتنا
قضا جو دیکھے تیور تمہاری چتون کے

نگاہ ناز سے سارا زمانہ بسمل ہے
ہمیں شہید نہیں تیری ترچھی چتون کے

کمر پہ یار کی رہتا ہے قبضہ خنجر
شہید ہم تو ہوئے رشک بخت آہن کے

انداز یار کے کچھ ذہن نشیں اور بھی ہے
جانتا ہے کہ نشست انکی کہیں اور بھی ہے

ایک دل تھا سو دیا اور کہاں سے لاؤں
جھوٹ کہئے تو میں کہدوں کہ نہیں اور بھی ہے

ناز بے جا نہ کیا کیجئے ہم سے اتنا
اسی انداز کا اک یار حسیں اور بھی ہے

غم فرقت میں بھی آتی نہیں اے چرخ جو موت
کیا کوئی صدمہ پئے جان حزیں اور بھی ہے

کہیو اس غیرت لیلےٰ سے یہ پیغام صبا
پہلوئے قیس میں اک دشت نشیں اور بھی ہے

جان دینا جو ہے لازم ہے اُسی دم دینا
ہمیں بتلاؤ یہ دستور کہیں اور بھی ہے

میر سے بلوانے کا احسان جتاؤ نہ بہت
مہرباں ایک بت پردہ نشیں اور بھی ہے

ان ردیفوں میں غزل کیوں نہو دشوار اکبر
ناتراشیدہ کوئی ایسی زمیں اور بھی ہے

اے خوف مرگ دل میں جو انساں کے تو رہے
پھر کچھ ہوس رہے نہ کوئی آرزو رہے

فتنہ رہے فساد رہے گفتگو رہے
منظور سب مجھے جو مرے گھر میں تو رہے

زلفیں ہٹائی چہرۂ رنگیں سے کیا ضرور
بہتر ہے مشک کی گل عارض میں بو رہے

ق

ہنگام نزع روح نے قالب سے یہ کہا
اس خاکدان تیرہ میں بے آبرو رہے

اب تک ترے سبب سے رہے ہم بلا نصیب
اب تا بہ حشر گور کے پہلو میں تو رہے

یہ اشک انفعال نہ خالی اثر سے ہوں
یارب ہمارے موتیوں کی آبرو رہے

بلبل رہا ہے طائر دل اسمیں عمر بھر
سرسبز حشر تک چمن آرزو رہے

اے چشم عین بزم میں رونا نہیں ہے خوب
وہ بات کر کہ جس میں تری آبرو رہے

پیر مغاں کا سلسلہ دیکھے جو محتسب
امیدوار بیعت دست سبو ہے

ہر دم یہ انتظار کا ایا ہے ہجر میں
آنکھوں میں جائے اشک جگر کا لہو ہے

احباب کیا کریں گے ٹھہر کر مزار پر
بالیں پہ خاک اڑانے کو ہاں آرزو ہے

خاطر تو تم نے آج بہت کی مگر حضور
کل پھر یہی نگاہ یہی گفتگو ہے

ہرچند دل سے یار کے جاتا نہیں غبار
رہنے سے عاشقوں میں مری آبرو تو ہے

ہوں میں تو رند مجھ کو تکلف سے کام کیا
پیمانہ ساقیا جو نہیں ہے سبو تو ہے

ہرچند میں غریب ہوں گو کچھ نہیں ہے پاس
لیکن ہزار دولتوں سے بڑھ کے تو تو ہے

ہم خوش رہیں بھلا دل نالاں سے کس طرح
ہو آپ کا یہ دوست ہمارا عدو تو ہے

زندہ جو تیرے ہجر میں ہوں میں تو کیا عجب
گر تو نہیں ہے پاس تری آرزو تو ہے

مجھ کو تو دیکھ جینے سے مطلب ہے ناصحا
بدخو اگر ہے یار تو ہو خوب رو تو ہے

جذبۂ دل نے مری تاثیر دکھلائی تو ہے
گھنگرووں کی جانب در کچھ صدا آئی تو ہے

عشق کے اظہار میں ہرچند رسوائی تو ہے
پر کروں کیا اب طبیعت آپ پر آئی تو ہے

آپ کے سر کی قسم میرے سوا کوئی نہیں
بے تکلف آئیے کمرے میں تنہائی تو ہے

جب کہا میں نے تڑپتا ہے بہت اب دل مرا
ہنس کے فرمایا تڑپتا ہوگا سودائی تو ہے

دیکھئے ہوتی ہے کب راہی سوئے ملک عدم
خانۂ تن سے ہماری روح گھبرائی تو ہے

دل دھڑکتا ہے مرا لوں بوسۂ رخ یا نہ لوں
نیند میں اسنے دلائی منہ سے سرکائی تو ہے

دیکھئے کب تک نہیں آتی گل عارض کی یاد
سیر گلشن سے طبیعت ہم نے بہلائی تو ہے

میں بلائیں کیوں کھینچوں دیوانہ بنکر اسکے ساتھ
دل کو وحشت ہو تو ہو کمبخت سودائی تو ہے

خاک میں دل کو ملایا جلوۂ رفتار سے
کیوں نہ لوٹے نوجواں اک شان رعنائی تو ہے

یوں مروت سے تمہارے سامنے چپ ہو رہوں
گل کے جلووں کی مگر ہم نے خبر پائی تو ہے

بادۂ گلرنگ کا ساغر عنایت کر مجھے
ساقیا تاخیر کیا ہے اب گھٹا چھائی تو ہے

جسکی الفت پر بڑا دعویٰ تھا کل اکبر تمھیں
آج ہم جا کر اُسے دیکھ آئے ہر جائی تو ہے

کیا ہی رہ رہ کے طبیعت مری گھبراتی ہے
وہ بھی چپ بیٹھے ہیں اغیار بھی چپ میں بھی خموش
کیوں نہو اپنی لگاوٹ کی نظر پہ نازاں

موت آتی ہے شب ہجر نہ نیند آتی ہے
ایسی صحبت سے طبیعت مری گھبراتی ہے
جانتے ہو کہ دلوں کو یہ لگا لاتی ہے

بزم عشرت کہیں ہوتی ہے تو رو دیتا ہوں
کوئی گذری ہوئی صحبت مجھے یاد آتی ہے
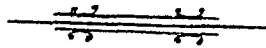
رباعیات وقطعات وغیرہ

کھولی ہے زباں خوش بیانی کیلئے
آیا ہوں میں کوچۂ سخن میں اکبر
اُٹھا ہے قلم گہر فشانی کیلئے
نظارۂ شاہد معانی کیلئے

تائید وضع ملت ودیں کی کرونگا میں
ہوتا نہیں طبیب مداوا سے دستکش
اہل زمانہ لاکھ ہنسیں مجھ غریب پر
یہ سچ ہے اجل تو ہنستی ہے سبھی طبیب پر

جب لطف وکرم سے پیش آئی محبوب
جب مثل نسیم دو گلے سے لگجائے
اگلے رنجوں کو بھول جانا اچھا
مانند کلی کے پھول جانا اچھا

کیا تم سے کہیں جہاں کو کیسا پایا
آنکھیں تو بیشمار دیکھیں لیکن
غفلت ہی میں آدمی کو ڈوبا پایا
کم تھیں بخدا کہ جن کو بینا پایا

اونچا نیت کا اپنی زینہ رکھنا
غصہ آنا تو نیچرل ہے اکبر
احباب سے صاف اپنا سینہ رکھنا
لیکن ہے شدید عیب کینہ رکھنا

غفلت کی ہنسی سے آہ بھرنا اچھا
اکبر نے سنا ہے اہل غیرت سے یہی
افعال مضر سے کچھ نہ کرنا اچھا
جینا ذلت سے ہو تو مرنا اچھا

رشوت ہے گلوئے نیکنامی کا چھرا
ہرچند کہ بے محل خوشامد ہے بری
عیاشی ہے بدی کے پہیئے کا دُھرا
گستاخ مگر خوشامدی سے بھی بُرا

گذرا ہے مری نظر سے سب کا جلوہ
کہتا ہے عجم - عجم میں رستم ہے موجود
سب سے بہتر روز وشب کا جلوہ
کہدو کہ عرب میں دیکھ رب کا جلوہ

وفا میں ثابت قدم رہنے کی ترغیب

ہر چند محل انقلابات رہا
گھٹنے بڑھنے کا پیچ دن رات رہا
چھوڑیں نہیں منزلیں قمر نے اپنی
ذی رتبہ و صاحب مقامات رہا

آزاد سے دیں کا گرفتار اچھا
شرمندہ ہو دل میں وہ گنہگار اچھا
ہر چند کہ زور بھی ہو اک خصلت بد
واللہ کہ بے حیا سے مکار اچھا

بے پردہ کل جو آئیں نظر چند بیبیاں
اکبر زمیں میں غیرت قومی سے گڑ گیا
پوچھا جو ان سے آپ کا پردہ وہ کیا ہوا
کہنے لگیں کہ عقل پہ مردوں کی پڑ گیا

انقلاب جہاں کو دیکھ لیا
حب دنیا سے قلب پاک ہوا
کل کلی کھل کے ہو گئی تھی پھول
پھول کمہلا کے آج خاک ہوا

تھا سر میں کمال وہ تو سلطان بنا
تھا دل میں جمال وہ مسلمان بنا
لذت طلبی سے نفس بندی پہ جھکا
تھا پیٹ بہت حریص شیطان بنا

مذہب کو لیا تو بحث میں سر ٹوٹا
چاہی اصلاح تو خدا ہی چھوٹا
شکوہ ہم غیر کا کریں کیا اکبر
قسمت ہی نے ہم کو ہر طرح سے لوٹا

رسوا وہ ہوا جو مست پیمانہ ہوا
لپکا جو سا بے پردہ دیوانہ ہوا
انگلینڈ سے اپنا دل جو لایا نہ درست
محروم اُدھر ادھر سے بیگانہ ہوا

کرم حق پہ رکھ نظر اپنی
جو عقیدہ ترا نہ ہو ڈھیلا
آسرا سب کا چھوڑ دے اکبر
و تبتل الیہ تبتیلا

مجلس میں خیال بادہ نوشی پایا
مکتب میں سر سخن فروشی پایا
مسجد میں اگرچہ امن تھا ای اکبر
لیکن اک عالم خموشی پایا

کہنے کو تو شاہ سب ہیں مہراج ہیں سب
مالک دولت کے. مالک تاج ہیں سب
لیکن کھولو جو چشم تحقیق اکبر
بے بس ہیں سب. خدا کے محتاج ہیں سب

جلوۂ ارض و سما دکھلا کے ہے تحیر بھی عجیب
بحث اُسکی ذات میں کیوں کر رہا ہے فلسفی

لا الٰہ اور قتل ہوا اللہ کہکے پیغمبر بھی عجیب
ایسے ایسے عجیب ہیں یہ ہوتا نہیں اسپر بھی عجیب

نادہی سے ہو نہیں سکتی فلاح قوم
کعبے سے بت نکال دئے تھے رسول نے

ہرگز کہ نہ سکیں گے نہ ان منزلوں سے آپ
اللہ کو نکال رہے ہیں دلوں سے آپ

کامل کم ہیں اور اہل ارشاد بہت
ہے بزم سخن کا حال یہ اے اکبر

ساحر کم ہیں گے صیاد بہت
شاعر کم ہیں مگر ہیں استاد بہت

بندوں نے بھلا دیا ہے وہ عہد الست
کیا زید و بکر پہ معترض ہوتا ہے

نافہمی و حرص میں ہیں اکثر بدمست
اک گور پرست ہے تو اک زر پرست

پیری آئی ہوئی جوانی رخصت
ہے اب تو اسی کا انتظار اے اکبر

ساتھ اسکے وہ لطف زندگانی رخصت
ہمکو بھی کرے جہان فانی رخصت

تری معین فقط ہے خدا کی ذات اے دوست
طلب مدد کی نہیں اُنسے جو ہیں خود محتاج

خدا گواہ کہ یکی یہی ہے بات اے دوست
طلب مدد کی ہے بالصبر والصلوٰۃ اے دوست

تحریک ضرورت معیشت ہے بہت
خالق کے جمال کا تو سودا کم ہے

خرد کو بھی اب خیال خلعت ہے بہت
اللہ کے نام کی تجارت ہے بہت

دنیا کرتی ہے آدمی کو برباد
دو ہی چیزیں ہیں بس محافظ دل کی

افکار سے تنگ ہے طبیعت ناشاد
عقبے کا تصور اور اللہ کی یاد

حق نے جنھیں دی ہے فہم قرآن مجید
بدلے سو رنگ انقلاب دنیا

ہونے کے نہیں وہ پیر گردوں کے مرید
ہر حال میں اُن کو ہے خدا ہی سے اُمید

کس نماندست کہ در پیشہ تسکائے بکند
ایں زماں ہمت مرداں بہ ہمیں محدود است

تیغ گیرد بہ کف و فتح دیارے بکند
زنے از پردہ بروں آید و کارے بکند

چھوڑ دہلی لکھنؤ سے بھی نہ کچھ اُمید کر

نظم میں بھی واعظ آزادی کی اب تائید کر

لہ اشارہ طرف کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ کے ۱۲

صاف ہے روشن ہے اور ہے صاحب سوز و گداز
شاعری میں بس زبان شمع کی تقلید کر

فرمان اجل کا آگیا وقت حضور
ہونگے کوئی دم میں شامل اہل قبور
دیکھیں منکر نکیر کیا کہتے ہیں
یاں سب مجھے کہتے ہیں خداوند حضور

دیکھیے اکبر کے آج کچھ اشعار
آئی ہے حد پسند یہ گفتار
تجربہ خود بنے گا واعظ دیں
لیک بعد از خرابی بسیار

بے سود ہے یہ شکوہ و لفاظی دیر
افسوس ہے مخلصوں کو اور ہنستے ہیں غیر
چلیئے ابجد سے رب یسّر کہہ کر
ہو سکتی ہے تب امید تمت بالخیر

منکر ہیں روح کے جو یہ اہل غرور
اک امر ہے پوچھنا ہمیں ان سے ضرور
ہے فہم و خرد کا تم کو دعوی یہ کہو
پیدا ہوا مادّے[1] میں کیونکر یہ شعور

سید صاحب سکھا گئے ہیں جو شعور
کہتا نہیں تم سے میں کہ ہو اس سے نفور
سوتوں کو جگا دیا انھوں نے لیکن
اللہ کا نام لیکے اُٹھنا ہے ضرور

لیجاؤں لحد میں اپنا اسلام بخیر
لکھیں یارب ملک مرا نام بخیر
اسلام سے جسنے بیوفائی کی ہے
پایا نہیں میں نے اسکا انجام بخیر

ہو علم اگر نصیب تعلیم بھی کر
دولت جو ملے تو اسکو تقسیم بھی کر
اللہ عطا کرے جو عظمت تجھ کو
جو اہل ہیں اسکے انکی تعظیم بھی کر

یہ تھی غلطی دیا جو معبود کو چھوڑ
اصلاح یہ ہے۔ نمود بے سود کو چھوڑ
بزم ملت کا عافیت جو ہے اگر
اللہ کے آگے جھک اچھل کود کو چھوڑ

کہدو کہ میں خوش ہوں رکھوں گر آپکو خوش
بجلی چمکاؤں اور کروں بھاپ کو خوش
سیکھوں ہر علم و فن مگر فرض یہ ہے
ہر حال میں رکھوں اپنے ماں باپ کو خوش

بیسود ہے گنج و مال و دولت کی تلاش
ذلت ہے در اصل جاہ و شوکت کی تلاش
اکبر تو سرور طبع علم میں ڈھونڈھ
محنت میں کر سکون و راحت کی تلاش

[1] ایک انگریزی مورخ کہتا ہے کہ یہ مسئلہ ڈاروِن کی سمجھ میں نہیں آیا ۱۲

غالب انسان پہ خود پسندی ہے فقط
ہر ذرۂ دہر سے یہ آتی ہے صدا
مذہب کیا ہے گروہ بندی ہے فقط
نعمت ہے اگر تو عقلمندی ہے فقط

ہے ماہ صیام کی نہایت تعریف
نا اہلوں کو یہ کبھی لگاتا نہیں منہ
بے شبہ یہ ہے مہذب و پاک و لطیف
کہتے ہیں اسی سبب رمضاں کو شریف

تکمیل میں ان علوم کے ہو مصروف
لیکن تم سے امید کیا ہو کہ محقیں
تحریر کی جو طاقتوں کو کردیں مکشوف
عمدہ مطلوب ہے وطن ہے مالوف

دیکھا مناظروں کا بہت اسنے رنگ ڈھنگ
کہتے بہت صحیح تھے یہ حضرت مذاق[1]
اکبر کے دلمیں اب نہ رہی بحث کی امنگ
ایماں برائے طاعت و مذہب برائے جنگ

اہل حرص و طمع جو ذلیل ہوتے ہیں اکثر طعن

ہے حرص و ہوس کے فن کی مجھ کو تکمیل
ہیں نفس کی خواہشیں بہت مجھ کو عزیز
عبرت نہیں میری بزم دانش میں دخیل
جب چاہیں کریں خوشی سے مجھ کو وہ ذلیل

بے غیرت و خود فروش و جاہل ہیں نزل
یک جا کردیں حوادث دہر اگر
حق سے جو ہو غافل ایسے غافل سے نزل
جائز ہے کہ اسنے مل مگر دل سے نزل

دل ہو جو وسیع اور روشن ہو خیال
ساری دنیا ہے اس کو پیاری اکبر
ہر رنگ دکھائے تجھ کو خالق کا جمال
کہتا ہے کلام آل جس کو حاصل ہو کمال

جب علم گیا تو شوق عزت معدوم
مسجد سے یہ آئی گوش اکبر میں صدا
دولت رخصت تو ذوق زینت معدوم
مذہب جو مٹا تو زور ملت معدوم

خواہان علم نہ طالب گنج ہیں ہم
لغزش ہو کوئی تو دوست فرمائیں معاف
بے کینہ و بے ریا و بے رنج ہیں ہم
آزاد ہیں مست ہیں سخن سنج ایسا ہم

تو اس دور کے دل افروز ہیں کم
ہر حرب زباں نہیں ہے شمع اخلاص
گویا کہ شبیں بہت ہیں اور روز ہیں کم
جلنے والے بہت ہیں دل سوز ہیں کم

[1] عالیجناب نواب احمد حسین خانصاحب بہادر تعلقدار رساواا ۱۲

ابتک کوئی بہتری تو ظاہر نہ ہوئی
شاید کہ یہی ترقی قومی ہے

رکھو جو مقابل اسکے سارا عالم
اُس اک ذرّے میں ہے ہماری کیا اصل

مخلوط کرو نہ نفس و نیچر کو بہم
جو بھوک لگے زبان کو وہ ٹھیک نہیں

پڑتا ہے بتوں سے ساعت چند کا کام
اللہ سے ہر نفس کا رہنا ہے لگاؤ

علم و حکمت میں ہو اگر خواہش نیم[۱]
شادی نہ کر اپنی قبل تحصیل علوم

بھولے جاتے ہیں ہسٹری بھی اپنی
ہے دولت و جاہ بھی کسی پر ہر روز

گذرے جاتے ہیں ہمپہ سال و مہ و یوم
ہر شخص بجائے خود بنا ہے اک قوم

دنیا بخدا ہے ایک ذرّے سے بھی کم
نافہم ہیں کر رہے ہیں ناحق ہم ہم

گو نفس نے بھی لیا ہے نیچر سے جنم
نافع وہ طعام ہے کہ طالب ہو شکم

تمہید میں اُس کی دولت و عمر تمام
دشوار ہے نفس پر عبادت کا نام

سرکار کی نوکری کو ہرگز نہ کر ایم[۲]
بُت ہو کہ پری ہو خواہ وہ ہو کوئی میم

مذہب کو بھی ضعیف پاتے ہیں ہم
ظاہر یہ ہے کہ مٹتے جاتے ہیں ہم

اس بزم سے رنگ کے سب اٹھے جاتے ہیں
تسکین کے جو تھے سبب اُٹھے جاتے ہیں
اک قوت مذہبی عقیدوں سے تھی
وہ بھی تو دلوں سے اب اٹھے جاتے ہیں

اگر جیب میں زر نہیں تو راحت بھی نہیں،
بازو میں سکت نہیں تو عزت بھی نہیں
گر علم نہیں تو زور و زر ہے بیکار
مذہب جو نہیں تو آدمیت بھی نہیں

دنیا سے میل کی ضرورت ہی نہیں
مجھ کو اس کھیل کی ضرورت ہی نہیں
درپیش ہے منزل عدم اے اکبر
اس راہ میں ریل کی ضرورت ہی نہیں

توحید انکے دل میں محفوظ نہیں
اللہ کے ذکر سے یہ محظوظ نہیں
اس فرقہ کو میں نے دیکھا اکبر
اسلام ان کی نظر میں ملحوظ نہیں

تجھ کو بھی جہاں میں کچھ شرف ہے کہ نہیں
کوئی طاقت تری طرف ہے کہ نہیں

[۱] شہرت [۲] مقصود

داخل ہی نمازیوں میں یا فوج میں ہے
آخر تری بھی کوئی صنف ہے کہ نہیں

وہ رنگ کہاں تمہارے عاشق میں نہیں
الفت ثابت کرو عمل سے صاحب

اُلجھا ہوا اب وہ طرز سابق میں نہیں
واللہ کہ دخل میری منطق میں نہیں

اردو میں جو سب شریک ہونیکے نہیں
ممکن نہیں شیخ امراء القیس نہیں

اس ملک سے کام ٹھیک ہونیکے نہیں
پنڈت جی والمیک* اک ہو نیکے نہیں

کہا احباب نے یہ دفن کیوقت
لحد تک آپ کی تعظیم کردی

کہ ہم کیونکر وہاں کا حال جانیں
اب آگے آپ کے اعمال جانیں

دلکش نہیں وہ حسیں جسے شرم نہیں
سختی میں بھی ہو گداز طینت ہو جو صاف

رونق نہیں اسکی جس کا دل گرم نہیں
پگھلی ہی برف گو کہ وہ نرم نہیں

سمجھے جو کوئی بُرا یہ مضمون نہیں
ہر چند کہ یہ فقرے چبھتا ہے بہت

کوئی پہلو خلاف قانون نہیں
شیطان کا کوئی شخص ممنون نہیں

وہ غیرتیں وہ صبر وہ ایمان ہیں کہاں
اک غل مچا ہوا ہے کہ مسلم ہیں خستہ حال

حسن عمل کے دل میں وہ ارمان ہیں کہاں
پوچھے ذرا کوئی کہ مسلمان ہیں کہاں

الفت اور ادب نہیں تو انسان نہیں
جو غیر خدا کو مانتا ہو قادر

بے صبر و سکوں جو ہو تو ایمان نہیں
اکبر بخدا کہ وہ مسلمان نہیں

بیخود ہیں وہ جو دل سے ہیں اللہ کے خواہاں
آسودہ ہیں علم و ہنر و فن میں جو ہیں محو

ہیں مست نگاہ بت دل خواہ کے خواہاں
چکر میں ہیں بس جاہ کے اور شاہ کے خواہاں

ہو صبر و قناعت اک بڑی چیز اکبر
دنیا طلبی کے وعظ میں محو ہے تو

لذت ابھی اسکی تو نے چکھی ہے کہاں
یہ بھی تو ذرا سمجھ کہ رکھی ہے کہاں

مشکل سے یہ حالتیں سہی جاتی ہیں
تفصیل نہ پوچھ ہیں اشارے کافی

پھانسیں ہیں کہ قلب میں رہی جاتی ہیں
و نہیں یہ کہانیاں کہی جاتی ہیں

* سنسکرت کا ایک بڑا مصنف ۱۲

گردن خالق کے آگے جھکتی ہی نہیں
ہوتی نہیں انمیں کچھ بھی غیرت پیدا

اب تبری سے یہ قوم رُکتی ہی نہیں
اور بات اکبر کی ہے کہ چلتی ہی نہیں

چنیاں اک دوسرے کی وقت پر جڑتے بھی ہیں
ہندو و مسلم ہیں پھر بھی ایک اور کہتے ہیں سچ

ناگہاں غصہ جو آجاتا ہے لڑ پڑتے بھی ہیں
ہیں نظر آپس کی ہم ملتے بھی ہیں لڑتے بھی ہیں

اوروں کی کہی ہوئی جو دہراتے ہیں
خود سوچ کے حسب حال مضمون نکال

وہ فونوگراف کی طرح گاتے ہیں
انسان یو نہیں ترقیاں پاتے ہیں

کہنے سننے کی گرم بازاری ہے
ایسا سنئے کہ کہنے والا اُبھرے

مشکل ہے مگر اثر پڑے دلمیں
ایسی کہئے کہ بیٹھ جائے دلمیں

لفظوں کے چمن بھی اسمیں کھل جاتے ہیں
دل کو مطلق نہیں ترقی ہوتی،

بے ساختہ قافئے بھی مل جاتے ہیں
تعریف میں سر اگرچہ ہل جاتے ہیں

خاطر مضبوط دل توانا رکھو
ہو جائینگی مشکلیں تمھاری آساں

اُمید اچھی خیال اچھا رکھو
اکبر اللہ پر بھروسا رکھو

اعمال کے حسن سے سنورنا سیکھو
مرنے سے مفر نہیں ہے جب اے اکبر

اللہ سے نیک امید کرنا سیکھو
بہتر ہے یہی خوشی سے مرنا سیکھو

تہذیب وہ ہے کہ رنگ مذہب بھی ہو
تزئین وہ ہے کہ خاکساری بھی ہو ساتھ

آزاد وہ ہے کہ جو مؤدب بھی ہو
اسپیچ وہ ہے کہ اسمیں یارب بھی ہو

اللہ کا صدق دل سے جو طالب ہو
ہرگز نہ بڑھیں گے اُس سے نیچر کے مُرید

حیرت نہیں گر ملک کا ہم قالب ہو
ممکن نہیں جسم روح پر غالب ہو

بھولتا جاتا ہے یورپ آسمانی باپ کو
برق گر جائیگی اکدن اور اُڑ جائیگی بھاپ

بس خدا سمجھا ہے اسنے برق کو اور بھاپ کو
دیکھنا اکبر بچائے رکھنا اپنے آپ کو

اسلام ہی کو بس اپنی ملت سمجھو

بیگانہ روش میں اپنی ذلت سمجھو

جو اس کے خلاف رائے رکھتے اکبر
خاموش رہو سمجھ کی غفلت سمجھو
جس بات میں تم شکست ذلت سمجھو
اس میں شرکت کو اپنی ذلت سمجھو
جو بندۂ نفس ہو مخالف اس کا
قومی غیرت کی اسمیں ذلت سمجھو

کچھ منع نہیں ہر اک کی تحریر پڑھو
لیکن قرآن کی بھی تفسیر پڑھو
عظمت دنیا کی جب دبائے دل کو
خالق کا کرو خیال تکبیر پڑھو

حاصل کرو علم طبع کو تیز کرو
باتیں جو بری ہیں ان سے پرہیز کرو
قومی عزت ہو نیکیوں سے اکبر
اسمیں کیا ہے کہ نقل انگریز کرو

دنیائے دنی کی یہ ہوس جانے دو
گلچیں ہوا گر تو خار و خس جانے دو
مالک کے بغیر گھر کی رونق نہیں کچھ
اللہ کو اپنے دلمیں بس جانے دو

شیطان واعظ ہے پنبہ در گوش رہو
غالب ہو اسی کی بات خاموش رہو
بدلا پاتا ہوں مجلس دہر کا رنگ
مستی کی ہوس نہ ہو تو بیہوش رہو

کہتا ہوں میں ہندو و مسلماں سے یہی
اپنی اپنی روش پہ تم نیک رہو
لاٹھی ہے ہوائے دہر پانی بنجاؤ
موجوں کی طرح لڑو مگر ایک رہو

اے جد بزرگ کے تو آنسو پونچھو
تزئین کو ترک کرو زمینیں جوتو
کیا رٹتے ہو اپنی ہسٹری کو ہر وقت
اللہ مدد کرے گا ویسے ہو تو

شہوات کی پیروی کا منصوبہ نہ ہو
دولت تری خادم ہو محبوب نہ ہو
شہرت جو کمال سے ہو پیدا ہو جائے
لیکن بہ تکلفات مطلوب نہ ہو

لوگ کہتے ہیں جوش آتی ہے یہ حالت کبھی
من ترا حاجی بگویم تو مرا حاجی بگو
لیکن اخلاقی نظر میں اس سے تو بہتر ہے دو
من ترا پاجی بگویم تو مرا پاجی بگو

ہوتی ہے نصیب تلخ کامی تم کو
محسوس نہیں ہے اپنی خامی تم کو
اغیار نہیں بنا سکے تم کو غلام
ہے اپنی ہی نفس کی غلامی تم کو

کلیات اکبر

تدبیر کریں تو اس میں ناکامی ہو — تقدیر کا نام لیں تو بدنامی ہو

القصہ عجیب ضیق میں ہیں ہندی — یورپ کا خدا کہاں ہے جو حامی ہو

مغوی کو بھی بد نہ کہیئے ترغیب ہے یہ — اکس سے ہی میں کہوں کہ دل کی تخریب ہے یہ

شیطاں کو رجیم کہدیا تھا اک دن — اک شور مچا خلاف تہذیب ہے یہ

ہے عقل بشر بھی تابع حکم خدا — بیفائدہ سب ہیں بحث و تقریر ہے یہ

تدبیر کے باب میں ہے انکو شبہہ — کہدو اکبر کہ جزو تقدیر ہے یہ

مرد کو چاہیئے قائم رہے ایمان کیساتھ — تا دم مرگ رہے یاد خدا جان کیساتھ

میں نے مانا کہ تمھاری نہیں سنتا کوئی — سُر ملانا تمھیں کیا فرض ہے شیطان کیساتھ

مسکین گدا ہو یا شاہ ذیجاہ — بیماری و موت سے کہاں کسکو پناہ

آہی جاتا ہے زندگی میں اک وقت — کرنا پڑتا ہے سب کو اللہ اللہ

خوبی طاعت کی ہے مسلم اب بھی — عزت اسکی نہیں ہوئی کم اب بھی

خود بین و حریص و جنگ جو ہیں اگر — واقف کی نظر میں ہے مکرم اب بھی

رغبت جو دلائی وسعت مشرب کی — شامل اسمیں غرض تھی شباب سب کی

لیکن تبدیل وضع و نقل فاتح — ہے بعض کی بات اور اپنے ہی مطلب کی

مذہب ہے گم ترقی یورپ کے سامنے — مخفی در خاکسار بھی ہے اور خباب بھی

لیکن وہ آفتاب ہے اور یہ ہے مثل ابر — ابر غلیظ سے ہے نہاں آفتاب بھی

راحت کا سماں بندھا تو غفلت بھی ہوئی — حسرت کا کھنچا جو سین عبرت بھی ہوئی

دنیا میں جسے جو بخش آیا اکبر — بس اسکے مطابق اسکی حالت بھی ہوئی

تحصیل علوم کر کہ دولت ہے یہی — اخلاق درست کر کہ زینت ہے یہی

اکبر کی یہ بات یاد رکھ اے عشرت — محفوظ ہو معصیت سے عزت ہے یہی

تسبیح و دعا میں جسنے لذت پائی — اور ذکر خدا سے دل نے راحت پائی

یہ زینت دنیا ہے کہ مٹی پہ ہے چینی
گوش شنوا ہو تو سنو اسکے ترانے
بچوں کے سوا کون ہوا اسکا متمنی
اس بزم میں اکبر سا نہیں کوئی معنی

اس عہد میں یہی ہے بس داخل نکوئی
شوق عمل نہیں ہے فکر اجل نہیں ہے
مذہب پہ نکتہ چینی ملت کی عیب جوئی
ناصح بنے ہیں اکثر عابد نہیں ہے کوئی

منظور اے دل ہماری عرضی ہوگی
اس دور فنا میں ہوگی لیکن جب بات
اس وقت کہ جب خدا کی مرضی ہوگی
وہ صرف برائے نام و فرضی ہوگی

تاثیر ہوائے باغ ہستی نہ گئی
ہوتے ہی رہے جمال دلکش پیدا
صورت کی ادا نظر کی مستی نہ گئی
طبع انسان سے بت پرستی نہ گئی

سوچو کہ آگے چلکر قسمت میں کیا لکھا ہے
ہشیار رہ کے پڑھنا اس جال میں نہ پڑنا
دیکھو گھروں میں کیا تھا اور آج کیا رہا ہے
یورپ نے یہ کہا ہے یورپ نے یہ کہا ہے

رکتا نہیں انقلاب چارہ کیا ہے
تسکیں کیلئے گر ہے کافی یہ خیال
حیراں ہیں ملک بشر بچارا کیا ہے
جو کچھ ہے خدا کا ہے ہمارا کیا ہے

غنچہ رہتا ہے دل گرفتہ پہلے
کہتی ہے نسیم آ کے راز فطرت
رنگ چمن فنا سے گھبراتا ہے
سنتے ہی پیام دوست کھل جاتا ہے

ہنگامۂ شکر و شکوہ دنیا میں ہے گرم
کھلتا نہیں راز وہ ہے شکوہ ہے تو یہ
لیکن مرے دل سے یہ صدا آتی ہے
اور شکر یہ ہے کہ موت آ جاتی ہے

انسان یا ہے دلوں کو ملا سکے
ہم تو اسی کو علم سمجھتے ہیں کام کا
یا کوئی شے مفید خلائق بنا سکے
پڑھنے کو مستعد ہیں جو کوئی پڑھا سکے

تو نے دل و صبر سے ملا رکھا ہے
کیا خود زندہ ہے اپنی طاقت سے تو
قائم غفلت کا سلسلہ رکھا ہے
آخر کس نے تجھے جلا رکھا ہے

قرآں میں ہمیں خدا نے سمجھایا ہے
شیطاں نے فلسفے میں الجھایا ہے

قسمت اب دیکھنی ہی دلکی اکبر
معلوم نہیں کہ یہ کدھر آتا ہی

دنیا نے دین کو بھلا رکھا ہے
غفلت کی نیند میں سلا رکھا ہی
اس دور میں خوش نصیب وہ ہی اکبر
جس نے قرآن کو کھلا رکھا ہی

ہر حال میں بہر روح انسب وہ ہی
اللہ اور رسول کا بھی مطلب وہ ہی
قرآن کو غور سے پڑھو اور سمجھو
اکبر بخدا کہ جان مذہب وہ ہی

سنہ ۱۸۶۷ع

لکچر سے نہ ہی نہ کچھ خیالات سے ہی
تہذیب سے ہی نہ ترک عادات سے ہی
اکبر بخدا یہ کامیابی ساری
تقدیر سے اور اتفاقات سے ہی

دنیائے دنی محل آفات بھی ہی
فکر روزی مخل اوقات بھی ہی
طرہ پھر اس پہ یہ کہ مرنا بھی ضرور
جیتا رہی آدمی تو اک بات بھی ہی

انساں میں معتبر لیاقت بھی ہی
محبوب اس دور میں وجاہت بھی ہی
انداز سخن سے بھی ہی اندازۂ طبع
اک جزو قوی مگر شرافت بھی ہی

دولت وہ ہی جو عقل و محنت سے ملے
لذت وہ ہی کہ جوش صحت سے ملے
ایمان کا ہو نور دل میں وہ راحت ہی
عزت وہ ہی جو اپنی ملت سے ملے

آپس میں موافق رہو طاقت ہی تو یہ ہی
دیکھو نہ بھی عیب محبت ہے تو یہ ہے
صحت بھی ہو روزی بھی ہو دلکو بھی ہو تسکیں
دنیا میں بشر کے لیے نعمت ہی تو یہ ہے

حاسد تجھ پر اگر حسد کرتا ہے
کر صبر کہ خود وہ کار بد کرتا ہی
اپنی پستی کو کر رہا ہے محسوس
اور تیری بلندیوں سے کد کرتا ہی

انبساط نفس الگ ہی روح کا وجد الگ ہی
دشت وحشت اور ہی اور وادی نجد اور ہی
ہو جو باطن کی ترقی تجھ کو منظور نظر
یاد رکھ اکبر تکبر اور ہی مجد اور ہی

ارمان نہ شراب و بزم شاہد کا ہی
سامان نہ محافل و مساجد کا ہی

اکبر کو ہے انس کنج تنہائی سے
دھیان اسکو فقط خدائے واحد کا ہے

کچھ ننگ نہیں کہ خلق سے ملنا ضرور ہے
جو اس سے اختلاف کرے حق سے دور ہے
لیکن خدا کے واسطے خلق خدا سے مل
سمجھیگا اس کو وہ کہ جو اہل شعور ہے

انسان جو عمر ختم کر چکتا ہے
خوش ہو چکتا ہے آہ بھر چکتا ہے
فانی دنیا کا دیکھ لیتا ہے رنگ
زندہ جو رہا بھی وہ تو مر چکتا ہے

سنئے حکمت جو میری گفتار میں ہے
اک حد ادب ہر ایک سرکار میں ہے
پروانے نے شمع سے لپٹنا چاہا
پہلے تھا نور میں اور اب نار میں ہے

شیطان سے دل کو ربط ہو جاتا ہے
دشوار انسان کو ضبط ہو جاتا ہے
حد سے جو سوا ہو حرص یا خود بینی
اکثر ہے یہی کہ خبط ہو جاتا ہے

جسکو خدا سے شرم ہے وہ ہے بزرگ دیں
دنیا کی جس کو شرم ہے مرد شریف ہے
جسکو کسی کی شرم نہیں اسکو کیا کہوں
فطرت میں وہ ذلیل ہے دل کا کثیف ہے

اللہ کا حق اگر تلف ہوتا ہے
اسکے لئے کون سر بکف ہوتا ہے
دنیا طلبی میں ہے یہ ہنگامۂ شور
حاصل پھر اس سے کیا شرف ہوتا ہے

خلقت جو کہیں ذلیل ہو جاتی ہے
بے غیرت و بے دلیل ہو جاتی ہے
گو جسم میں ظاہرا توانائی ہو
اخلاق میں وہ علیل ہو جاتی ہے

دنیا کو بہت ذلیل پایا میں نے
بے غیرت و بے دلیل پایا میں نے
اخلاقی پہلوؤں سے جانچا اکبر
شدت سے اُسے علیل پایا میں نے

افسوس سفید ہو گئے بال ترے
لیکن ہیں سیاہ اب بھی اعمال ترے
تو زلف بتاں بنا ہوا ہے اب تک
دنیا پہ ہنوز پڑتے ہیں جال ترے

ہیں وعدۂ خالق دو عالم سچے
قرآن سچا رسول اکرم سچے
اے منکر دیں قیامت آنی ہے ضرور
کہدینگے وہاں کہ دیکھ لے ہم سچے

لہ یہ صیغۂ جمع چاہیئے۔

جب واقعات اصلی پیش نظر نہ آئے
الفاظ نے سنور کر اپنے قدم جمائے

ایسے بھی ہیں خلق جنکو فرعون کہیے
ہیں نام بنام مٹتے کہتا اکبر

ہر چند کہ کوٹ بھی ہے پتلون بھی ہے
لیکن یہ میں تجھ سے پوچھتا ہوں ہندی

دولت بھی ہے فلسفہ بھی ہے جاہ بھی ہے
سب قطع نظر ہے مشکل لیکن

مذہب کی کہوں تو دل لگی میں اڑ جائے
باقی مسٹر قوم میں ابھی ہے کچھ ہوش

اعلیٰ مقصود چاہیے پیش نظر
فرہاد پہاڑ پر عمل کرتا تھا

مذہب قانون و قوم کا بانی ہے
توہین اک دوسرے کی کرتے ہیں جو لوگ

ہمدرد ہوں سب یہ لطف آبادی ہے
تسکین ہے جب کہ ہو خدا پر تکیہ

آگاہ ہوں معنی خوش اقبالی سے
شرطیں عزت کی اور ہیں اے اکبر

ایمان حواس و حق پرستی کیا ہے
لاریب سب ہے ایک ہستی کا ظہور

جینا تھا جس قدر ہمیں دنیا میں جی لیے

شاعر نے کلام رکھا تحسین و آفریں سے
نیچر نے کی گذارش جنت ہو نہیں نہیں سے

ایسے بھی ہیں شخص محمد و عون کہے
نازک ہے مگر معاملہ کون کہے

بنگلہ بھی ہے باٹ بھی ہے صابون بھی ہے
یورپ کا تری رگوں میں کچھ خون بھی ہے

لطف حسن بتاں دل خواہ بھی ہے
اتنا تو سمجھے رہو کہ اللہ بھی ہے

مطلب کی کہوں تو پالسی میں اڑ جائے
غالب ہے کہ یہ بھی اس صدی میں اڑ جائے

کوشش تری گو ہو لطف ذاتی کیلئے
شیریں کیلئے کہ ناشپاتی کیلئے

خالص طاعت عروج روحانی ہے
یہ جہل ہے یا ہوائے نفسانی ہے

ہمسایہ بھی ہو شریک تب شادی ہے
قانون بنا سکیں تب آزادی ہے

واقف ہوں بنائے رتبۂ عالی سے
چلتا نہیں کام صرف نقالی سے

غفلت و کفر و جوش مستی کیا ہے
یہ مجھ سے نہ پوچھ پھر وہ ہستی کیا ہے

ساغر کسی طرح سے ملے اور پی لیے

غم بھی رہا خوشی بھی تحسّر بھی فکر بھی

جاتے ہیں اب کہ آئے تھے ہم بس اسی لئے

طاقت وہ ہے با اثر جو سلطانی ہے
تعلیم وہ خوب ہے جو سکھلائے ہنر

اُس جا ہے چمک جہاں زرافشانی ہے
اچھی ہے وہ تربیت جو روحانی ہے

انسان چاہیے جو بات اچھی چاہے
شیطان سے وہ فلاسفی ہے منسوب

بدیوں سے محترز ہو۔ نیکی چاہے
جس کا مطلب ہے۔ کہ وہ جو جی چاہے

پاکیزگیٔ نفس کی دشمن مے ہے
شیطان کی ہے پرائیوٹ سکریٹری

انساں کو خراب کرنیوالی شے ہے
مسلم اور اس کو منہ لگائے ہے ہے

یہ دربار ہے خالق دوجہاں کا
نہ سمجھو کہ حاضر نہیں حق تعالےٰ

ادب اپنا سکہ بٹھائے ہوئے ہے
یہ عالم خود آنکھیں جھکائے ہوئے ہے

اوہام کے ہاتھ سے نہ ایذا سہیے
ہے پیش نگاہ جلوۂ ارض و سما

بندوں کو نہیں خدا کے ہو کر رہیے
سبحان اللہ جوشِ دل سے کہیے

چیخے۔ چلائے۔ کودے۔ اُچھلے ٹہلے
حالت تو وہی ہے بلکہ اُس سے بدتر

پھر گر کے وہیں ہیں جہاں تھے پہلے
یوں منہ سے جو جس کے دل میں آئے کہہ لے

غلط فہمی بہت ہے عالم الفاظ میں اکبر
یہ روشن ہے کہ پروانہ ہے اسکا عاشق صادق

بڑی مایوسیوں کے ساتھ اکثر کام چلتا ہے
مگر کہتی ہے خلقت شمع سے پروانہ جلتا ہے

تعلیم بھی پائی سب کے پیارے بھی ہوئے
لیکن جو یہ نور طبع پایا نہ گیا

دنیا کو بھی خوش کیا ہمارے بھی ہوئے
پھر کیا تم عرش کے جو تارے بھی ہوئے

پیسز یعنی قطعات

جلوۂ دربار دہلی

سر میں شوق کا سودا دیکھا
دہلی کو ہم نے بھی جا دیکھا
جو کچھ دیکھا اچھا دیکھا
کیا بتلائیں کیا کیا دیکھا

نظم ہے مجکو بادہ صافی
شغل یہی ہے دل کو کافی
مانگتا ہوں یاروں سے معافی
خیر اب دیکھئے لطف قوافی

جمنا جی کے پاٹ کو دیکھا
اچھے ستھرے گھاٹ کو دیکھا
سب سے اونچے لاٹ کو دیکھا
حضرت ڈیوک کناٹ کو دیکھا

پلٹن اور رسالے دیکھے
گورے دیکھے کالے دیکھے
سنگینیں اور بھالے دیکھے
بینڈ بجانے والے دیکھے

خیموں کا اک جنگل دیکھا
اس جنگل میں منگل دیکھا
برہما اور ونگل دیکھا
عزت خواہوں کا دنگل دیکھا

سڑکیں تھیں ہر کمپ سے جاری
پانی تھا ہر پمپ سے جاری
نور کی موجیں لیمپ سے جاری
تیزی تھی ہر جمپ سے جاری

کچھ چہروں پر مردی دیکھی
کچھ چہروں پر زردی دیکھی
اچھی خاصی سردی دیکھی
دل نے جو حالت کر دی دیکھی

ڈالی میں نارنگی دیکھی
محفل میں سارنگی دیکھی
بے رنگی بارنگی دیکھی
دہر کی رنگا رنگی دیکھی

اچھے اچھوں کو بھٹکا دیکھا
منہ کو اگرچہ لٹکا دیکھا
بھیڑ میں کھاتے جھٹکا دیکھا
دل دربار سے اٹکا دیکھا

ہاتھی دیکھے بھاری بھرکم
زریں جھولیں نور کا عالم
ان کا چلنا کم کم تھم تھم
میلوں تک وہ چھم چھم چھم چھم

پر تھا پہلوئے مسجد جامع
کوئی نہیں تھا کسی کا سامع
روشنیاں تھیں ہر سو لامع
رکے سب تھے دید کے طامع

سرخی سڑک پر کٹتی دیکھی
آتشبازی چھٹتی دیکھی
سانس بھی بھیڑ میں گھٹتی دیکھی
لطف کی دولت لٹتی دیکھی

چوکی اک چوکھی دیکھی
ہر سو نعمت رکھی دیکھی
خوب ہی چکھی پکھی دیکھی
شہد اور دودھ کی مکھی دیکھی

ایک کا حصہ من و سلوا
ایک کا حصہ بھیڑ اور بلوا
ایک کا حصہ تھوڑا حلوا
میرا حصہ دور کا جلوا

اوج برٹش راج کا دیکھا
رنگ زمانہ آج کا دیکھا
پرتو تخت و تاج کا دیکھا
رخ کرزن مہراج کا دیکھا

پہونچے پھاند کے سات سمندر
حکمت و دانش ان کے اندر
تخت میں ان کے بیسیوں بندر
اپنی جگہ ہر ایک سکندر

اوج بخت ملاقی ان کا
محفل ان کی ساقی ان کا
چرخ ہفت طباقی ان کا
آنکھیں میری باقی ان کا

ہم تو ان کے خیر طلب ہیں
ان کے راج کے عمدہ ڈھب ہیں
ہم کیا ایسے ہی سب کے سب ہیں
سب سامان عیش و طرب ہیں

اگزبیشن کی شان انوکھی
ہر شے عمدہ ہر شے چوکھی

اقلیدس کی ناپی جو کبھی
من بھر سونے کی لاگت سو لکھی

جشنِ عظیم اس سال ہوا ہے
روشن ہر اک ہال ہوا ہے

شاہی فورٹ میں بال ہوا ہے
قصۂ ماضی حال ہوا ہے

ہے مشہور کوچہ و برزن
طائر ہوش تھے سب کے پرزن

ہال میں ناچیں لیڈی کرزن
رشک سے دیکھ رہی تھی ہر زن

ہال میں چمکیں آکے یکایک
محو تھا ان کا اوج سما تک

زریں تھی پوشاک جھکا جھک
چرخ پہ زہرہ ان کی تھی گاہک

گو رقاصۂ اوج فلک تھی
اندر کی محفل کی جھلک تھی

اس میں کہاں یہ نوک پلک تھی
بزم عشرت صبح تلک تھی

کی ہے بندش ذہن رسا نے
سنتے ہیں ہم تو یہ افسانے

کوئی مانے خواہ نہ مانے
جس نے دیکھا ہو وہ جانے

خدا جانے کہا کس نے یہ کس دن عقل مسلم سے
کہ مشرق کو نظر آتا نہیں مغرب سے چھٹکارا

گئی دنیا تو پھر ہم دین کو اب کیوں لگا رکھیں
برا معلوم ہوتا ہے مسائل کا یہ پشتارا

مضر ہیں مذہبی قیدیں مناسب ہے شکست ان کی
مزاحم ہیں مگر یہ مولوی ان کا نہیں چارا

نہ چھیڑے دیجیے اُن کو حکیمانہ طریقوں سے
کہ بجھ کر راکھ ہی ہو جائے مذہب کا یہ انگارا

چلے مقراض تدبیر ایسے پیچیدہ طریقوں سے
کہ جڑ کٹ جائے مذہب کی یہ گھر ہو منہدم سارا

عمل جاتا رہے بالکل فقط الفاظ رہ جائیں
اُنھیں بھی پست کر دے مغربی حکمت کا نقارا

ترقی پائیگی قوم آپ کی پھر دور گردوں میں
عجب کیا ہے کہ پھر بہنے لگے اقبال کا دھارا

قیامت کر گئی قومی ترقی گوشِ مسلم میں
لگا کہنے زہے نعمت اگر حاصل شود مارا

اگر آں شاہدِ مغرب بدست آرد دل مارا
بچشم مست او بخشیم تسبیح و مصلیٰ را

مصلے کو غرض تہ کر کے اُٹھا عابدِ مشرق
جو طاقت آ گئی تھی دل میں اس طاقت سے للکارا

ادھر تحریر ادھر اسپیچ ادھر سازش ادھر بش
اسے جھڑکا اسے ڈانٹا اسے گانٹھا اسے مارا

نتائج پر نظر کب مرد عاشق تن کی ہوتی ہے
وہ سمجھے ہیں نئی اک قوم کا بنجاؤں گا دارا

دوروزہ پالیسی نے اسطرف سے تقویت دیدی
ادھر بجنے لگا فتح و ظفر کا پھر تو نقارا

ڈنر، عہد سے، تبسم، مثنوی وعدے بنے گیسو
وہ گیسو جس سے پھیلی بوئے مست عنبر سارا

حواس ظاہری کے دام سے بچنا ہوا مشکل
کجا موہوم حوریں اور کجا پریوں کا نظارا

وہ ٹوٹے یہ گرے وہ پھسلے یہ چت انکو غش آیا
نہ ایماں میں رہی طاقت نہ دلمیں ضبط کا یارا

حریفان طرب آگیں نے چھیڑا ساز عشرت کو
بجایا سب نے مضراب ہوس سے وار دا دارا

بتوں کے عشق میں پڑتی پڑے تھے عقل پر پتھر
مسوں کا بے تکلف چڑھ گیا ہر قلب پر پارا

غریبوں، دردمندوں، بیکسوں کے دل کی کیا ہستی
وہ حالت پیش آئی تھی کہ جس سے موم ہو خارا

نہ حالی کی مناجاتوں کی پروا کی زمانے نے
نہ اکبر کی ظرافت سے رکے یاران خود آرا

زبان حال سے فریاد تھی یہ اہل کیں کی
کہ اے نظم جہاں را حافظ و اے عرش را دارا

فغان زیں سحر فن دلکش مسان آفت ایماں
چناں بردند صبر از دل کہ ترکاں خوان یغما را

ہوا سب کو تعجب کیوں ہوئیں یہ حالتیں پیدا
نہ تھا یہ مطلب سید کہ اس رخ پر چلے دھارا

وہ پردے کے بڑے حامی تھے طاعت کے مؤید تھے
وہ خواہاں تھے کہ چمکے اوج پر اسلام کا تارا

حباب آسا جو آسانی سے ٹوٹا گنبد مذہب
تو کیا اقبال و عزت کا ادھر بہنے لگا دھارا

مناسب کچھ مکرر دیکھا جو بالآخر تو کیا دیکھا
وہی اینٹیں وہی پتھر وہی چونا وہی گارا

ادھر شیرازۂ قومی کو ہم ہیں توڑتے جاتے
اُدھر بازی حریفوں کی ہے ہاتھ اُنکے ہے پوبارا

نتیجے ہمنے خود آنکھوں سے دیکھے روز روشن میں
فلک نے سرکشوں کو خاک ناکامی پہ دے مارا

کہیں تحقیر مذہب کی کوئی تعظیم کرتا ہے
بجھا کر نور دل کو کب ہے چمکا بخت کا تارا

بہت ہے غفلت و ترک عمل دنیا میں یہ مانا
عقیدہ اصل ہے لیکن وہ ہونا چاہیئے پیارا

مدار خیر خواہی ترک مذہب پر نہیں ہرگز
ہر اک نے دل سے انگلش کی ہے لاملٹی[1] کا دم مارا

[1] خیر خواہی ۱۲

نہ تھا یہ مطلب سارا کہ اسمٰعیل کا نسخہ ہو — حریفاں نہ ہو انداز مطلب تھا یہی سارا
جب اپنی ہسٹری ہم بھول جائیں گے تو کیا ہوگا — ندا آئی اک نظارا سین کا کر لے تو نظارا
صلوٰۃ بے وضو سے بدتر ہی ہے اسراف مسجد — ادھر قرآن بے رغبت ہے دل مذہب کا سیپارا
مشینیں چل رہی ہیں اور کسی کی کچھ نہیں چلتی — ادھر ہیں بی جھیلے کند ہو ادھر ہے برق و شر آرا
خود اپنی قوم کی تحقیر کرنا اس کے کیا معنی — یہ کس جادو نے بچوں کو کیا خود بین و خود آرا
کہیں اطفال ناداں ہیں کہیں پیران بے طاقت — یہ غوطے کھاتے ہیں فقرے میں آتا ہے وہ بیچارا
یہ اخلاقی یہ روحانی بنائیں ٹوٹتی کیوں ہیں — یہ نفس مطمئنہ پر ہوا کیوں غالب امارا
یہ کس کل کے بنیں گے جزو کھو کر اپنی ملت کو — مگر ہاں اپنے بیالوں میں ملا لے کوئی بنجارا
ہمارے حکمراں تو چرچ میں سرگرم طاعت ہیں — تو ہم مسجد سے پھریں کیوں دشت بیدینی میں آوارا
عمل مطلوب ہے بیشک مگر نور اپنا کیوں کھوئیں — زمانے کو ہے گردش ہم نہیں ثابت سے سیارا
ہو الاول ہو الآخر یہ شہد روح پرور ہے — پھر آزاد ہو کر یہ ہے بالو کا تسکر پارا
بٹھایا کیوں نہیں جاتا یہ نقش جانفزا دل پر — کہ روحانی ترقی میں ہو لڑکا عرش کا تارا
بہت فکر اسکی ہے دن رات گو قومی بزرگوں کو — مگر کمزور یہ موجیں ادھر غفلت کا ہے دھارا
میں یہ پیچیدہ بحثیں پیش کرنے کو تھا آمادہ — کہ اتنے میں جناب حضرت حافظ نے للکارا

حدیث از مطرب و مے گو و راز دہر کمتر جو
کہ کس نکشود و نکشاید بحکمت ایں معما را

قدیم وضع پر قائم رہوں اگر اکبر — تو صاف کہتے ہیں سید یہ رنگ ہے میلا
جدید طرز اگر اختیار کرتا ہوں — خود اپنی قوم مچاتی ہے شور واویلا
جو اعتدال کی کہئے تو وہ ادھر نہ ادھر — زیادہ حد سے دئے سب نے پاؤں ہیں پھیلا
ادھر یہ ضد ہے کہ لمینڈ بھی چھو نہیں سکتے — ادھر یہ دھن ہے کہ ساقی صراحی مے لا
ادھر ہے دفتر تدبیر و مصلحت ناپاک — ادھر ہے وحی ولایت کی ڈاک کا تھیلا

غرض دوگونہ عذاب است جان مجنوں را
بلائے صحبت لیلیٰ و فرقت لیلیٰ

یہ تسبیح و تکبیر و حمد و دعا — ہے نور دل بندگان خدا
یہ پلٹن کے گورے ہر اتوار کو — سجاتے ہیں گرجا کے دربار کو
اگر یہ کہوں ہیں وہ بالکل وحوش — تو دیکھو کہ عابد ہیں حضرت لیٹوش
جب ایڈورڈ ہفتم ہوئے تھے علیل — تو کی قوم نے یاد رب جلیل
کمی کی نہ اسٹیٹ نے خرچ میں — دعائیں ہوئیں دھوم سے چرچ میں
وہ جنرل کہ دیتی تھی جن سے زمیں — ہیں گرجا میں راکع مع الراکعیں
ہوئے جنگ سے زار اندیشہ ناک — گرے سجدے میں مثل اہل پاک

سر بادشاہان گردن فراز
بدرگاہ او برزمین نیاز

ہمنشیں کہتا ہے کچھ پروا نہیں مذہب گیا — میں یہ کہتا ہوں کہ بھائی یہ گیا تو سب گیا
نیشنل فیلنگ تو ہم میں کبھی تھی ہی نہیں — اتحاد دیں فقط باقی رہا تھا اب گیا
ہے عقیدوں کا اثر اخلاق انساں پر ضرور — اس جگہ کیا خیر ہو گی وہ اثر جب دب گیا
پیٹ میں کھانا زباں پر کچھ مسائل ناتمام — قوم سے معنی نکل گئے اور روح کا مطلب گیا
منقلب ہوتے ہیں پیہم یہ الف اے کے کورس — کورس بھی رخصت ہوا اس کا زمانہ جب گیا
اتحاد معنوی اُن میں برائے نام ہے — دیکھئے ہو اک گروہ اک راہ ہو کر کب گیا
بعد ازیں کیا حشر ہو گا یہ تو سوچو دوستو — جو اُٹھا ہے سر ہلاک ملت و مشرب گیا
اس سے نفرت انکو ایسی مستقل تازی زباں — حیف اِس مسلم سے خیال معنی و معرب گیا
مجلس دنیا میں کس صنعت سے ہوں گے مستحق — دور ہوا اولاد سے اور پر تو یارب گیا
ذاری کے باب میں وہ پالیسی اتمام نہیں — ہوش میں آ کر دو رنگ دو رنگ شب گیا

ہم بھی کہتے ہیں صاحب سچ لو انجام کار
دوسرا پھر کیا کہ کہا مذہب اگر مذہب گیا

الغرض جیسی کو لذت ہے جو بیاد کر لئے متفاعلن
احباب نے تیر مطاعن سے اُنکے دل کو مجروح کیا
ایسا اٹکے ہے کہ کشتی مری اللہ ہی کی ڈوبی اور شب
اس لڑکے کی صحبت بد پا کر یہ کار ابن نوح کیا
تعلیم کو میں نے بھیجا تھا نہ سچ کی اسنے پھر اک
مجروح تو ہونا بھول گیا بس اپنے تئیں مذبوح کیا
لڑکے نے جواب میں عرض کیا از قبلہ و کعبہ سنیئے تو
یہ کون بڑائی میں نے کی جو فاتح کو مفتوح کیا

مسان خود فروش آخر فرستادند ایں ملہا
طلب کردند زر چنداں کہ خوں افتاد در دلہا
نشاط طبع برہم شد شکست آں رنگ محفلہا
الا یا ایہا الساقی ادر کاساً و ناولہا
کہ عشق آساں نمود اول ولے افتاد مشکلہا

ادھر ہے علم دیں ہی نور ایماں قلب سے زائل
ادھر کالج کا بیڑا پار کرنے پر ہے دل مائل
ادھر ہے نوکری دشوار چکر میں ہے ہر سائل
شب تاریک و بیم موج و گردابے چنیں ہائل
کجا دانند حال ما سبکساران ساحلہا

نہ قید شرع باقی ہے نہ آزادی کی ہے کچھ حد
نہیں کچھ گفتگو اس باب میں یہ نکتہ ہے باید
بزرگوں کا بھی فتویٰ ہے کہ پڑھ قانون سر سید[1]
بمے سجادہ رنگیں کن گرت پیر مغاں گوید
کہ سالک بے خبر نبود ز راہ و رسم منزلہا

کہاں کی بیش بینی جب طبیعت ہی نہ تھی حاضر
مشیر دیر سمجھے دلچسپ تھی نزہت کافر
نہ تھا کچھ پاس ایماں دل کی تھی پامال خاطر
ہمہ کارم ز خود کامی بہ بدنامی کشید آخر
نہاں کے ماند آں رازے کزو سازند محفلہا

جو ہونا چاہتا ہے بدر بن جا ماہ نو حافظ
نہ کر آرام رہ راہ طلب میں تیز رو حافظ
لگائے رہ اسی سے رات دن تو اپنی لو حافظ
حضوری گر ہمی خواہی ازو غافل مشو حافظ
متی ما تلق من تہوی دع الدنیا و اہملہا

اگرچہ لفظ خدا ہے جیسیوں مفہوم کا
اور اذاں جائے مرا دشت ہے یہ نامعلوم کو

[1] اگرچہ اختلاف حرکت قافیہ اساتذہ کے یہاں ہے مگر یہاں پر سرسید سے قافیہ نہیں ملا سکتا ۱۲

سب کا حصہ قوت و حالت کے لائق ہے یہاں | بس یہی مطلب تو ہے اے مہرباں مقسوم کا

پیر و مرشد نے کیا قوم میں بچپن پیدا
وہ یہ سمجھے تھے کہ ہو جائیگا جوبن پیدا

وہ تو پیدا نہوا ہاتھ سے لڑکوں کے مگر
ہو چلے دین کی دیوار میں روزن پیدا

پستی قوم کے جب آ گئے دن اے اکبر
اونچے درجوں میں ہوئے عقل کے دشمن پیدا

دین کیا چیز ہے شیرازہ قومی ہے فقط
جس سے ملت کی ہوا اک صورت احسن پیدا

آج ہوتا نہیں اس کا عزر انکو محسوس
ہو رہے ہیں ابھی کچھ لالہ و سوسن پیدا

بالیقیں آئیگا اس باغ پہ ایسا اک وقت
کہ چلیں گی روشیں نشتر و سوزن پیدا

صورت برگ خزاں دیدہ بکھرینگے اڑتے
نہ بہار آئیگی پھر ہوگا نہ گلشن پیدا

باپ کے خون سے ہوگی جو حمیت زائل
ہونگے اطفال بھی بے غیرت و کودن پیدا

کاہ کیطرح سے اڑ جائیں گے دینی اعمال
اختلافات کے ہو جائینگے خرمن پیدا

ظلمت جہل سے گھر جائینگے دل کے اطراف
سینوں میں ہو نہ سکیں گے دل روشن پیدا

کون کہتا ہے کہ انگلش کا نہو دل سے مطیع
کون کہتا ہے نہ کر الفت ولسن پیدا

کون کہتا ہے تکلف سے نکر زیست بسر
کون کہتا ہے نہ کر وضع میں جوبن پیدا

کون کہتا ہے کہ تو علم نہ پڑھ عقل نہ سیکھ
کون کہتا ہے نہ کر حسرت لندن پیدا

بس یہ کہتا ہوں کہ ملت کے معانی کو نہ بھول
راہ قومی کا تو خود ہی نہ ہو رہزن پیدا

قوم قوم آٹھ پہر سنتے ہیں ہم قوم کہاں
تار باقی نہیں تو کرتا ہے دامن پیدا

مذہبی شاخ فقط ہے تری قومی ہستی
یہ جو ٹوٹی تو نہیں کوئی نشیمن پیدا

کچھ فکر نہ انہیں فیشن کہ بنالیں لڑکے
فطرتی طور پہ خود ہوتی ہے فیشن پیدا

سلف رسکیٹ کا پھر یاد رہیگا نہ سبق
پھر نہیں ہونے کی یہ بحث و ذہن پیدا

بزم تہذیب سے ہو جائینگے قطعاً خارج
حس ہی باقی نہ رہیگا کہ ہو شیون پیدا

بیشک نئی روشنی سے بہتر ہے کہیں | انسان کے لئے کرسچین ہو جانا

یزداں کا خیال تو دلاتا ہے دو دین
سب کفر ہے تجھ اہرمن ہو جانا

مرشد کہتے ہیں تو ہی نادان ایدوست
بات اور ہے صاحب سخن ہو جانا

میری چالیں کلی ہیں اسی کی تمہید
سکھلاتے ہیں پہلے سید من ہوجانا

ساکت کردیگی ان کو حب بے علمی
آسان ہوگا ادھر وطن ہو جانا

سنہ ۱۸۹۶ء

سید سے آج حضرت واعظ نے یہ کہا
چرچا ہے جا بجا ترے حال تباہ کا

سمجھا ہے تو نے نیچر و تدبیر کو خدا
دل میں ذرا اثر نہ رہا لا الٰہ کا

ہے تجھ سے ترک صوم و صلوٰۃ و زکوٰۃ و حج
کچھ ڈر نہیں جناب رسالت پناہ کا

شیطان نے دکھا کے جمال عروس دہر
بندہ بنا دیا ہے تجھے حب جاہ کا

اُسنے دیا جواب کہ مذہب ہو یا رواج
راحت میں جو مخل ہو وہ کانٹا ہے راہ کا

افسوس ہے کہ آپ ہیں دنیا سے بیخبر
کیا جانیے جو رنگ ہے شام و پگاہ کا

یورپ کا پیش آئے اگر آپ کو سفر
گذرے نظر سے حال رعایا و شاہ کا

وہ آب و تاب و شوکت ایوان خسروی
وہ محکموں کی شان وہ جلوہ سپاہ کا

آئے نظر علوم جدیدہ کی روشنی
جس سے خجل ہو نور رخ مہر و ماہ کا

دعوت کسی امیر کے گھر میں ہو آپ کی
کمسن مسوں سے ذکر ہو الفت کا چاہ کا

نوخیز دلفریب گل اندام نازنیں
عارض پہ جنکے بار ہو دامن نگاہ کا

بیٹھے اگر تو ہنس کے کہے اک بت حسیں
دل مولوی یہ بات نہیں ہے گناہ کا

اس وقت قبلہ جھک کے کروں آپ کو سلام
پھر نام بھی حضور جو لیں خانقاہ کا

پتلون و کوٹ و بنگلہ و بسکٹ کی دھن بندھے
سودا جناب کو بھی ہو ٹرکی کلاہ کا

ممبر یوں تو بیٹھ کے گوشے میں اے جناب
سب جانتے ہیں وعظ ثواب و گناہ کا

گرمی بحث میں آنرز نے یہ اکبر سے کہا
کرو احمد مرسل پہ تو قائم نہ رہا

رہ گئی ہے فقط اوہام پرستی تجھ میں
بادۂ جہل کی بس آگئی مستی تجھ میں

نہ مقاصد میں بلندی نہ خیالات صحیح
بحرِ عصیان و تعصب میں تو ڈوبا ہے صریح

سخت ناعاقبت اندیش ہیں شیخ و ملّا
قوم برباد ہوئی جاتی ہے کھلم کھلا

کہا اکبر نے یہ الزام ہے بے شبہ درست
تو ہی مجھ سے بھی زیادہ مگر اس راہ میں سست

کبر و تزئین و تجمل سے تجھے ہے بس کام
دل میں انکار ہے اور لب پہ ہے نامِ اسلام

طاعتِ حق کی ترے قافلے میں گرد نہیں
نفس سرد نہیں ہے دلِ پُر درد نہیں

ہم اگر پختگی سے جاتے ہیں خامی کی طرف
ترا میلان ہے الحاد و غلامی کی طرف

تو بھی اس رنگ سے محروم ہی ہم بھی محروم
صادق آتا ہے یہی قول شہید مرحوم

اے صبا مایۂ سودا نہ تو داری و نہ من
بوئے آں زلفِ چلیپا نہ تو داری و نہ من

نامہ بنام اودھ پنچ ۱۸۷۷ء

اے گوہرِ مخزنِ ظرافت
وے جوہرِ معدنِ لطافت

سرمایۂ انبساطِ ناظر
تسکینِ دل و نشاطِ خاطر

دیباچۂ دفترِ فصاحت
عنوانِ صحیفۂ بلاغت

خلاقِ معانیِ طرب خیز
کشّافِ رموزِ عشرت انگیز

ہادیِ ادب و دانش آموز
گوہر افشان و گوہر اندوز

زینت دہ شاہدِ تکلم
آئینۂ خندہ و تبسم

سرچشمۂ قول و وعظ و گفتار
گنجینۂ وعظ و پند و اسرار

اے فخر دہِ زبانِ اردو
وے اوج دہِ نشانِ اردو

رنگینی میں غیرتِ گلستاں
شوخی میں حریفِ برقِ تاباں

کیا خوب ہے نسخۂ اودھ پنچ
محبوب ہے نسخۂ اودھ پنچ

دن رات یہی ہیں اب تو چرچے
ہر جا ہیں یہی دل کو ایسے پرچے

ہے خلق خدا قتیل اس کی
حاسد کا حسد دلیل اس کی

معقول مزاح ہے تو یہ ہے
شرعاً جو مباح ہے تو یہ ہے

ہر چند کہ زہر بیشتر ہے
گو نشتر طعن نیشتر ہے

لیکن وہ قند میں گھلا ہے
یہ آب حیات میں دُھلا ہے

وہ شربت حفظ عقل و ایماں
یہ مردہ دلوں کو ہو رگ جاں

بگڑے ہوئے بن گئے منشی ہیں
حکمت ہو تو ایسی دل لگی میں

ہر کس کہ بدید گفت خوب است
باشد مفرح القلوب است

رندو کی زباں میں پند دلخواہ
سبحان اللہ واہ وا واہ

ہر چند کہ طرز ہیچ لندن
بے شبہ ہو دل پسند و پُرفن

لیکن وہ نقش اولیں ہے
نسبت اس سے اُسے نہیں ہے

ماشاء اللہ یہ نقش ثانی
بہتر ہے بصورت و معانی

وہ پیر معمر و کہن سال
یہ نیر سے نونہال اقبال

وہ اک گل صد بہار دیدہ
یہ غنچۂ تازہ نو دمیدہ

مولود ستیہ مریم طبع
عیسیٰ دم و گوہر قم طبع

لطف شام اودھ ہو اس سے
روشن نام اودھ ہو اس سے

اک نور ہے نہر لکھنؤ کا
اختر ہے سپہر لکھنؤ کا

وہ سرد برنگ آتش گل
یہ گرم بسان آہ بلبل

بحث مضمون میں وہ اگر ہیچ
یہ حل نکات میں تو سرپیچ

واں بازوئے قاسمت بغداد
یہاں خامۂ تیز و حسن زاد

کیسا حسن نامۂ زبان سنجی
کیا ذکر زباں تو جان معنی

اٹھنے میں نگاہِ چشم جادو — چلنے میں حریفِ تیغِ ابرو
مفتاحِ خزینۂ تصوّر — نقاشِ نگینۂ تصوّر
کہنا اسے شمع کب روا ہے — اوصاف میں شمع سے سوا ہے
وہ چہرہ نمائے بزمِ صورت — یہ پردہ برافگنِ حقیقت
ہر چند کہ سرمہ در گلو ہے — تاہم سرگرمِ گفتگو ہے
رعنا و لطیف و شوخ و بیباک — سرگرم و حریف و چست و چالاک
مشاطۂ شاہدِ معانی — بانیِ بنائے خوش بیانی
پیچیدگیوں میں حرف زن ہے — شانہ کشِ گیسوئے سخن ہے
آزادی کا فخر اسے اگر ہے — یہاں فخر اس سے زیادہ تر ہے
یعنی کہ وہ مطلق العناں ہے — بے قید ہر ایک سو رواں ہے
واں طبع کو زور لاتخف ہے — دقّت تو جو ہے وہ اسطرف ہے
زنجیرِ خرد کی پائے بندی — با قاعدہ شرحِ دردمندی
تارِ نظرِ حسود و بداندیش — ہر گام یہ مثلِ دام درپیش
کوتہ نظراں پست فطرت — سرگرمِ شرارت و عداوت
واں شاخِ شجر یہ ہے ترانہ — یاں دیدۂ دامِ آشیانہ
کیونکر نہ ہوا دعائے اعجاز — کھولے ہیں قفس میں بال پرواز
کی سیر دو عالم اک نفس میں — پھر دیکھیے تو اسی قفس میں
دریا قطرے میں موجزن ہے — غنچے میں بہارِ صد چمن ہے
ہے نوکِ سناں پہ نقشِ پرواز — رقصاں دمِ تیغ پر بصد ناز
شعلوں کے ہجوم میں سمندر — امواج میں ماہی تو ہی پر
کیا کثرتِ خار سے خطر ہے — یاں دوشِ نسیم پر سفر ہے

پابندی کا کب ہو بیاں تاسف
یوسف زنداں میں بھی ہے یوسف

جلوہ ہے وہی وہی تجلی
شوکت ہے وہی وہی تسلی

پابند جو یوسف سخن ہے
پھیلی ہوئی بوئے پیرہن ہے

ہر رنگ میں ہے بہار معنی
ہر لفظ ہے پردہ دار معنی

ہر نقطہ ہے نکتۂ بصیرت
ہر حرف ہے کاشف حقیقت

صرصر کے جور سے بری ہے
یہ شاخ خزاں میں بھی ہری ہے

وہ مہر فلک سے منفعل ہے
یاں روشنی دماغ و دل ہے

دریوزہ گری پہ اسکی اوقات
یہاں قطب صفت ثبات ذرات

جن سے آسیب کا تھا کھٹکا
اُن دیوؤں نے خوب سر کو پٹکا

غالب تھا اثر میں اسم اس کا
ٹوٹا نہ کبھی طلسم اس کا

ہوتے تھے جو رشک سے وہ بیچین
حساد بھی صاد کرتے بالیقین

سنئے اِک اور نکتۂ خوب
آزادی گفتگو ہے معیوب

لاتا ہوں دلیل شاعرانہ
دیکھو قدرت کا کارخانہ

منہ کے اندر زباں جڑی ہے
دانتوں کے حصار میں پڑی ہے

بتیس جوان سخت طینت
اِستادہ ہیں مائل اذیت

ہیں مثل سفید دیو بیباک
طامع جابر حریص سفاک

حد سے جو بڑھے زبان گفتار
دوڑیں اُسے کاٹنے یہ خونخوار

پہلو میں جو ان کے ہمنشیں ہو
وہ نوک خلال سے حزیں ہو

کتنا ہی وہ ہو ملائم و تر
دانہ پستا ہے اِن میں آکر

لوہے کے چنے کہاں سے لائیں
سختی کا انھیں مزا چکھائیں

اس قید میں جب کہ یہ زباں ہے
آزادی گفتگو کہاں ہے

باریک ہے گو یہ نکتہ اے دل | لازم ہے کہ سمجھ لیں اس سے عاقل
مرضی تھی خدائے جسم و جاں کی | محدود ہوں شوخیاں زباں کی
دل میں جو آئے بک نہ جاؤ | ہشیار چلو بہک نہ جاؤ
دریائے خیال موج زن ہے | وقف یزداں و اہرمن ہے
ہے شارع عام حق و باطل | ناظر اس کی ہے فکر عاقل
گذرے جو خیال بد بلاکد | بازوئے خرد سے پس کر و رد
باطل پہ نہ جاؤ حق کو سن لو | کانٹوں کو ہٹا کے پھول چن لو
خاموش بس اے زبان خامہ | منظور نظر ہے ختم نامہ
ہرچند یہ عالم سخن ہے | یاں فیض ازل ضیا فگن ہے
ہر گوشے میں وسعت فلک ہے | ہر ذرہ میں مہر کی چمک ہے
ہر گام پہ ہیں چمن ہزاروں | اک اک میں گل سخن ہزاروں
ہر برگ گل سخن میں سو رنگ | ہر رنگ میں لاکھ لاکھ نیرنگ
نیرنگ ایسے کہ عقل حیراں | حیرت ایسی کہ نور عرفاں
ہر سمت ہزار میکدے ہیں | ہر ایک میں لاکھ خم بھرے ہیں
ہر خم میں شراب ارغوانی | یعنی رنگینئ معانی
اک قطرہ سے طبع ہو جو مستانہ | سینہ بن جائے مخزن راز
وہ راز کہ دل ہو محو مستی | مائل ہو سوئے سخن پرستی
ہو طول جو سلسلہ سخن کا | ہمسر ہو زلف پر شکن کا
پر طول بیاں سے فائدہ کیا | اس صرف زباں سے فائدہ کیا
بس بس اب روک لے زباں کو | کافی ہے اشارہ نکتہ داں کو
ہو کر آمادہ جان و دل سے | ہو محو دعا زبان و دل سے

جب تک ہے رباعی عناصر
جب تک کہ یہ نظم بیت ہستی
جب تک ہے مسدس جہات
جب تک کہ ہے روح کا لطیفہ
یہ پرچۂ دل فریب و زیبا
تحریک سے مس کو زر بنائے
ہر جا سے میں لاجواب نکلے
ہو سوز دل یگانہ و غیر
جبتک کہ اثر ہو کاف و نون کا
پروانہ اسے چراغ سمجھے
خورشید کا نور ہیں طرف ہو
اے حافظ و خالق اودھ پنچ
اپنی اپنی مراد پائیں
ہر مشتری بلند فطرت
محتاج ہو سیم کا نہ زر کا
احباب جو اس کے ہیں معاون
ظرافت و مصنف لطائف
سر سبز ہوں گلشن جہاں میں
رنگین طبعی سے گل کھلائیں
پیدا ہوں وہ گوہر مضامیں
بیساختہ بول اٹھیں سخنور

رنگینیٔ نقش لوح خاطر
موزوں ہو برائے خود پرستی
برہان مشارق و مغارب
انفاس کا ہر نفس وظیفہ
ہو مونس جان ناشکیبا
ٹھہرے تو دل کو گھر بنائے
ہر رنگ میں انتخاب نکلے
بن جائے چراغ کعبہ و دیر
مشتاق ہو ہر ایک اس فسوں کا
بلبل دیکھے تو باغ سمجھے
ذرّوں کی کشش اسی طرف ہو
خوشدل رہیں عاشق اودھ پنچ
دیکھیں جب دل کو شاد پائیں
پائے دور قمر میں رفعت
مورد ہو بلندی نظر کا
عالی منشان نیک باطن
طبّاع و مصوّر و ظرائف
خرّم پھریں باغ و بوستاں میں
چشم بدبیں کو خوں رلائیں
دریا کے ہو لب پہ شور تحسیں
اللہ رے طبع ذکر اکبر

(اودھ پنچ ۔ سبحان اللہ سبحان اللہ)

گفتمش تارک مذہب شوم و خوش باشم — منصبے چند ہوس دارم و انعامے چند
خلق را فائدۂ نیست ازیں جنگ و جدال — یک دو عاہت دریں محفل و دشنامے چند
گفت خاموش کہ دیں است مدار ملت — ترک ایں راہ مکن از پئے خود کامے چند
عیب مذہب ہمہ گفتی ہنرش نیز بگو — نفی حکمت مکن از بہر دل عامے چند

سنہ ١٩٠٧ء

برق کلیسا

رات اس مس سے کلیسا میں ہوا میں جو دو چار — ہائے وہ حسن وہ شوخی وہ نزاکت وہ ابھار
زلف پیچاں میں وہ سج دھج کہ بلائیں بھی مرید — قد رعنا میں وہ خم چم کہ قیامت بھی شہید
آنکھیں وہ فتنۂ دوراں کہ گنہگار کریں — گال وہ صبح درخشاں کہ ملک پیار کریں
گرم تقریر جسے سننے کو شعلہ لپکے — دلکش آواز کہ سن کر جسے بلبل جھپکے
دلکشی چال میں ایسی کہ ستارے رک جائیں — سرکشی ناز میں ایسی کہ گورنر جھک جائیں
آتش حسن سے تقوے کو جلانے والی — بجلیاں لطف تبسم سے گرانے والی
پہلوئے حسن بیاں شوخی تقریر میں غرق — ٹرکی و مصر و فلسطین کے حالات میں برق
پس گیا لوٹ گیا۔ دل میں سکت ہی نہ رہی — سر کے تمکین کی جس گت میں وہ گت ہی نہ رہی
ضبط کے عزم کا اس وقت اثر کچھ نہ ہوا — یا حفیظ کا کیا ورد مگر کچھ نہ ہوا
عرض کی میں نے کہ اے گلشن فطرت کی بہار — دولت و عزت و ایماں ترے قدموں پہ نثار
تو اگر عہد وفا باندھ کے میری ہو جائے — ساری دنیا سے مرے قلب کو سیری ہو جائے
شوق کے جوش میں میں نے جو زباں یوں کھولی — ناز انداز سے تیوری کو چڑھا کر بولی
غیر ممکن ہے مجھے انس مسلمانوں سے — بوئے خوں آتی ہے اس قوم کے افسانوں سے
لن ترانی کی یہ لیتے ہیں نمازی بنکر — حملے سرحد پہ کیا کرتے ہیں غازی بنکر

فوج بنتی ہے جو دھدی تو بگڑ جاتے ہیں
آگ میں کودتے ہیں تاب ہے سب اُنچتے ہیں

گل کھلائے کوئی میداں میں تو اترا جائیں
پائیں سامان اقامت تو قیامت ڈھائیں

مطمئن ہو کوئی کیوں کر کہ یہ ہیں نیک نہاد
سب ہے مغزان کی رگوں میں اثر [illegible]

دشمن صبر کی نظروں میں لگاوٹ پائی
کہ ہیبانی کی دل [illegible]

عرض کی میں نے کہ لذت جاں احتراج
اب زمانے پہ نہیں ہے اثر آدم و نوح

شجر طور کا اس باغ میں پودا ہی نہیں
گیسوئے حور کا اس دور میں سودا ہی نہیں

اب کہاں ذہن میں باقی ہیں براق و رفرف
ٹکٹکی بندھ گئی ہے قوم کی انجن کی طرف

ہم میں باقی نہیں اب خالد جانباز کا رنگ
دل پہ غالب ہے فقط حافظ شیراز کا رنگ

یاں نہ وہ نعرۂ تکبیر نہ وہ جوش سپاہ
سب کے سب آپ ہی پڑھتے ہیں سبحان اللہ

جوہر تیغ مجاہد ترے ابرو پہ نثار
نور ایماں کا ترے آئنہ رو پہ نثار

اُڑ گئی صفحۂ خاطر سے وہ بحث بد و نیک
[illegible]

موج کوثر کی کہاں اب ہو مرے باغ کے گرد
ہیں تو تہذیب میں [illegible] کا شاگرد

مجھ پہ کچھ وجہ عتاب آپ کو اے جاں نہیں
نام ہی نام ہے ورنہ میں مسلماں نہیں

جب کہا صاف یہ میں نے کہ جو ہو صاحب فہم
تو نکالو دل نازک سے یہ شبہ یہ وہم

میرے اسلام کو اک قصۂ ماضی سمجھو
ہنس کے بولی کہ تو پھر مجھ کو بھی ماضی سمجھو

ڈال دے جان معانی میں وہ اردو یہ ہے
کروٹیں لینے لگے طبع وہ پہلو یہ ہے

ایک بوڑھا نحیف و خستہ و زار
اک ضرورت سے جاتا تھا بازار

ضعف پیری سے خم ہوئی تھی کمر
راہ بیچارہ چلتا تھا جھک کر

چند لڑکوں کو اس پہ آئی ہنسی
قد پہ پھبتی کمان کی سوجھی

کہا اک لڑکے نے یہ اس سے کہ بول
تو نے کتنے کو لی کمان یہ مول

پیر مرد لطیف و دانشمند — ہنس کے کہنے لگا کہ اے فرزند
پہونچوگے میری عمر کو جس آن — مفت ملجائے گی تمھیں یہ کمان

میں نے اکبر سے کہا آپ نے تحریر میں کیے — اس جُدائی پہ نمازیں پڑھیں حسب دستور
چھوڑتے آپ یہ ہنگامۂ تعلیم جدید — کاٹ ہی دے گا کسی طرح خداوند غفور
بولا جھنجھلا کے کہ ہے سہل جہنم مجھ پر — اسکی نسبت کہ میں کالج میں ہوں احمق مشہور

انگلش ڈرس انور کا جو کل بزم میں دیکھا — اکبر نے کہا یہ تو خرابی کے ہیں آثار
معنی میں بھی ہو جائے گا آخر کو تغیّر — تبدیلی صورت کے رہے گر یہی اطوار
خالق کی عبادت سے حجاب آنے لگے گا — شرماؤگے کرتے ہوئے اسلام کا اظہار
بیگانہ وشی ہوگی عزیزان وطن سے — بنگلے میں نہاں ہوگے کہیں چھوڑ کے گھر بار
فاتح سے مساوات کی اُٹھیں گی اُمنگیں — وہ زیست جو آسان تھی ہو جائے گی دشوار
آپس میں بھی تم لوگ موافق نہ رہوگے — ایک ایک کو دیکھے گا بہ اکراہ و بہ انکار
آخر کو رہوگے نہ ادھر کے نہ اُدھر کے — انگریز بھی کھنچتے رہیں گے قوم بھی بیزار
انور نے کہا صَلِّ عَلیٰ واہ بہت خوب — شک اسمیں نہیں مدح کے قابل ہے یہ گفتار
لیکن جو یہ تعمیم ہے حضرت کے سخن میں — اس کو تو نہ تسلیم کرے گا یہ گنہ گار
ہر مذہب و ملت میں ہیں اچھے بھی بُرے بھی — وہ کونسا فرقہ ہے کہ سب جسمیں ہوں ابرار
ملبوس و مکاں کا جو کیا آپ نے مذکور — اسکے بھی بجا ہونے کا مجھ کو نہیں اقرار
باطن سے ہے اخلاق حمیدہ کا تعلق — فطرت میں جو ہے نیک وہ بد ہوگا نہ زنہار
اوضاع زمانہ تو بدلتے ہی رہیں گے — رکتی نظر آتی نہیں دنیا کی یہ رفتار
ہو جس کو ضرورت وہ ضرورت سے ہے مجبور — ہے شوق جسے کیوں نہ کیا جائے وہ مختار
مقصود جو اصلی ہے وہ ہے دل کی درستی — یا ہیٹ و اور کوٹ ہو یا جبّہ و دستار
شبہ ہو جسے اس قول کی صحت میں اگر ہو — سُن لیجئے سعدی کا یہ ارشاد گہربار

حاجت بہ کلاہ بزرگی داشتنت نیست
درویش صفت باش و کلاہ تتری دار

سنہ ۱۸۹۵ء

بہار آئی کھلے گل زیب صحن بوستاں ہو کر
عنادل نے مچائی دھوم سرگرم فغاں ہو کر

بچھا فرش زمرد اہتمام سبزۂ تر میں
چلی مستانہ وش باد صبا عنبر فشاں ہو کر

عروج نشو و نما سے ڈالیاں جھومیں
ترانے گائے مرغان چمن نے شادماں ہو کر

بلائیں شاخ گل کی لیں نسیم صبح گاہی نے
ہوئیں کلیاں شگفتہ روئے رنگیں تاباں ہو کر

جوانان چمن نے اپنا اپنا رنگ دکھلایا
کسی نے یاسمن ہو کر کسی نے ارغواں ہو کر

کیا پھولوں نے شبنم سے وضو صحن گلستاں میں
صدائے نغمۂ بلبل اٹھی بانگ اذاں ہو کر

ہوئے شوق میں شاخیں جھکیں خالق کے سجدے کو
ہوئی تسبیح میں مصروف ہر پتی زباں ہو کر

زبان برگ گل نے کی دعا رنگیں عبارت میں
خدا سرسبز رکھے اس چمن کو مہرباں ہو کر

نگاہیں کاملوں پر پڑ ہی جاتی ہیں زمانے کی
کہیں چھپتا ہے اکبر پھول پتوں میں نہاں ہو کر

قطعہ

میں نے کہا بہت سی زبانیں ہوں جانتا
مدت تک امتحاں دئے امتحان پر

جرمن۔ فرنچ۔ لیٹن و انگلش پہ ہے عبور
ثابت مرا کمال ہے سارے جہان پر

اک شوخ طبع مس نے دکھائی زباں مجھے
بجلی تھی ابر میں کہ قمر آسمان پر

بولی رہو گے زیست کی لذت سے بے خبر
قدرت نہ پائی تم نے اگر اس زبان پر

ہوئی جو مجھ سے یہ فرمائش بت طناز
کہ فن شعر میں تو آج ہے بہت ممتاز

لگا دے اس پہ کوئی مصرعہ حسین و لطیف
زمانہ با تو نہ سازد تو با زمانہ بساز

کہا یہ میں نے کہ ہو قید حسن و خوبی کی
تو سن یہ شعر نشاط آور و نگاہ نواز

پہن لے سایہ مری جاں اتار کر پشواز
زمانہ با تو نہ سازد تو با زمانہ بساز

ناخوش جو ہوا ہے اپنی بے قدری پر
اک ناز سے مسکرا کے بولی وہ مس
عزت کا تو کچھ بھی تجھ میں باقی نہیں ہے
افسوس کہ رہ گیا ہے تحقیر کا حس

خدا حافظ مسلمانوں کا اکبر
مجھے تو ان کی خوشحالی سے ہے یاس
یہ عاشق شاہد مقصود کے ہیں
نہ جائیں گے ولیکن سعی کے پاس
سناؤں تم کو اک فرضی لطیفہ
کیا ہے میں نے جس کو زیب قرطاس
کہا مجنوں سے یہ لیلیٰ کی ماں نے
کہ بیٹا تو اگر کر لے ایم۔ اے۔ پاس
تو فوراً بیاہ دوں لیلیٰ کو تجھ سے
بلا دقت میں بن جاؤں تری ساس
کہا مجنوں نے یہ اچھی سنائی
کجا عاشق کجا کالج کی بکواس
کجا یہ فطرتی جوش طبیعت
کجا ٹھونسی ہوئی چیزوں کا احساس
بڑی بی آپ کو کیا ہو گیا ہے
ہرن پر لادی جاتی ہے کہیں گھاس
یہ اچھی قدر دانی آپ نے کی
مجھے سمجھا ہے کوئی ہرچرنداس
دل اپنا خوں کرنے کو ہوں موجود
نہیں منظور مغز سر کا آماس
یہی ٹھہری جو شرط وصل لیلیٰ
تو استعفیٰ مرا با حسرت و یاس

اگرچہ پولیٹکل بحث میں ہوئے ہیں شریک
جناب پنڈت جے چند و بابو آشوتوش
مگر ہمیں تو ہے بالکل سکوت اس میں
سمجھا گئے ہیں یہ مضمون سید ذی ہوش
رموز مملکت خویش خسرواں دانند
گدائے گوشہ نشینی تو حافظا مخروش

اک مس سیمیں بدن سے کر لیا لندن میں عقد
اس خطا پر سن رہا ہوں طعنہ ہائے دل خراش
کوئی کہتا ہے کہ بس اس نے بگاڑی نسل قوم
کوئی کہتا ہے کہ یہ ہے بدخصال و بدمعاش
دل میں کچھ انصاف کرتا ہی نہیں کوئی بزرگ
ہو کے اب مجبور خود اس راز کو کرتا ہوں فاش
ہوتی تھی تاکید لندن جاؤ انگریزی پڑھو
قوم انگلش سے ملو سیکھو وہی وضع تراش
جگمگاتے ہوٹلوں کا جا کے نظارہ کرو
سوپ و کاری کے مزے لو چھوڑ کر یخنی و آش

لیڈیوں سے مل کے دیکھو ان کے انداز و طریق
ہال میں ناچو کلب میں جا کے کھیلو تاش

بادۂ تہذیب یورپ کے چڑھاؤ خم کے خم
ایشیا کے شیشۂ تقوی کو کر دو پاش پاش

جب عمل اس پر کیا پریوں کا سایہ ہو گیا
جس سے تھا دل کی حرارت کو سراسر انتعاش

سامنے تھیں لیڈیاں زہرہ وش جادو نظر
یاں جوانی کی امنگ اور انکو عاشق کی تلاش

اسکی چتون سحر آگیں اسکی باتیں دل ربا
چال اسکی فتنہ خیز اسکی نگاہیں برق پاش

وہ فروغ آتش رخ جس کے آگے آفتاب
اسطرح جیسے کہ پیش شمع پروانے کی لاش

جب یہ صورت تھی تو ممکن تھا کہ اک برق بلا
دست سیمیں کو بڑھاتی اور میں کہتا دور باش

دونوں جانب تھا رگوں میں جوش خون فتنہ زا
دل ہی تھا آخر نہیں تھی برف کی یہ کوئی قاش

بار بار آتا ہے اکبر میرے دل میں یہ خیال
حضرت سید سے جا کر عرض کرتا کوئی کاش

درمیان قعر دریا تختہ بندم کردہ
باز میگوئی کہ دامن تر مکن ہشیار باش

۲۷ اگست ۱۸۹۱ء مقام کانپور

بچائی جائیں گی پردے میں بیبیاں کب تک
بنے رہو گے تم اس ملک میں میاں کب تک

حرم سرا کی حفاظت کو تیغ ہی نہ رہی
تو کام دیں گی یہ چلمن کی تیلیاں کب تک

میاں سے بی بی ہیں پردہ ہے انکو فرض مگر
میاں کا علم ہی اٹھا تو پھر میاں کب تک

طبیعتوں کا نمو ہے ہوائے مغرب میں
یہ غیرتیں یہ حرارت یہ گرمیاں کب تک

عوام باندھ لیں دوہر کو تھرڈ و انٹر میں
سکنڈ و فرسٹ کی ہوں بند کھڑکیاں کب تک

جو منہ دکھائی کی رسموں پہ ہے مصر ابلیس
چھپیں گی حضرت حوا کی بیٹیاں کب تک

جناب حضرت اکبر ہیں حامی پردہ
مگر وہ کب تک اور انکی رباعیاں کب تک

وہ سودی نگھٹوئے شیریں مقال
جو انگریزی شاعر تھا اک باکمال

بفرمایش دختر با تمیز — کہ رکھتا تھا جسکو وہ دل سے عزیز
لکھی اسنے ہی نظم اک لاجواب — دکھائی ہے شکل روانی آب
جو بہتا ہے پانی میاں لوڈور — اسی کا دکھایا ہے شاعر نے زور
مناسب جو انگلش مصادر ملے — مقفیٰ کیے ان کے سب سلسلے
یہ جمعیت افعال کی خوب کی — کہ درسی بھی ہو اور دلچسپ بھی
یہ اصرار کرتے ہیں بھائی حسن — کہ میں بھی ہوں اس بحر میں غوطہ زن
دکھاؤں روانی دریائے فکر — کہ گوہر شناسوں میں ہو جس کا ذکر
عجب ہی نہیں ان کی اس پر نظر — کجا میں کجا سودی نامور
سوا اس کے ہیں اور بھی مشکلیں — نہیں سہل اس راہ کی منزلیں
مرے پاس سرمایہ کافی نہیں — وہ مصدر نہیں وہ قوافی نہیں
زباں میں نہ وسعت نہ ویسا مذاق — ادھر تو ہے کچھ اور ہی طمطراق
اگر ترجمہ ہو تو مطلب ہو خبط — معانی میں پیدا نہ ہو ربط و ضبط
موانع یہ ہیں جن سے ڈرتا ہوں میں — مگر خیر کچھ فکر کرتا ہوں میں
جو تھیں دقتیں کہہ چکا برملا — غرض دیکھیے اب یہ پانی چلا
اچھلتا ہوا اور ابلتا ہوا — اکڑتا ہوا اور مچلتا ہوا
یہ بنتا ہوا اور وہ تنتا ہوا — ٹپکتا ہوا اور چھنتا ہوا
روانی میں اک شور کرتا ہوا — رکاوٹ میں اک زور کرتا ہوا
پہاڑوں کے روزن زمیں کے مسام — یہ ہی کر رہا ہر طرف اپنا کام
ادھر پھولتا اور پچکتا ادھر — رخ اس سمت کرتا کھسکتا ادھر
پہاڑوں پہ سر کو پٹکتا ہوا — چٹانوں پہ دامن جھٹکتا ہوا
وہ پہلوئے ساحل دباتا ہوا — یہ سبزہ پہ چادر بچھاتا ہوا

بھٹکتا ہوا غل مچاتا ہوا
وہ گاتا ہوا اور بجاتا ہوا
ادھر جھومتا اور مٹکتا ہوا
بپھرتا ہوا جوش کھاتا ہوا
وہ اونچے سروں میں متوج کا راگ
سدھرتا ہوا اور سنورتا ہوا
ادھر گونجتا گنگناتا ہوا
لپٹتا ہوا اور جھپٹتا ہوا
سماتا ہوا اور پلٹتا ہوا
یہ گھٹتا ہوا اور وہ بڑھتا ہوا
یہ ہٹتا ہوا اور وہ بچتا ہوا
پھسلتا ہوا ڈگمگاتا ہوا
وہ روئے زمیں کو چھپاتا ہوا
گل و خار یکساں سمجھتا ہوا
بہاتا ہوا اور بہتا ہوا
لرزتا ہوا تلملاتا ہوا
بلندی سے گرتا گراتا ہوا
اُچھلتا ہوا اور اُڑتا ہوا
وہ کھیتوں میں راہیں کرتا ہوا
یہ تھالوں کی گودوں کو بھرتا ہوا
یہ پھولوں کے گجرے بہاتا ہوا

وہ جل تھل کا عالم رچاتا ہوا
یہ لہروں کو پیہم نچاتا ہوا
اُدھر گھومتا اور اٹکتا ہوا
بگڑ کر وہ کف منہ پہ لاتا ہوا
وہ خود جوش میں آکے لاتا یہ جھاگ
تھرکتا ہوا رقص کرتا ہوا
ادھر خود بخود جھنجھناتا ہوا
یہ چھٹتا ہوا وہ سمٹتا ہوا
سرکتا ہوا اور ملتا ہوا
اُترتا ہوا اور چڑھتا ہوا
دباتا ہوا اور بچتا ہوا
لچکتا ہوا لڑکھڑاتا ہوا
وہ خاکی کو سیمیں بناتا ہوا
ہر اک سے برابر اُلجھتا ہوا
ہوا کے طمانچوں کو سہتا ہوا
بلکتا ہوا بلبلاتا ہوا
نشیبوں میں پھرتا پھراتا ہوا
اٹکتا ہوا اور مڑتا ہوا
زمینوں کو شاداب کرتا ہوا
وہ دھرتی پہ احسان دھرتا ہوا
وہ چکر میں بجرے پھنساتا ہوا

لپکتا ہوا اُدناتا ہوا
چمکتا ہوا اور جھلکتا ہوا
ہواؤں سے موجیں لڑاتا ہوا
تڑپتا ہوا جگمگاتا ہوا
یونہیں الغرض ہے یہ پانی رواں

اُمنڈتا ہوا سنسناتا ہوا
سنبھلتا ہوا اور چھلکتا ہوا
حبابوں کی فوجیں بڑھاتا ہوا
شعاعوں کا جوبن دکھاتا ہوا
بس اب دیکھ لیں شاعر نکتہ داں

وہ سودے کا سیلان آب لوڈور
یہ بحر خیالات اکبر کا زور

برق دبخارات کا زور اے حلیم
تار پہ جاتے نہیں اہل نظر

کب سے پئے روح رہ مستقیم
ریل سے کھنچتا نہیں قلب سلیم

سب جانتے ہیں علم سے ہے زندگی روح
بے علم و بے ہنر ہے جو دنیا میں کوئی قوم
تعلیم اگر نہیں ہے زمانہ کے حسب حال
سید کے دل میں نقش ہوا اس خیال کا
صدمے اٹھائے رنج سہے گالیاں سہیں
دکھلا دیا زمانہ کو زورِ دل و دماغ
نیت جو تھی بخیر تو برکت خدا نے دی
سرمایہ میں کمی تھی سہارا کوئی نہ تھا
آخر اُٹھا سفر کو وہ مرد خجستہ پے
قسمت کی رہبری سے ملی منزل مراد
حالت دکھائی اور ضرورت بیاں کی
رحم آگیا حضور کو حالت پہ قوم کی

بے علم ہے اگر تو وہ انساں ہے ناتمام
نیچر کا اقتضا ہے رہے بن کے وہ غلام
پھر کیا امید دولت و آرام و احترام
ڈالی بنائے مدرسہ لیکر خدا کا نام
لیکن نہ چھوڑا قوم کے خادم نے اپنا کام
بتلا دیا کہ کرتے ہیں یوں کرنیوالے کام
کالج ہوا درست بصد شان و احتشام
سید کا دل تھا درپے تکمیل انتظام
احباب چند ساتھ تھے ذی علم و خوش کلام
فرماں روائے ملک دکن کو کیا سلام
خوبی سے التماس کیا قوم کا پیام
پھر کیا تھا موجزن ہوا دریائے فیض عام

لے اصل کھو گئی ہے لڑکوں کی غلط نقلوں کے بعض اجزا بہم پہنچے اُنسے یہ نقل لکھی گئی۔ ۲۶ دسمبر سنہ ۱۸۹۱ء

باللہ دو ہزار کیا ایک شہر رستے
امید سے زیادہ عنایت کی یہ لاکھ کا ہم

اکبر کی یہ دعا ہے خدا کی جناب میں
تا حشر اس زمیں پہ ریاست رہے قیام

کیا دقت پڑ ہوئی ہو کہ رہے احتیاج فکر
تاریخ اپنی آپ ہے فیاضی نظام

کہا کسی نے یہ سید سے آپ اے حضرت
نہ پیر کو نہ کسی پیشوا کو مانتے ہیں

نہ آپ عالم برزخ سے مانگتے ہیں مدد
نہ فاتحے کے طریق ادا کو مانتے ہیں

نظر تو کیجیے اس بات پر جو ہیں ہندو
بہ صدق خلوص ہر اک دیوتا کو مانتے ہیں

بہت وہ ہیں جو عناصر پرست ہیں دل سے
وہ آگ پوجتے ہیں یا ہوا کو مانتے ہیں

کرسچین بھی فدائی ہیں نام مریم کے
بدل مسیح علیہ الثنا کو مانتے ہیں

خود آپ ہی میں جو ہیں شیعیان با تمکیں
وہ اہل بیت کو اہل عبا کو مانتے ہیں

وہ لوگ جو ہیں ملقب بہ صوفیان کرام
فدا قبور پہ ہیں اولیا کو مانتے ہیں

مرادیں مانگتے ہیں لوگ پاک روحوں سے
کسی بزرگ کو یا مقتدا کو مانتے ہیں

پھر آپ میں یہ ہوا کیا سما گئی ہے کہ آپ
نہ دستگیر نہ مشکل کشا کو مانتے ہیں

جواب انھوں نے دیا ہم ہیں پیرو قرآن
ادب ہر اک کا ہے لیکن خدا کو مانتے ہیں

سند ہماری ہے ایاک نستعین اے دوست
اسی یگانہ حاجت روا کو مانتے ہیں

اسی کا نام زباں پر رہے حیّ اور قیوم
اسی کی قدرت بے انتہا کو مانتے ہیں

یہ بت پرستی ہی ہے جنگ و اختلاف کی جڑ
نہ عقلمند کب ایسی بلا کو مانتے ہیں

جواب حضرت سید کا خوب ہے اکبر
ہم ان کے قول درست و بجا کو مانتے ہیں

ولیکن اس نئی تہذیب کے بزرگ اکثر
خدا کو اور نہ طریق دعا کو مانتے ہیں

زبانی کہتے ہیں سب کچھ مگر حقیقت میں
وہ صرف قوت فرماں روا کو مانتے ہیں

پوچھا پروانے سے کہ اے ناداں
آگ میں گر کے کیوں گنواتا ہے جاں

ہ سید صاحب نے انسٹیٹیوٹ گزٹ میں نظم مندرجہ بالا کی تعریف چھاپی ہے۔

جل کے بولا کہ اے خرد دشمن — سن لے مجھ سے یہ معنیٔ روشن
شعلے سے طالب وصال اچھا — یا اندھیرے میں پائمال اچھا

کیا وجہ ہے قومی جو ترقی نہیں ہوتی — ہر چند کہ ہے شور ترقی کی صدا میں
یہ مسئلہ مشکل ہے وہی سمجھیں گے جن کو — ہے نشو و نما پولٹیکل آب و ہوا میں
اک بات تعجب سے مگر میں نے سنی تھی — کل رات کو اک انجمن ذکر خدا میں
اسپیچ ترقی میں تو آندھی ہے یہ فرقہ — لگتا نہیں دل ان کا ترقی کی دعا میں

بنائے ملت بگڑ رہی ہے لبوں پہ ہر جان مر رہی ہے — مگر طلسمی اثر ہے ایسا کہ خوش ہیں گویا ابھر رہے ہیں
ادھر ہے قوم ضعیف و مسکیں ادھر ہیں کچھ مرشدان خود بیں — یہ اپنی قسمت کو رو رہی ہے وہ نام پر اپنے مر رہے ہیں
گئی رگ اتحاد ملت رواں ہوئیں خون دل کی موجیں — ہم اسکو سمجھے ہیں آب صافی نہا رہے ہیں نکھر رہے ہیں
صدائے الحاد اٹھ رہی ہے خدا کی اب یاد اٹھ رہی ہے — دلوں سے فریاد اٹھ رہی ہے کہ دین سے ہم گذر رہے ہیں
قفس ہے کم ہمتی کا سیمیں پڑے ہیں کچھ دانہائے شیریں — اسی پہ مائل ہے طبع شاہیں نہ بال ہیں اب نہ پر رہے ہیں
اگرچہ یورپ بھی مبتلا ہے وہاں بھی کھلبلی یہی بلا ہے — خیال مسٹر کا بڑھ چلا ہے خدا کا انکار کر رہے ہیں
مگر وہاں کی بنا ہے نیشن پر کا ہے ملحد کا آپریشن، — نہیں ہے گم لفظ سالویشن خدا سے اب بھی وہ ڈر رہے ہیں
یہاں بجائے نماز گپ ہے وہاں وہی عزت نسب ہے — یہاں مساجد اجڑ رہی ہیں وہاں کلیسا سنور رہے ہیں

جناب اکبر سے کوئی کہہ دے کہ لوگ بیٹھے ہیں ہر طرح کے
اس انجمن میں اور ایسی باتیں یہ آپ کیا قہر کر رہے ہیں

چو اشارہ کرد ناصح کہ بیا و بشنو از من — ہمہ طرز حیلہ جستن ہمہ فن ساز کردن
کہ امیر گبر بودہ بہ یہود عہد یاری — گہ امین دیر بودہ بہ حرم نماز کردن
بخدائی عزیزاں ہمہ امتیاز جستن — بمراد غیر بودہ ہمہ عیش و ناز کردن
نظرے فگند و گفتم بہ حقارتے بہ ریش — کہ حرام باد دستے سوے تو دراز کردن
ہمہ اول تو دیدم ہمہ آخر تو دیدم — نہ خوش است شرح احوال و بیان راز کردن

تو بہ خویشتن چہ کردی کہ با کنی نظیری

کیا شک ہے آفتاب کے شان و جلال میں
لیکن نہیں ہے کچھ بھی موثر پس از غروب
ہر چند تم خیال کرو آفتاب کا
پوجو گے اس کو تب بھی وہ اندھیرا نہ جائیگا
انساں کا حال بھی مرے نزدیک ہے یہی
کتنا ہی کوئی صاحب اوج و کمال ہو
جب کر گیا جہاں سے وہ ملک عدم کو کوچ
قیوم و حیّ ذات ہے اللہ کی فقط
سن لو کہ اتباع و ادب اور چیز ہے

بخدا کہ واجب آمد ز تو احتراز کردن

روشن تر اس سے کوئی شے ہے خیال میں
لازم ہے غور کیجئے اس مسئلہ پہ خوب
گوشہ بھی اُٹھ سکیگا نہ شب کی نقاب کا
اُس کو پکارنے سے اندھیرا نہ جائے گا
تحقیق کی نظر جو کرو ٹھیک ہے یہی
کتنا ہی با اثر ہو کہ عالی خیال ہو
پھر اُس سے کچھ مدد کا تصور ہے ہیچ و پوچ
زندہ ہمیشہ بات ہے اللہ کی فقط
مطلب کی لیکن اُن سے طلب اور چیز ہے

آزردہ کوئی شیخ ہو یا برہمن خفا
حقانیت یہی ہے یہی ٹھیک فلسفا

کر چکا کالج میں جب تکمیل فن
گو کہ شہرت ہے تمہاری دور دور
عرض کی میں نے کہ اے روشن ضمیر
آپ نے سیکھا ہے اپنے باپ سے

تب یہ بولے مجھ سے مسٹر پارسن
مجھ سا تم رکھتے نہیں عقل و شعور
ہے یہی تو جس کو روتا ہے بشیر
اور میں نے جو پڑھا وہ آپ سے

یہ طفل ناداں غریق غفلت ہوئے ہیں ذلت میں تن رہے ہیں
بہار ہی کو نہیں سمجھتے مگر فقط خزاں کی ظلمتوں کو کیا وہ دیکھیں
نیا فلک ہے نئے ستارے یہ شوق سیر کرتے ہیں نظارے
یہ آخری صف میں آگئے ہیں ڈالے بہشت سمجھے ہیں اپنے تھالے
رہے ہیں جو برگ و خس کے خوگر انھیں ہو کیوں خارزار کا منظر

سمجھ نہیں ہے نظر نہیں ہے بتائے جاتے ہیں بن رہے ہیں
یہ داغ تو ہیں انھیں کے دل پر جو محو رنگ چمن رہے ہیں
انھیں کو کچھ حس ہے گردشوں کا جو زیر چرخ کہن رہے ہیں
محل حسرت ہیں انکے سینے جو زینت انجمن رہے ہیں
نگاہ تو ہے انھیں کی مضطر جو مست شعر و سخن رہے ہیں

بہت خفا تھی مسائل دیں کہ ہو رہی ہے ہماری توہیں
اب اُنکو منطق منا رہی ہے وہ سر جھکائے ہیں سُن رہی ہیں

اگرچہ لفظوں کی بدلیوں میں چھپا ہے معنی کا چاند اکبر
مگر معانی ہیں ایسے روشن کہ نور کی طرح چھن رہے ہیں

فرے کا جشن تھا کل اک شراب خانے میں
کسی نے خوب یہ گایا کسی ترانے میں
خدا کے فضل سے ہم نام کے مسلماں ہیں
وگرنہ چین سے رہتے نہ اس زمانے میں

ہستی کے شجر میں جو یہ چاہو کہ چمک جاؤ
کچے نہ رہو بلکہ کسی رنگ میں پک جاؤ
میں نے کہا قائل میں تصوف کا نہیں ہوں
کہنے لگے اس بزم میں آؤ تو تھرک جاؤ
میں نے کہا کچھ خوف کلکٹر کا نہیں ہے
کہنے لگے آجائیں ابھی وہ تو دبک جاؤ
میں نے کہا ورزش کی کوئی حد بھی ہے آخر
کہنے لگے بس اسکی یہی حد ہے کہ تھک جاؤ
میں نے کہا افکار سے پیچھا نہیں چھٹتا
کہنے لگے تم جانب مے خانہ لپک جاؤ
میں نے کہا اکبر میں کوئی رنگ نہیں ہے
کہنے لگے شعر اُسکے جو سُن لو تو پھڑک جاؤ

کر چکا ختم جب میں اسپنسر
مجھ پہ پڑنے لگی ہر اک کی نگاہ
پوچھا اُستاد نے کہ سمجھے بھی
ان دقائق نے دلمیں کی کچھ راہ
کہدیا میں نے اِس کا کل مطلب
صاف ہے لا الٰہ الا اللہ
ماسٹر نے کہا تو کودن ہے
حق پکارا کہ واہ اکبر واہ

سنا کہ چند مسلماں جمع تھے یک جا
خدا پرست خوش اخلاق اور بلند نگاہ
کہا کسی نے یہ اُن سے کہ یہ تو بتلاؤ
تمھاری عزت و وقعت کا کس طرح ہے نباہ
نظر کرو طرف اقتدار اہل فرنگ
کہ انکے قبضہ میں ہے ملک و مال و گنج و سپاہ
اُنھیں کا سکہ ہے جاری یہاں سے لندن تک
اُنھیں کے زیر نگیں ہے ہر اک سفید و سیاہ

کمیں نتائی ہیں وہ دو کہ دیکھ کر جن کو
تمہاری پاس بھی کچھ ہو کہ جس پہ تم کو ہے ناز

زبان خلق سے بیساختہ نکلتی ہے واہ
کہا انھوں نے کہ ہاں لا الٰہ الا اللہ

نہ وہ بک رہ گئے نہ سیر سید
ذات محمود سے تسلی تھی
بولی عبرت کہ ہوش میں آؤ
مٹ گیا نقش احمد و محمود

دل احباب سے نکلتی ہے آہ
لی انھوں نے بھی آج خلد کی راہ
اے حریفان شان و شوکت جاہ
رہ گیا لا الٰہ الا اللہ

بنام ایڈیٹر رسالۂ ید بیضا

علم اسرار دل و حل معما داری
تو چہ حاجت بہ جمال سخن ما داری

برتر از نظم دکن نظم ثریا داری
حسن یوسف دم عیسیٰ ید بیضا داری

آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

مسلمانوں میں اب تعلیم انگلش رک نہیں سکتی
وہ زلزلہ رک نہیں سکتا یہ جنبش رک نہیں سکتی

کسی کی مشرق و مغرب کی سازش رک نہیں سکتی
بڑے بوڑھوں کی لیکن یہ بھی خواہش رک نہیں سکتی

مذاق قوم بیگانہ سہو اللہ اکبر سے
یہ نقش جانفزا مٹنے نہ پائے دل کے دفتر سے

اہل یورپ کے ساتھ ہوٹل میں
خانساماں نے کان میں یہ کہا
پڑھ لیجئے کوئی دعائے اکل طعام
تب یہ اشعار حضرت سعدی
اے کریمے کہ از خزانۂ غیب

پوچھی سید نے ایک دن کاری
آپ تو علم سے نہیں عاری
دین سے بھی رہے وفاداری
ہوئے آن کی زبانہ پر جاری
گبر و ترسا وظیفہ خور داری

دوستاں را کجا کنی محروم
تو کہ با دشمناں نظر داری

لہ مطلب یہ کہ ہم کیوں نہ پڑھیں کہ سرکاری ڈیرہ [illegible] ہوٹل میں کھاتے ہیں

نظم مذہبی حسب فرمائش اڈیٹر دکن ریویو برائے نیشنل انتھم شروع ۱۹۰۷ء

جو دل کرتے ہیں حق کی پاسبانی
سمجھتے ہیں جو قرآں کے معانی

خدا کا ان پہ ہے لطف نہانی
سنا ہم میں نے یہ انکی زبانی

ہنوز آں ابر رحمت دُر فشان است
خم و خمخانہ با مہر و نشان است

سرور قلب و حرز جاں ہے اسلام
جہاں میں با سر و ساماں ہے اسلام

معین شاہی و شاہاں ہے اسلام
ابھی تک حافظ ایماں ہے اسلام

ہنوز آں ابر رحمت دُر فشان است
خم و خمخانہ با مہر و نشان است

مساجد میں وہی شور اذاں ہے
وہی جوش دل اسلامیاں ہے

وہی اللہ اکبر بر زباں ہے
وہی رت ہے وہی اب تک سماں ہے

ہنوز آں ابر رحمت دُر فشان است
خم و خمخانہ با مہر و نشان است

دلوں میں ہے خدا کی یاد اب تک
بہت میں صاحب ارشاد اب تک

طبیعت ذکر سے ہے شاد اب تک
بہت ہے باغ دیں آباد اب تک

ہنوز آں ابر رحمت دُر فشان است
خم و خمخانہ با مہر و نشان است

عیاں ہے پرتو روئے محمدؐ
رواں ہیں قافلے سوئے محمدؐ

مشام جاں میں ہے بوئے محمدؐ
وہی ہے رونق کوئے محمدؐ

ہنوز آں ابر رحمت دُر فشان است
خم و خمخانہ با مہر و نشان است

دلوں میں کیوں تمہارے ہو نیک نامی
ابھی تک یادِ حق ہو دل کی حامی
نہیں نصرت میں کچھ بد انتظامی
سنو یہ نغمۂ استاد جامی

ہنوز آں ابرِ رحمت درفشان است
خم و خمخانہ با مہر و نشان است

یہ برٹش سلطنت کے ہیں عواطف
تو کیوں ہوتے نہیں تم اس سے واقف
کہ مذہب کی نہیں ہر گز مخالف
یہ کہتی ہے نگاہِ چشمِ عارف

ہنوز آں ابرِ رحمت درفشان است
خم و خمخانہ با مہر و نشان است

رسول اللہ کو دنیا نے مانا
نہیں اسلام سے خالی زمانا
زبانوں پر ہے اب تک وہ فسانہ
سنو اکبر کا یہ قومی ترانہ

ہنوز آں ابرِ رحمت درفشان است
خم و خمخانہ با مہر و نشان است

خدا علی گڑھ کے مدرسے کو تمام امراض سے شفا دے
بھرے ہوئے ہیں رئیس زادے امیر زادے شریف زادے

لطیف و خوش وضع چست و چالاک و صاف و پاکیزہ شاد و خرم
طبیعتوں میں ہے ان کی جودت دلوں میں انکے ہیں نیک ارادے

کمال محنت سے پڑھ رہے ہیں کمال غیرت سے بڑھ رہے ہیں
سوار مشرق کی راہ میں ہیں تو مغربی راہ میں پیادے

ہر اک ہے ان میں کا بیشک ایسا کہ آپ ہیں چاہتے ہیں جیسا
دکھائے محفل میں قد رعنا جو آپ آئیں تو سر جھکا دے

فقیر مانگے تو صاف کہہ دیں کہ تو ہے مضبوط جا کما کھا
قبول فرمائیں آپ دعوت تو اپنا سر بیچ کر کھلا دے

بتوں سے انکو نہیں لگاوٹ مسوں کی لیتے نہیں ہیں آہٹ
تمام قوت ہے صرف خواندن نظر کے بھولے ہیں دل کے سادے

نظر بھی آئے جو زلف پیچاں تو سمجھیں کوئی بلا ہے یا ہر
الٹ کے رکھ دیں اسکو جیسے ہی برق وش کوئی اسکو اڑا دے

نکلتے ہیں اگر کوئی غزل ہندی بنام تہذیب و درد مندی
یہ منہ کو لیتے ہیں سب چھپا کر نہیں جو تم دو تین سنا دے

تمہیں اسی بات پر یقیں ہو کہ بس یہی حسن کا درس ہے
اسی کو ہوگا فروغ قومی اسی کو سمجھیں گے باپ دادے

مکان کالج کے سب مکیں ہیں ابھی انھیں تجربہ نہیں ہے
خبر نہیں ہے کہ آگے چلکر ہے کیسی منزل ہیں کیسی جادے
دلوں میں انکی ہے نور ایماں قوی نہیں ہے مگر نگہباں
ہوائے منطق ادائے طفلی یہ شمع ایسا نہ ہو بجھادے
فریب دیکر نکالیں مطلب سکھائیں تحقیر دین و مذہب
مٹادے آخر کو وضع ملت نمود ذاتی کو گو بڑھادے

یہی ہے اکبر کی التجا ہے جناب باری میں یہ دعا ہے
علوم و حکمت کا درس انکو پروفیسر دیں سمجھ خدا دے

سنہ ۱۸۹۰ء

ترجمہ قول یکے از اکابر یورپ

یہ شیخ اکبر سے اتنا کیوں خفا ہے
یہ کیوں غیظ و غضب جور و جفا ہے
نہیں ہے اسمیں جھگڑے کی کوئی بات
یہ اک قول حکیم با صفا ہے
نہ مذہب ہیں جب زور حکومت
تو وہ کیا ہے فقط اک فلسفا ہے

بلبل ہیں آج ہم چمنستان کمپ کے
پروانہ کل بنیں گے کلیسا کے لمپ کے
فکر بہشت و کوثر و تسنیم ہو چکی
اب پارک کا خیال ہے چرچے ہیں لمپ کے
رکھتے تھے جو بزرگ قدم پھونک پھونک کے
خوگر ہوئے ہیں لیپ کے اسٹک کے جمپ کے

نہ نماز ہے نہ روزہ نہ زکوٰۃ ہے نہ حج ہے
تو خوشی پھر اسکی کیا ہے کوئی جنٹ کوئی جج ہے
جو خیال ہیں نرالے تو مذاق ہیں انوکھے
نہ وہ وضع قوم کی ہے نہ وہ شان ہے نہ دھج ہے
کوئی انمیں ہے جو ایسا کہ جو دین کی ہے لیتا
جو اسے کبھی چھیڑ دیکھا تو وہ کمتر از کھرچ ہے
جو کر آئے سیر لندن ہیں اسیر کبر و فیشن
جو یہیں گئے ہیں بن ٹھن انھیں اینڈ ہے گرج ہے
نہیں کوئی صاف سینہ بہم انمیں کبھی ہے کینہ
یہ انھیں کہیں کمینہ وہ انھیں کہیں اتج ہے
کہیں میم کا ہے پھندا کوئی دخت رز کا بندہ
ہے پھر اس پہ ناز و خندہ کہ دل ہمیں کیا حرج ہے
پاتی ہیں قومیں تجارت سے عروج
بس یہی اُن کے لئے معراج ہے

سب ہے تجارت واقعی اک سلطنت
زور یورپ کا سبھی پہ آج ہے

لفظ تاجر خود ہے اک بر ثبوت
دیکھ لو تاجر کے سر پر تاج ہے

تمھاری اصل خدا کا کلام واضح ہے
سنو یہ بات جو مجموعۂ نصائح ہے

عبث یہ ولولۂ فضل قوم فاتح ہو
یہی ہے باعث عزت عمل جو صالح ہو

نہ ہو جو مذہب و ملت کے ساتھ ہمدردی
زمانہ صاف کہیگا کہ ہے یہ نامردی

انھیں کے واسطے ہے کام و روز زیبا ہے
انھیں کے دل میں طرب کا وفور زیبا ہو

انھیں کو روئے زمیں پر غرور زیبا ہے
مرے لئے فقط امید حور زیبا ہو

اسی امید میں ساری ترقیاں سمجھیں
جو آپ حور کے معنی کی خوبیاں سمجھیں

کرزن سبھا

سبھا میں دوستو کرزن کی آمد آمد ہے
گلوں میں غیرت گلشن کی آمد آمد ہے

رئیس و راجہ و نواب منتظر ہیں بہ شوق
کہ نائب شہ لندن کی آمد آمد ہے

وہ ہو کے آتے ہیں قائم مقام قیصر ہند
ستاروں میں مہ روشن کی آمد آمد ہے

ہیں انکے ساتھ میں اتنے اکابر یورپ
کہ گویا دہلی میں لندن کی آمد آمد ہے

غرض یہ ہے کہ ہو تکمیل زینت و رونق
ہر ایک علم کی ہر فن کی آمد آمد ہے

کمر بندھی نظر آتی ہے آب و آتش کی
ادھر ہے ریل ادھر انجن کی آمد آمد ہے

دکھا رہے ہیں ہنرمند خواب مقناطیس
دلوں میں حالت ردرشن کی آمد آمد ہے

امنڈ رہی ہے ہر اک سمت سے فراوانی
ہر ایک جنس کے خرمن کی آمد آمد ہے

ورود فوج سے ہے زرق برق کا عالم
جدھر کو دیکھئے پلٹن کی آمد آمد ہے

چمک رہی ہے کرچ انکی ہر سو گمک ہے توپوں کی
چھما چھم اور دنا دن کی آمد آمد ہے

چہل پہل ہے امنگیں ہیں جوش مستی ہے
بہار عیش پہ جوبن کی آمد آمد ہے

جو پیر ہیں انھیں ہیں ولولے جوانی کے
جوان ہیں تو لڑکپن کی آمد آمد ہے
تمام مذہب و ملت میں ہے کشش پیدا
معان و شیخ و برہمن کی آمد آمد ہے
گرہ میں زر نہیں اور پھر تمام لازم و فرض
اسی سبب سے مہاجن کی آمد آمد ہے
ابھارے رکھتا ہے اکبر کے دل کو فیض سخن
اگرچہ پیری و پنشن کی آمد آمد ہے

آمد اقبال پری

اقبال پری آئی جو انداز بدل کر
دنیا کی ہوا ساتھ ہوئی ساز بدلکر

غزل زبانی اقبال پری

ہوں ناز سے معمور حکومت سے بھری ہوں
زریں مراد امن ہے میں اقبال پری ہوں
ہر شعلہ مقابل مرے چہرے کے ہے بے نور
کہتا ہے کہ ہوں بھی تو چراغ سحری ہوں
ہر ڈھنگ سے دکھلاتی ہوں شان اپنی جہاں کو
ہر رنگ میں ہیں مست مے جلوہ گری ہوں
انگلینڈ پہ ہوں سایہ فگن حکم خدا سے
شاہنشہ ایڈورڈ کی صورت پہ مری ہوں

مبارکباد ہند کی طرف سے

تو خدا انگلش کو یہ دربار مبارک ہووے
لارڈ کرزن سایہ سردار مبارک ہووے
ہو مبارک شہ انگلینڈ کو تخت و دیہیم
مجھکو یہ طبع گہربار مبارک ہووے

نصیحت اخلاقی

سب بیٹے کو لوگ کہتے ہیں آنکھوں کا نور ہے
ہے زندگی کا لطف تو دل کا سرور ہے
گھر میں اسی کے دم سے ہے ہر سمت روشنی
نازاں ہے اس پہ باپ تو ماں کو غرور ہے
خوش قسمتی کی اس کو نشانی سمجھتے ہیں
کہتے ہیں یہ خدا کے کرم کا ظہور ہے
اکبر بھی اس خیال سے کرتا ہے اتفاق
اسکا بھی ہے یہ قول کہ ایسا ضرور ہے
البتہ شرط یہ ہے کہ بیٹا ہے ہونہار
مائل ہے نیکیوں پہ برائی سے دور ہے
سنتا ہے دل لگا کے بزرگوں کی پند کو
وقت کلام لب پہ جناب و حضور ہے

برتاؤ اس کا صدق و محبت سے ہے بھرا
انکار والدین میں ہے دل سے وہ شریک
راضی ہے اس پہ باپ کی جو کچھ ہو مصلحت
رکھتا ہے خاندان کی عزت کا وہ خیال
کسب کمال کی ہے شب و روز اسکو دھن
لیکن جواں صفات کا مطلق نہیں پتا

اسمیں نہ ہے فریب نہ کچھ مکر و زور ہے
ہمدرد ہے متین ہے اہل شعور ہے
صابر ہے باادب ہے عقیل و غیور ہے
نیکوں کا دوست صحبت بد سے نفور ہے
علم و ہنر کے شوق کا دل میں وفور ہے
اور پھر بھی ہے خوشی تو خوشی کا قصور ہے

نظم قومی حسب فرمائش نواب محسن الملک بہادر

مسلمانو بتاؤ تو تمھیں اپنی خبر کچھ ہے
اگر کچھ ہے تو سوچو دل میں بھی اسکا اثر کچھ ہے
تمھارے کیا مدارج تھے گرا اس پر نظر کچھ ہے
حریفوں کی تعلی باعث سوز جگر کچھ ہے

تمھیں معلوم ہے کچھ رہ گئے ہو کیا سے کیا ہو کر
کدھر آ نکلے ہو راہ ترقی سے جدا ہو کر

کوئی آگے نہ تھا تم سے ترقی کی تگ و دو میں
تمھیں نے فرق بتلایا تھا سب کو گندم و جو میں
کوئی دس میں چمکتا تھا تو تم ممتاز تھے سو میں
تمھیں سے سیکھ کر بنتی تھیں عالم مغربی قومیں

شرف پایا تھا تم نے امتیاز حق و باطل سے
مخالف بھی تمھاری قدر دانی کرتے تھے دل سے

تمھاری عزتیں تھیں اوج تھا سب تھا شانیں تھیں
تمھارے ذکر میں سرگرم دنیا کی زبانیں تھیں
تمھاری ہیبت تھی احکام تھے کہنا تھا آنیں تھیں
تمھیں تم تھے زمانہ میں تمھاری داستانیں تھیں

غرور و ناز کم کرنا پڑا تھا ایک عالم کو
سر تسلیم خم کرنا پڑا تھا ایک عالم کو

تمھارا اتفاق باہمی دیوار آہن تھا
تمھاری ہمتوں کا عرش اعظم پر نشیمن تھا
مخالف ایک کا جو تھا وہ گویا سب کا دشمن تھا
تمھارے ہاتھ میں آفاق کا ہر علم ہر فن تھا

تم اپنی حق پرستی سے دبا لیتے تھے دنیا کو
خدا کے سامنے جھک کر جھکا دیتے تھے اعدا کو

نہ آپس کے جھگڑے تھے نہ ناحق پرستی تھی
نہ دل میں بدگمانی تھی نہ ہمت میں یہ پستی تھی
طبیعت پر نہ دیو نفس کی یہ چیرہ دستی تھی
نظر میں مظہر نور حقیقت ساری ہستی تھی

تمہاری وضع دلکش تھی تمہاری شان عالی تھی
خوش اخلاقی تمہاری مظہر شان جمالی تھی

نہیں ہے ہائے افسوس اب تمہارا وہ چلن باقی
نہ وہ ذوق ہنرمندی نہ شوق علم و فن باقی
نہ وہ حسن عمل باقی نہ اب وہ حسن ظن باقی
نہ دل میں ہے وہ جوش حب یاران وطن باقی

جو فکریں ہیں تو اپنے نفس کی راحت رسانی کی
توقع کیا اسی پر ہے خدا کی مہربانی کی

غضب ہے حب اسلامی سے خالی سب کا سینا ہے
بس اپنی ہی غرض کے واسطے ہر اک کا جینا ہے
حسد ہے ناتوان بینی ہے بے مہری ہے کینا ہے
یہی قومی ترقی کا ذرا سوچو تو زینا ہے

کہاں ہے اب مسلمانوں میں باہم جنس الفت
جو باقی شاعروں میں ہے تو ہے وہ اک مرض الفت

میں تم سے کیا کہوں اس وقت دل پر کیا گذرتی ہے
طبیعت بات کرنے کو بھی مشکل سے ٹھہرتی ہے
تصور ویسے آتا ہے تو آنکھ اشکوں سے بھرتی ہے
خلش سینے میں ایسی ہے کہ وہ بے چین کرتی ہے

مرا دردیست اندر دل اگر گویم زباں سوزد
وگر دم درکشم ترسم کہ مغز استخواں سوزد

وہ باتیں جن سے قومیں ہو رہی ہیں نامور سیکھو
بڑھاؤ تجربے اطراف دنیا میں سفر سیکھو
اٹھو تہذیب سیکھو صنعتیں سیکھو ہنر سیکھو
خواص خشک و تر سیکھو علوم بحر و بر سیکھو

خدا کے واسطے اے نوجوانو ہوش میں آؤ

دلوں میں اپنے غیرت کو جگہ دو جوش میں آؤ

سخن معقول و موزوں ہو تو سب کا دل لبھاتا ہے
زباں سے نعرۂ مدح و ثنا ہر دم نکلتا ہے
کلام خوش کلاماں رنگ یا معنی بدلتا ہے
مگر شوق عمل ہو واقعی تب کام چلتا ہے

توجہ گر نہ ہو دل سے تو پھر تاثیر کیونکر ہو
کلام دلکش اکبر ہو یا مہدی کا لکچر ہو

ڈارون[1] صاحب حقیقت سے نہایت دور تھے
میں نہ مانوں گا کہ مورث آپ کے لنگور تھے
اپنی حالت کے مطابق چاہیے طرز عمل
اس سے کیا ہوتا ہے دادا قیصر و فغفور تھے
اس تقرب پر ہمیں کچھ فخر کا موقع نہیں
پاس گو بیٹھے تھے لیکن انکے دل سے دور تھے

ہوائے الحاد رنگ ملت کو ہر روش پر بدل رہی ہے
جو بات بگڑی ہے دیکھو کیونکر جو چل گئی ہے وہ چل رہی ہے
ہمیں نے در اس ہوا پہ کھولا کیا اسے حیف کوئی بولا
ہمیں ہے خود اب تردد اسکا طبیعت اب ہاتھ مل رہی ہے
نہ عاقبت کا کسی کو ڈر ہے نہ عزت قوم پر نظر ہے
نہ ہمیں سودا سما رہا ہے دلوں سے غیرت نکل رہی ہے
جو پیشوا خود ہوں بدمشرب تو کیا جمے رنگ وعظ مذہب
قلوب خبطیاں کی متبع ہیں زبان قرآں پہ چل رہی ہے
کریں جو باخبر ہیں پر جا نہیں ہے جو ہیں اسکا چرچا
ہمیں نے سمجھا ہے مہد اسکو اسی میں جب نسل پل رہی ہے
جو قوم ہمسایہ ہے ہماری نہیں ہے اسپر بلا یہ طاری
ہم اپنی مستی میں گر رہے ہیں وہ ٹھیس میں سنبھل رہی ہے
ہم اپنی صورت بگاڑتے ہیں بنا رہی ہے وہ اپنے گھر کو
ہم اپنا نقشہ مٹا رہے ہیں وہ اپنے سانچے میں ڈھل رہی ہے
خدا کی سنت ہیں یا انکی صداقت چھپی نہیں ہیں ہماری باتیں
بلائیں رکنے میں آ رہی ہیں کوئی گھڑی ہے کہ ٹل رہی ہے

زبان اکبر میں کب یہ قدرت کہ کہہ سکے راز سوز حسرت
وہ شمع اسکو بیاں کرے گی جو گور سید پہ جل رہی ہے

چاہا جو میں نے انسے طریق عمل پہ وعظ
بولے کہ نظم ذیل کو ارقام کیجیے
پیدا ہوئے ہیں ہند میں اسباب جو آپ
خالق کا شکر کیجیے آرام کیجیے
بے انتہا مفید ہیں یہ مغربی علوم
تحصیل ان کی بھی سحر و شام کیجیے

[1] حال کی تحقیق تصنیف علمائے یورپ بالخصوص انسان کے باب میں لائق ملاحظہ ہے جس میں ڈارون کی غلطی بیان کیگئی ہے مصنف

یورپ میں پھریئے پیرس و لندن کو دیکھئے　　تحقیق ملک کا شعر و شام کیجئے

ہو جائیے طریقۂ مغرب پہ مطمئن　　خاطر سے محو خطرۂ انجام کیجئے

پیران بے فروغ کا گل ہو چکا چراغ　　ناحق نہ دل کو تابع اوہام کیجئے

رکھیئے نہ دل کو دیر و کلیسا سے منحرف　　متروک قید جامۂ احرام کیجئے

الفاظ کفر و فسق کو بس بھول جائیے　　ہر ملت و طریق کا اکرام کیجئے

رہیئے جہاں میں مست شرابِ نیکنام　　مجھ کو مرید ہندؤں کو رام کیجئے

رکھیئے نمود و شہرت و اعزاز پر نظر　　دولت کو صرف کیجئے اور نام کیجئے

سامان جمع کیجئے کوٹھی بنائیے　　باصد خلوص دعوت حکام کیجئے

آرائشوں سے گھر کو مہذب بنائیے　　تزئین طاق و سقف و در و بام کیجئے

یاران ہم مذاق سے ہم بزم ہو جیئے　　موقع ملے تو شغل مئے و جام کیجئے

چشم و لب بتاں سے بھی غافل نہ ہو جیئے　　تکمیل شوق پستہ و بادام کیجئے

نظارۂ وامساں سے تر و تازہ رکھیئے آنکھ　　تفریح پارک میں سحر و شام کیجئے

مذہب کا نام لیجئے عامل نہ ہو جیئے　　جو متفق نہ ہو اسے بدنام کیجئے

طرز قدیم پر جو نظر آئیں مولوی　　پبلک میں ان کو مورد الزام کیجئے

زنجیر فقہ توڑیئے کہہ کر خلاف شرع　　مضمون لکھیئے دعوئے الہام کیجئے

ممنوع ہے تعدد ازدواج چھوکر　　یوں گھوم پھر کے تنبیۂ عام کیجئے

قومی ترقیوں کے مشاغل بھی ہیں ضرور　　اس مد میں بھی ضرور کوئی کام کیجئے

لڑکے نہوں تو ہو نہیں سکتی چہل پہل　　فاریں پڑیئے وظیفہ و انعام کیجئے

تحصیل چندہ کیجئے لڑکوں کو بھیجکر　　سارا علاقہ ہند کا اب خام کیجئے

بے رونقی سے کاٹیئے کیوں اپنی عمر کو　　کیوں انتظار گردش ایام کیجئے

جو چاہیئے وہ کیجئے بس یہ ضرور ہے　　ہر انجمن میں دعوئے اسلام کیجئے

لیکن یہ بن پڑیں جو یہ باتیں حضور سے
مردوں کے ساتھ قبر میں آرام کیجیے

میں دیکھتا ہوں صلح و محبت ہوا اٹھ گئی
ہر دل سے ہر گروہ سے ہر خاندان سے
اس کا سبب نہیں ہے سوا اسکے اور کچھ
یعنی کہ اٹھ گیا ہے خدا درمیان سے

تعجب سے کہنے لگے بابو صاحب
گورنمنٹ سید پہ کیوں مہرباں ہے
اسے کیوں ہوئی اس قدر کامیابی
کہ ہر بزم میں بس یہی داستاں ہے
کبھی لاٹ صاحب ہیں مہمان اسکے
کبھی لاٹ صاحب کا وہ میہماں ہے
نہیں ہے ہمارے برابر وہ ہرگز
دیا ہم نے ہر صیغے کا امتحاں ہے
وہ انگریزی سے کچھ بھی واقف نہیں ہے
یہاں جتنی انگلش ہے سب بر زباں ہے
کہا ہنس کے اکبر نے اے بابو صاحب
سنو مجھ سے جو رمز اس میں نہاں ہے
نہیں ہے تمہیں کچھ بھی سید سے نسبت
تم انگریزی داں ہو وہ انگریز داں ہے

صبح سمجھی کہ بلندی میں بڑھی جاتی ہے
زلف خوش ہے کہ یہ پھانسی پہ چڑھی جاتی ہے
وہ ہے نافہم یہ عیار محل ہے نازک
اہل بینش میں یہ اک نظم پڑھی جاتی ہے

دارد آں آفت جاں حسن و جمال عجبے
چشم مست عجبے دارد و خال عجبے
او بتاراج دلم مائل و من مائل او
او بہ فکر عجبے من بہ خیال عجبے

شاعر کے ایک گم شدہ مضمون کے چند اشعار

اک رنگ پہ یہاں کوئی شے رہ نہیں جاتی
وہ شوکت و شان جم و کے رہ نہیں جاتی
یورپ کی ترقی کا چمکتا ہے ستارا
توقیر عرب عظمت کسرے رہ نہیں جاتی
دلکش نظر آتا ہے بہت لفظ مبسر
تزئین رخ بہمن و دے رہ نہیں جاتی
گڈ بائی کا غل مچتا ہے اطراف جہاں میں
تسلیم نہیں رہتی ہے سبحہ رہ نہیں جاتی
عالم کو لبھاتی ہیں پیانو کی صدائیں
بلبل کے ترانوں میں وہ لے رہ نہیں جاتی
آہنگ طرب کیلئے چھڑتے ہیں نئے ساز
دمسازی احباب کو نے رہ نہیں جاتی

زاہدوں سے بدل جاتی ہیں ساقی کی نگاہیں
وہ گردش پیمانہ وہ مے رہ نہیں جاتی

ہوتی ہے بہت سخت یہ منزل مگر اکبر
ہمت ہو تو پھر ناشدہ طے رہ نہیں جاتی

مواقع خاص

سنہ ۱۹۰۷ء حسب فرمائش پنچ

زمزمہ اوجِ فلک پر ہے یہی ہر برڈ[1] کا
زینتِ گیتی ہے ملکِ اعظم برطانیہ
ہے یہی مفہوم رشتے ارض پر ہر ورڈ[2] کا
سکہ بیٹھا ہے دلوں میں حضرت اڈورڈ کا

راجہ صاحب سے شیخ جی نے کہا
اب بھروسہ حضور پر نہ رہا

مجھ کو چھوڑا اِمام باڑے میں
ہو گئے خود نیچری اکھاڑے میں

جیب خالی پھرا کیا بندہ
لے گئے غیر اسقدر چندہ

راجہ صاحب نے ہنس کے فرمایا
کیوں مزاج آپ کا ہے گرمایا

بزم قومی میں میں شریک ہوا
جو ہوا ہر طرح سے ٹھیک ہوا

آپ پر بار صرف داڑھی ہے
یاں ریاست کی فکر گاڑھی ہے

جب حکومت کرے خود اسکا ڈفنس
کیوں نہ ہوں میں شریک کانفرنس

مجھ کو ہے شوق علم و دانش سے
کیوں میں رکتا پھر اپنی خواہش سے

نہ ہو تسکین وہ جو یہ توضیح
تو میں کر دونگا دوسری تشریح

مجھ پہ کرتا تھا اعتراض حریف
دل میں آیا مرے یہ شعر لطیف

دفتر اعتراض سوختہ بہ
دہن او بہ چندہ دوختہ بہ

سن رہے تھے سماع مولانا[3]
اسی حالت میں انتقال ہوا

واہ کیا خوش نصیب تھے حضرت
عالم وجد میں وصال ہوا

ہزار و شش صد و شش از جہاں رفت
بیامد یک ہزار و نہ صد و ہفت

ممدوحِ خاص و عام ہیں لالہ نہال چند
در اسکے فیض کا کبھی رہتا نہیں ہے بند

[1] طائر [2] لفظ [3] مولانا محمد حسین صاحب سنہ ۱۹۰۷ء

چندے سے وصول کرنے کو ہیں پیشوا بہت
سب کرتے ہیں مباحث قرآن و بید و ژند
لیکن دقیق و سخت جو ہوتا ہے کوئی کام
اس وقت میں جناب ہی ہوتے ہیں دردمند
حکام کے حضور میں کرتے ہیں التماس
قانون سے جو ہوتا ہے کچھ شبہ گزند
تقریر رزنٹ بل پہ جو کی ملک بول اٹھا
این کار راز تو آید و مرداں چنیں کنند

سنہ ۱۹۰۷ء آغاز تشریف آوری میں کہا گیا تھا

خلاف حق چو حریفاں زراہ میگردند
ز فیض حکمت او روبراہ میگردند
مکرم است بہ ہندوستاں شہ کابل
بتاں بہ گرد حبیب اللہ میگردند

موت جلدی میری مشت استخواں کو سونگھ کر
چونک اٹھا اکبر غرض خواب گراں سے اونگھ کر
یہ سمجھنا چاہیے خالق نے جو صحت یہ دی
بہر استغفار اپنے فضل سے مہلت یہ دی

بعلالت سنہ ۱۹۱۵ء

حضرت کی وفات سے ہے ہر اک دلریش
رکھتے تھے عزیزاں کو بیگانہ و خویش
کیا کیا صفتیں تھیں جمع انمیں اکبر
حافظ۔ حاجی۔ طبیب عالم۔ درویش[1]

طلعت اسمے چوں فرستادی زراہ لطف و مہر
جوش زد از دل سرور و لطفہا اندوختم
بسکہ شوق دعوت وابسیچ در دل داشتم
محفلے ترتیب دادم شمعہا افروختم
خادم خاص از پئے آوردنت رفتہ بریل
نصف شب در انتظارت دیدہ بر در دوختم
چوں شنیدم فسخ کردی عزم رفتن بیدریغ
شمع را خاموش کردم خود سراپا سوختم

سید جلال الدین طہرانی ایڈیٹر حبل المتین

تھا باعث الم مرض جانگداز قوم
مدت سے سن رہے تھے علیگڈھ میں ہائے قوم
آخر اودھ نے کالج طبی بنا کیا
شکر خدا کہ ہو گئی پیدا دوائے قوم

ملال کا تو محل اے حضور کچھ بھی نہیں
خدا گواہ ہے میرا قصور کچھ بھی نہیں
برائے لطف و کرم لائیے یہاں تشریف
الہ آباد علی گڈھ سے دور کچھ بھی نہیں

[1] مولانا محمد حسین صاحب الہ آبادی ۱۲

محبت آپ کی ہے میرے دل میں مستحکم
وداد آپ کی جانب سے میں یہ سمجھا تھا
پنشن کے تنعم سے مجھے ساز نہیں
گو اب آزاد ہوں لیکن مری صحت ہے خراب
ڈپوٹیشن کی سرسبزی جو دیکھی اُس نے شملے میں
کہا ہدہد نے بھائی تم کو کیوں اس درجہ حیرت ہے
تعجب کیا ہے ہم اس بت کے پہلو میں جو لیٹے ہیں
برہمن نے کہا بس آپ کی باتیں ہی باتیں ہیں
کہا ہدہد نے ہمکو تو مزے سے اپنے مطلب سے
برہمن نے کہا ایسا فزا اعضا کا مضغہ ہے

میں صاف لکھتا ہوں یہ کر دو ور کچھ بھی نہیں
یہ چاہیے کہیے اگر تجھ کو شعور کچھ بھی نہیں
ہوں جو بے شغل تو اکبر یہ کوئی راز نہیں
پر کھلے ہیں مگر اب طاقت پرواز نہیں
برہمن نے کہا یہ شاخ بید اور ایسے گملے میں
تمہارے واسطے کیا محل رشک و غیرت ہے
حرم کے محترم کیا دیر کے خادم سے بیٹھے ہیں
ابھی یہ وصل کی راتیں نہیں ہیں اگلی گھاتیں ہیں
محبت ہو تو ہو انکو امید اس کی یہاں کب ہے
کہا ہدہد نے ہاں ان باتوں سے بندہ بھی واقف ہے

وفات سر سید مرحوم

ہماری باتیں ہی باتیں ہیں سید کام کرتا تھا
نہ بھولو فرق جو ہے کہنے والے کرنے والے میں
کہے جو چاہے کوئی میں تو یہ کہتا ہوں اے اکبر
خدا بخشے بہت سی خوبیاں تھیں مرنے والے میں

سنہ ۱۹۰۶ء

دیکھی جو نمائش چمکا گو
اتنے میں اجل پکاری سر پر
دل نے کہا دین سے کہ بھاگو
بس ہو چکا خواب زیست جاگو

شروع سن میں ہیں آئی دو گھڑیاں ہم ابھی انکو پہ لکھ چکی ہو
تو دیر پھر کیوں لگا رہی ہو یہ کیا تامل ہے کیوں رکی ہو
مجھی کو سمجھو تم اپنا قبلہ سر ادب کو یہیں کرو خم
وہاں کا یہ چوچلہ میں لطف کیا ہے جو اُٹھا نیکو تم جھکی ہو

علم باری ہیں یہ تپ موت کی تمہید نہ تھی
ورنہ ظاہر ہیں تو کچھ زیست کی امید نہ تھی

سنہ ۱۹۰۵ء میں مصنف کو باری تپ آئی تھی

مولوی محمد کریم صاحب تحصیلدار میجا ضلع الہ آباد ۳؍ دسمبر ۱۹۰۵ء

عمدہ تجھ کو ملی مسلم و خاص ملی　　　تحفہ پایا مراد حسن تمام ملی
ممنون کریم کیوں نہوں اے اکبر　　　وہ دام میں آئے مجھ کو بے دام ملی

اک دوست ہمارے ہیں تپ انکو شدید آئی　　　جھیلا کئے بیماری مدت میں شفا پائی
لاہور کے جلسے میں شرکت کو ہیں اب جاتے　　　حالانکہ ابھی قوت پاؤں میں نہیں پاتے
میں کہتا ہوں جاتے ہو لاہور بلا قوت　　　وہ اسکو سمجھتے ہیں لاحول و لاقوۃ
یہ میری غلط بندش وہ اُنکی غلط فہمی　　　میں حد سے بڑھا شاعر وہ حد سے سوا وہمی

آتا نہیں مجھ کو قبلہ قبلی　　　بس صاف یہ ہے کہ بھائی شبلی
تکلیف اُٹھاؤ آج کی رات　　　کھانا یہیں کھاؤ آج کی رات
حاضر جو کچھ ہو دال دلیا　　　سمجھو اُس کو پلاؤ قلیا
شبلی کا قدم علم کی منزل پہ جما ہے　　　رفتار پہ آزر کی قدم اسکا تھما ہے
جچتی ہوئی ہے بزم سلف اسکے بیاں سے　　　روشن ہیں یہ معنی کہ وہ شمس العلما ہے

یہ کیا سبب ہو جو رُک کے جی بھر آتا ہے　　　یہ کیا ہوا جو مجھے شہر کاٹے کھاتا ہے
یہ خون ہو گئی کیوں میرے دل کی رنگینی　　　یہ داغ دینے لگی کیوں چمن کی گل چینی
اُداس ہو گئی کیوں روح خانۂ تن سے　　　اُچاٹ ہو گئیں کیوں بلبلیں یہ گلشن سے
بحمد اللہ کہ حاصل آپ کو ہر ایک نعمت ہے　　　ذہانت ہے سعادت ہے شرافت ہے لیاقت ہے
علوم مغربی میں نمبر اول آپ کا آیا　　　عزیز و دوست جو ہیں سبکو اس سے اک مسرت ہے
گورنمنٹ آپ کی مداح ہے اس قابلیت پر　　　اکابر قوم کے خوش ہیں ہر اک کو فخر و عزت ہے
پئے تکمیل دانش قصد ہے اب ملک مغرب کا　　　مبارک ہو کہ لندن کا سفر ہے وقت رخصت ہے
مبارک آپ کے احباب کو یہ جلسۂ رخصت　　　حقیقت میں مبارک وقت ہے اور عمدہ ساعت ہے
بخیر و کامیابی آپ واپس آئیں لندن سے　　　یہی سب کی دعا اس دم بصد جوش طبیعت ہے

سلہ ڈاکٹر سلیمان جونپوری، بیرسٹر ایٹ لا ۱۲

مغرب کے مرشدوں سے تو پڑھ چکا بہت کچھ
پیران مشرقی سے اب فیض کی نظر لے
میں بھی ہوں اک سخنور آ سن کلام اکبر
ان موتیوں سے آ کر دامن کو اپنے بھر لے

کانفرنس احباب سے پُر ہے
سب کو یاد استاد کا گُر ہے
جو صفت ہے وہ سلک دُر ہے
دلکش ہر اک اسپیچ کا سُر ہے

قومی ترقی کی رادھا پیاری
نو من تیل کی فکر ہے طاری
بیٹھی ہیں پہنے جوڑا بھاری
چندے کی تحصیل ہے جاری

قوم پر غالب کورٹ کے عملے
پھر یہ چندہ کیونکر دم لے
عملے ٹھہرے پارک کے گملے
کتنا ہی لے کوئی پھر بھی کم لے

لائی ہیں سکھیاں بھر کر جھولی
رنگ میں ڈوبی ہو سب کی چولی
خوب کھلی ہے برج میں ہولی
سب نے زباں اس گیت پہ کھولی

شیخ کو الفت ہو گئی مس کی
اگلی دنیا دھر سے کھسکی
خوب پیئے اب شوق سے وہسکی
بیٹھا کون ہے شرم ہے کس کی

جمع ہیں ممبر بھولے بھالے
آنکھیں پھاڑے دانت نکالے
جاڑوں کا موسم بھولے بھالے
چندہ دے کر کھسکنے والے

بعض ہیں بادہ و جام کے خواہاں
بعض فقط آرام کے خواہاں
مدعیاں رونق دیں ہیں
واقف فن و ہنر سے نہیں ہیں
بعض نمود و نام کے خواہاں
کم ہیں فیض عام کے خواہاں
لیکن باہم برسر کیں ہیں
کم ہیں ان میں جو آخر بیں ہیں

ہر دم قوم کا رونا کیا ہے
مفت میں روپیہ کھونا کیا ہے
ان باتوں سے ہونا کیا ہے
شور زمیں میں بونا کیا ہے

دیکھ کے اک باضابطہ جھنکی
آپ نے سب کی دولت ہیپ کی

دنیا آپ کی جانب لپکی
بزم جمالی خالی گپ کی

یہ وادی ہے طور سے خالی
یہ جنت ہے حور سے خالی

یہ محفل ہے نور سے خالی
پاس سے خالی دور سے خالی

دیکھتا ہے اک عمر سے بندا
ہوتا ہے کچھ کام نہ دھندا

بس یہی باتیں اور یہی پھندا
لاؤ چندہ لاؤ چندا

سید کا جو عہد کہن تھا
حسب ضرورت طرز سخن تھا

اس سکے کا ٹھیک چلن تھا
وقت وہ اور تھا اور ہی رن تھا

بگڑا دیکھا بیٹا بھتیجا
دل کہتا ہے بات کرو جی جا

ایک کا جہلم ایک کا نیجا
ساکت ہو دکھلا کے نتیجا

بھائیوں پر منھ آئے جانا
اگلا قصہ سنائے جانا

گائے گیت کو گائے جانا
اترا ڈھول بجائے جانا

بیٹھے روتے ہیں جن کے لڑکے
دل میں یہی رہتے ہیں دھڑکے

دوڑ رہے ہیں بنگلوں پر تڑکے
ارتہ بیٹھے کوئی بگڑ کے

کیوں رنگ حق پوش میں آؤ
مذہب کے آغوش میں آؤ

غیرت پکڑو جوش میں آؤ
غافل ہندو ہوش میں آؤ

ایک انگریز نے بات یہ کہہ دی
اس بازی کی ہیں نے شہ دی

جس نے ترقی وہ دی یہ دی
کیسے سید کیسے مہدی

گرمیوں میں بچوں کو تھکانا
اور اس پر یہ بات بنانا

شہروں شہروں بھیک منگانا
مفلس لڑکوں کا ہوگا ٹھکانا

آپ کہیں منسوب نہیں ہو

ہم کو تو مرغوب نہیں ہو

عمدہ یہ اسلوب نہیں ہے
ہاں یہ طریقہ خوب نہیں ہے

اس سے بگڑتی ہے قومی حالت
جاتی رہتی ہے شرم کی خصلت
گھٹتے ہو ہو گی جو یہ جمعیت
ہو گا میل بڑھے گی الفت

تڑپو گے جتنا جال کے اندر
جال کھنچے گا کھال کے اندر
کیا ہوا تیس ہی سال کے اندر
غور کرو اس حال کے اندر

کام بہت ہیں لوکل و ذاتی
ان کی فکر تو کی نہیں جاتی
مفت میں بچوں کو کرکے براتی
قوم کی گاتے ہیں بجائی وفاتی

کینہ ہم کو ہے نہ حسد ہے
دل میں نہیں ہے نہ کوئی کد ہے
لیکن یہ ارشاد خرد ہے
بڑائی ہر شے کی اک حد ہے

آزادی کی پی کے برانڈی
آپ چلاتے ہیں ڈنڈا بازی
گاتا ہے قومی کشتی کا ڈانڈی
مکتب گرم ہے سرد ہے ہانڈی

بزم عزا میں کیوں نہ ہو شرکت
جس سے ہو دل میں پیدا عبرت
صوفیوں کی کیوں ڈھونڈیں نہ صحبت
قلب کو جس سے ہو تجھے فرحت

یہ بے معنی مجلس کیسی
یہ ناحق کی گھس پھس کیسی
یہ بے حکم کی آتش کیسی
بات یہ سٹرم پریس کیسی

ہو گیا عقل میں کون اضافہ
خوشبو پھیلی نہ دیکھا نافہ
دیکھ لیا یاروں کا قیافہ
پایا بس خوش رنگ لفافہ

قوم سے اس کی گاڑھی کمائی
آپ نے فقرے دے کے اڑائی
اور وہ یوں بے سود گنوائی
شاد لندن تیری دہائی

دور کرو تدبیر کے ریشے
صناعی کے چلاؤ تیشے
قوم میں پھیلیں فن اور پیشے
تا کہ کٹیں افلاس کے ریشے

تم ہوئے کر جاہ میں اُلجھے
ناقصوں کی داد میں اُلجھے
شہرت و شان کی چاہ میں اُلجھے
دل کیوں کر اللہ میں اُلجھے

خالق کی توحید سکھاؤ
ملحد کی تردید سکھاؤ
عقبیٰ کی تمہید سکھاؤ
روحانی اُمید سکھاؤ

مذہب کی تعلیم زبانی
تا خود جو نہ ہو حقانی
طوطا مینا کی سی کہانی
پھر تو مکتب ہے شیطانی

جب ہوں گرو جی خود البیلے
راہ پر آئیں کیونکر چیلے
خوب رچائیں میلے ٹھیلے
مندر میں کیوں جائیں اکیلے

آگو خود جب حق سے ہو غافل
ساتھی کیوں نہ چلیں رہ باطل
دنیا ہی دنیا دل میں ہو داخل
کیونکر دین ہو اُن کو حاصل

جس نے خیمہ یہاں پر گاڑا
لیکن قوم کو کیوں ہے پچھاڑا
اُس کو مبارک ہو یہ اکھاڑا
اس نے تمہیں یہ گلا کیوں پھاڑا

عشرتِ گھر کی محبت کا مزا بھول گئے
کھا کے لندن کی ہوا عہدِ وفا بھول گئے

پہونچے ہوٹل میں تو پھر عید کی پروا نہ رہی
کیک کو چکھ کے سویوں کا مزا بھول گئے

بھولے ماں باپ کو اغیار کے چرچوں میں وہاں
سایۂ کفر پہ اور خدا بھول گئے

موم کی پتلیوں پر ایسی طبیعت پگھلی
چمن ہند کی پریوں کی ادا بھول گئے

کیسے کیسے دلِ نازک کو دکھایا تم نے
شب ہے فیصلۂ روزِ جزا بھول گئے

بخل ہے اہلِ وطن سے جو وفا میں تم کو
کیا بزرگوں کی وہ سب جود و عطا بھول گئے

نقلِ مغرب کی ترنگ آئی تمہارے دل میں
اور یہ نکتہ کہ مری اصل ہے کیا بھول گئے

کیا تعجب ہے جو لڑکوں نے بھلایا گھر کو
جبکہ بوڑھے روشِ دینِ خدا بھول گئے

بنام منشی نثار حسین صاحب مہتمم پیام یار لکھنؤ

نامہ کوئی نہ یار کا پیغام بھیجئے
اس فصل میں جو بھیجئے بس آم بھیجئے

ایسے ضرور ہوں کہ انھیں رکھ کے کھا سکوں
پختہ اگر ہوں بیس تو دس خام بھیجئے

معلوم ہی ہے آپ کو بندہ کا ایڈریس
سیدھے الہ آباد مرے نام بھیجئے

ایسا نہ ہو کہ آپ یہ لکھیں جواب میں
تعمیل ہوگی پہلے مگر دام بھیجئے

مرثیہ

دھرم پور آج کیوں اسدرجہ وقفِ حسرت و غم ہے
یہ کیا باعث کہ برپا ہر طرف اک شورِ ماتم ہے

الٰہی کیا قیامت آگئی ہے کیا یہ عالم ہے
کہ جسکو دیکھئے مغموم ہے با چشم پر نم ہے

یہ ماتم ہو رہا ہے کس کی مرگِ ناگہانی پر
گری برقِ اجل بے وقت کسکی نوجوانی پر

کنور عبد العزیز اک نوجواں ماں باپ کا پیارا
گلِ باغِ ریاست اور ہر اک کی آنکھ کا تارا

اسے دورِ فلک نے ناگہاں تیرِ اجل مارا
کسی کا بس نہیں اللہ کی مرضی میں کیا چارا

تلاطم ہے ریاست میں عزیزوں کا جگر خوں ہے
ہوا خواہوں کو صدمہ ہے دلِ احباب محزوں ہے

تماشے دیکھتے ہیں آپ اس دنیائے فانی کے
ابھی ہے بات کل کی غلغلے تھے شادمانی کے

امنگیں تھیں مزے تھے ولولے تھے نوجوانی کے
عیاں تھے ہر طرف اسبابِ عیش و کامرانی کے

ابھی یہ دیکھئے آہ و بکا ہے شور و شیون ہے
جنازہ اٹھ رہا ہے اہتمامِ گور و مدفن ہے

رہو خاموش اکبرؔ شور و فریاد و فغاں تا کے
یہ آہ آتشیں یہ قصۂ سوزِ نہاں تا کے

سمجھ لو خود تمھیں کہنا ہے غم کی داستاں تا کے
اگر سارا جہاں بھی ہو تو پھر سارا جہاں تا کے

اگر تاریخ رحلت تم کو لکھنی ہے صفائی سے
رہو ساکت ملا دو صبر کو داغِ جدائی سے

سنہ ۱۳۱۵ ھ　۱۰۲۳　۲۹۲

قصیدہ مبارکباد جشن جوبلی ملکہ معظمہ قیصر ہند دام اقبالہا
حسب ایمائے مسٹر بادل صاحب جج ۱۸۸۷ء

زمانہ میں خوشی کا دور ہے عشرت کا ساماں ہے
ہر اک گل ہر اک غنچہ جہاں میں آج خنداں ہے

کوئن وکٹوریہ کی جوبلی کی دھوم ہے ہر سو
ادھر ہے نغمۂ عشرت ادھر نور چراغاں ہے

جدھر دیکھو کھلی پڑتی ہیں کلیاں صحن گلشن میں
بھرا جوش مسرت سے ہر اک مرغ خوش الحاں ہے

بساں بوئے گل ہر اک ہے باہر اپنے جامے سے
نسیم گلشن عیش و مسرت عطر افشاں ہے

چمک کر ہو گیا زیر فلک رشک قمر ہر گھر
یہی شب ہے کہ جس کا نور رشک ماہ تاباں ہے

فروغ اپنا جو دکھلاتی ہیں آتش بازیاں ہر سو
کواکب منفعل ہیں دیدۂ افلاک حیراں ہے

کہیں ہے رقص کی محفل کہیں ہے جلسۂ دعوت
کہیں تصویر بنتی ہے کہیں شمع چراغاں ہے

کہیں خیرات خانے جاری ہوتے ہیں کہیں مکتب
کہیں تقسیم کپڑوں کی پئے فصل زمستاں ہے

اثر جوش مسرت کا ہے ہر ادنیٰ و اعلیٰ پر
کوئی فرماں روا ہے یا کوئی کم مایہ دہقاں ہے

کوئی ہے محو آسائش کوئی مصروف آرائش
شگفتہ مثل گل چہرہ ہے دل شاداں و فرحاں ہے

تعجب کیا اگر ایسی خوشی ہے اہل عالم کو
یہ حیرت کیا جو قیصر کا ہر اک دل مدح خواں ہے

سر آرائی پنجاہ سالہ جشن جوبلی سے
محل لطف باری ہے مقام شکر یزداں ہے

یہی ہندوستاں سب کہتے ہیں جنت نشاں جس کو
کوئن وکٹوریہ کے عہد میں رشک گلستاں ہے

ہے اس امن و اماں سے ناظر حال رعیت ہیں
ہری کھیتی زمینداروں کی ہے سرسبز دہقاں ہے

کمی بدلی کرے گر قطرہ افشانی میں کیا پروا
کہ فیض نہر داماں زمیں پر گوہر افشاں ہے

نظر سلطان کی ہے خاص تعلیم رعایا پر
اشاعت علم کی یہ ہے کہ سب کی عقل حیراں ہے

ہزاروں مدرسے قائم ہوئے ہیں سیکڑوں کالج
جہاں فکر ارسطو بھی بس اک طفل دبستاں ہے

جہاں چلتا نہ تھا کچھ زور دوراں [illegible]
[illegible]

[illegible]
[illegible]

تجارت کی بھی ایسی ہو رہی ہے گرم بازاری
کہ سامان معیشت جنس دلسے بھی اب ارزاں ہے

طلسم تازہ دکھایا کارخانہ تار برقی کا
زبان تار پر وہ بات ہے جو دل میں پنہاں ہے

شب تیرہ میں بھی وہ نور ہے اقبال قیصر کا
کہ ہر ذرہ نگاہ دزد میں مہر درخشاں ہے

رعایا کے حقوق اسطرح محفوظ رہتے ہیں
ادھر قانون حامی ہے ادھر حاکم نگہباں ہے

محبت بڑھ رہی ہے فاتح و مفتوح میں باہم
گرہ جو دل میں تھی وہ اب مثال در غلطاں ہے

پریس کو بھی ہے عہد قیصری میں کامل آزادی
زبان خامۂ مضمون نگاران سیف براں ہے

توجہ سے شہنشاہ عالم کا ہو نکی طرف سب کی
کوئی ہے علم کا طالب ہنر کا کوئی خواہاں ہے

شفا خانوں نے ثابت کر دیا ہے اس مقولے کو
لئے ہر رنج راحت ہے لئے ہر درد درماں ہے

خلوص صدق دل سے ہے دعا ہندو مسلماں کی
کہ یارب جبتلک یہ گردش گردوں گرداں ہے

فروغ مہر سے جبتلک ہے زینت عالم
نشاط انگیز جبتلک انتظام باد و باراں ہے

دل اہل جہاں ہے جبتلک مرکز تمنا کا
ہوائے آرزو جبتلک محیط قلب انساں ہے

خدا کے نام کی عزت ہے جبتلک اہل دانش میں
تجلی علم کی جب تک چراغ راہ عرفاں ہے

ہماری حضرت قیصر رہیں اقبال و صحت سے
کہ جبتک آفتاب عدل اس کشور پہ تاباں ہے

خدا اے عشرتی تم کو ہمیشہ شادماں رکھے
خلائق سے تمھیں خوش انکو تم پر مہرباں رکھے

کرے ممتاز تمھاری طبع کو رنگیں خیالی سے
تمھارے دفتر دل کو گلستاں و بستاں رکھے

ہند میں ہیں ہم مگر اپنی نظر لندن میں ہے
سینہ پر غم ہے یاں لخت جگر لندن میں ہے

دفتر تدبیر تو کھولا گیا ہے ہند میں
فیصلہ قسمت کا اے اکبر مگر لندن میں ہے

آنکہ نونہال خوبی ماہ دو ہفتۂ من
در نو بہار عمرش رفت از فضائے ہستی

پیمانۂ مے غم سرشار و مستم کرد
رفتم سر مزارش در بیخودی و مستی

آہے ز دل کشیدم گفتم کہ اے مہ من
با ایں کمال و رفعت نسبت است میل پستی

آخر چہ پیش آمد اے شمع محفل من
آخر چہ شد کہ رفتی اے رونق گلستاں
اے برق وش چہ داری نسبت بگو زتیرہ
اے خوش نگاہ داکن چشماں سحر آگیں
ناگہ ندائے از غیب آمد بگوش جانم
آں را کہ شعلہ خوانی وآں را کہ برق دانی
آں رنگہا پرید و بویش بماند رازے
عبرت کشود چشم حیرت بہ ہوشم آورد

در گوشۂ دل شتی و زانجمن گسستی
در موسم بہاراں رنگ چمن شکستی
اے شعلہ رو چہ باک تربت چرا نشستی
چیزے بگو بہ عاشق لبہا چرا ببستی
کاے بےخبر ز ایماں اے محو بت پرستی
آں جملہ بود رنگ نقش طلسم ہستی
رازے کہ کس نداند در بند خود پرستی
در سینہ دفن کردم جوش و خروش ہستی

تاریخ فوت گفتم در صنعت عجیبے
بوٹا بروں شد اکبر از گرد باغ ہستی
۲۰۹ ۲۰۲ / ۲۰۹ سنہ ۱۲۹۳ء

بیکار جگر ہے مضمحل گردہ ہے
گو نبض زبان سے زندگی ہو ظاہر
جس دوست کو دیکھئے وہ افسردہ ہو
دل کو جو ٹٹولئے تو وہ مردہ ہے

بہتر ہے یہی کہ اب علیگڑھ چلیے
جس فن کا ہو درس ہو جیئے اسمیں شریک
رُک کے نہ کسی کیواسطے بڑھ چلیے
جو پیش آئے سبق لیے بڑھ چلیے

ہندی سا بزرگ صاحب جاہ تو ہے
منزل کا اگر پتہ نہیں ہو نہ سہی
سنجیدہ کلام کے لئے واہ تو ہے
دلکش روشیں ہیں دلکشا راہ تو ہے

یہ نظم ایک لمبی تمہید و تحسین کے ساتھ ۱۶ مئی ۱۹۰۲ء کے انسٹیٹیوٹ گزٹ میں چھاپی گئی میں نے پرائیوٹ خط لکھا تھا۔
مولانا سے کر دی،

پھر سے ایک مولوی صاحب جو کل دربار دہلی سے
یہ پوچھا میں نے کچھ لائے بھی تم سرکار دہلی سے

وہ بولے ہنسکے اے اکبر کہوں کیا تجھسے حال اپنا
اسی مطلع سے بس کرتا ہوں اظہار خیال اپنا

ادھر سرخی مرغ گلگو کی تھی انڈے کی زردی تھی
ادھر ریش سپید بنی تھی اور شدت سے سردی تھی

مولانا محو عشق یزدانی تھے
بیشک اس عہد میں وہ لاثانی تھے
بھولیں نہ کبھی انہیں محبانِ رسول
یعنی رجبی شریف کے بانی تھے

مقام آگرہ

ڈپٹی صاحب جو یہ ہیں زینت عباد جہاں
للّو پتو سے الگ اور زوائد سے بری
ساز پر ہاتھ پڑا اور ہوئے رخصت آپ
انسپکٹر ہیں جو یہ خان بہادر صاحب[1]
نیچ کی جلسوں میں بھی تہذیب کی تصویر ہیں آپ
دوستوں کیلئے بازو کا ہیں تعویذ جناب
شان اللہ کی ہیں برکت[2] واسرار[3] و مجید[4]
فیض اُن کا سبب رونق عیش احباب

پختہ وضعی کے ہیں انداز دکھانے والے
بس مصلے ہی پہ ہیں چھاؤنی چھانے والے
رنگ گئے ڈھول کے منہ بین بجانے والے
رعب حاکم دل دنیا پہ بٹھانے والے
اگلے اسلام کے ہیں یاد دلانے والے
رہزنوں کو یہ ہیں سولی پہ چڑھانے والے
انکے اخلاق کے قائل ہیں زمانے والے
تاج زریں سر عشرت[5] پہ اڑھانے والے

۱؎ خان بہادر مولانا شاہ محمد حسین صاحب (۲) مولوی برکت اللہ صاحب رئیس غازیپور۔ ۳؎ اسرار حسین خانصاحب مدار المہام ریاست بھوپال ۴؎ خان بہادر عبد المجید خانصاحب مرحوم
۵؎ سید عشرت حسین ۱۲

متفرقات

الف

ترے پرتو سے ایجاں جہاں ظلمت میں نور آیا
ترے فیضِ تجلی سے یہ ذرّوں میں شعور آیا

لطافت کو نہ چھوٹے رنگ تیری شادیِ غم کا
ہنسی آئے تو پھولوں کی جو رونا ہو تو شبنم کا

ترا چہرہ ہے منظرِ چشمِ شوق نورِ عرفاں کا
ترا عشوہ ہے مصدر جلوہ ہائے فیضِ یزداں کا

شباب عمر نے کھویا طمع نے دین لیا
فلک نے ہم سے بڑی نعمتوں کو چھین لیا

ہو لے دے بھی ہو عنبر افشاں عروج بھی مہ جبیں کا
نثار ہو سکے دل جو اجازت محل نہیں ہے نہیں نہیں کا

تا چند پرسی ای خرد ایں از کجا دیں از کجا
تو از کجائی ایں بگو تا گویمت دیں از کجا

مزے سے زندگی کٹتی جو دل قابو میں آ جاتا
مگر ایسا تو جب ہوتا کہ وہ پہلو میں آ جاتا

مرتبہ اس سے بھی دنیا میں سوا ہو آپ کا
یاد رکھے گا کہ میں بھی ہوں دعاگو آپ کا

نہ ہو یادِ خدا تو نورِ باطن ہو نہیں سکتا
نہ ہو طالع اگر خورشید تو دن ہو نہیں سکتا

بنگالی ہاتھ میں قلم لے تو کیا
ہندی کی نجات ہے نہایت مشکل
مسلم جو مثالِ بزمِ جم لے تو کیا
سو مرتبہ مر کے وہ جنم لے تو کیا

نہیں ہے رحم قاتل میں یہی ہوتا تو پھر کیا تھا
کہاں ہے صبر یاں دل میں یہی ہوتا تو پھر کیا تھا

ہجوم بلبل ہوا چمن میں کیا جو گل نے جمال پیدا
کمی نہیں قدرداں کی اکبر کرے تو کوئی کمال پیدا

آپ کا برتاؤ موسم کے موافق تھا حضور
واقعی اس کے اثر سے دل بخوبی رنگ گیا

کدھر ہے رنگ مخالفت اب زمانہ بالاتفاق بدلا
خود اپنے نورِ نظر کو دیکھو نگاہ بدلی مذاق بدلا

تری ترچھی نظر سے ہم کو ڈر کیا
محبت کی تو پھر دل کیا جگر کیا

اک فلسفہ ہے تیغ کا اور اک سکوت کا
باقی جو ہے وہ تار ہے بس عنکبوت کا

لہ شعرے نادر فارسی ۱۲

باہم شبِ وصال غلط فہمیاں ہوئیں — مجھ کو پری کا شبہہ ہوا اُن کو بھوت کا

ہنگامِ نزع ہوش جو غائب ہوئے تو کیا — اس وقت وہ غرور سے تائب ہوئے تو کیا

مناسب ہے یہی دل پر جو کچھ گذرے لیے سہنا — نہ کچھ قصہ نہ جھگڑا نہ کچھ سننا نہ کچھ کہنا

تماشہ دیکھ اک ہر دیدۂ عبرت سے دنیا کا — اجل کی نیند جب آئے لحد میں جاکے سو رہنا

بُت نہ کہتے ہیں جسے ہے یہ ہمارا بندہ — ہے بھی ایسا کوئی اللہ کا پیارا بندہ

اُنھیں غمزوں میں آساں ہے معانی کا ادا کرنا — مجھے لفظوں میں مشکل ہے بیاں مدعا کرنا

عشوہ و ناز و ادا سے مسکرانا آ گیا — چشمِ بد دور آپ کو بجلی گرانا آ گیا

سراسر جلوۂ حسنِ بتاں زلفِ لیلےٰ تھا — محلِ رشک اس بازار میں مجنوں کا سودا تھا

سمجھے تھے لوگ جسکو ہمارا اُنھیں کا تھا — کچھ غل مچا تو یہ بھی اشارا اُنھیں کا تھا

اب سانس بھی نہ لیں گے دبائیں گلا وہ کیوں — ہمکو تو زندگی میں سہارا اُنھیں کا تھا

اُٹھنے دیا نہ کیوں مرے ذرات خاک کو — اے چرخ اوج پر تو ستارا اُنھیں کا تھا

آزادیوں کے شوق میں اُبھر اٹھا دل اگر — اسکی خطا نہ تھی وہ اُبھارا اُنھیں کا تھا

خضر سمجھے ہو جسے غولِ بیابانی ہو — غلط اُمید کے جنگل میں تھکا ماریگا

جانستانی میں نہ چھوڑیگا دقیقہ باقی — دلستانی کے لیے لافِ وفا ماریگا

کفر ہے معنی میں تیرے لفظ ہے اسلام کا — نفس نے اک حیلہ پایا ہے خدا کے نام کا

کہتے ہیں مغلوب ہے اکبر خیالِ حور سے — کہدو یہ بہتر ہے چھوٹے بسکٹوں کے چورے

راہِ وحشت میں اگر قیس سے لغزش ہو جائے — حیف لیلےٰ پہ جو آمادۂ کاوش ہو جائے

وہ دست درازیوں سے کب ہو تائب — ہے حافظِ دیں پہ شمعِ فکرِ صائب

نعمت ہو جو علمِ دیں تو پھر دیں بھی جائے — گل ہو جو چراغ ابھی ہو بگڑی غائب

عفو کن یارب اگر تنفہ سے نہ باندھ برقرار — دل بہ پہلو ہست دارم با شباب افتادہ است

چراغِ دیر بھی دیکھا حرم کی شمع بھی دیکھی دوست — اسی سے چشمِ بصیرت نے کہدیا ہمہ اوست

ہیں تو اُس باغ میں مرے ہم سِن بہت	سنئے یہ خیال جس میں ہو وہم بہت
قومی مجلس میں اب سخن فہم ہیں کم	دربار میں گو کہ ہیں گزٹ فہم بہت
دیکھ کاریگری حضرت سید اے شیخ	دیکھئے لوح و مذہب میں کمال کیسے طرح
بحر ہستی کا یہی دور چلا جاتا ہے	برف کی طرح جمے بہہ گئے پانی کی طرح
بھروسہ اُنپہ کرکے مجھکو پچھتانا پڑا آخر	بڑا دعوے کیا تھا میں نے شرمانا پڑا آخر
ولولے اُٹھتے ہیں دل میں دیکھ کر انکا جلال	حوصلے ہوتے ہیں پست اُن کی نظر کو دیکھ کر
مقابل کفر کے تھی وہ نمود اسلام کی اکبر	مگر اب انقلاب دہر سے باقی کہاں کافر
تمہاری قبلہ مقصود ہیں ہندو "برادر" ہیں	زمین شعر میں بس رہ گئی زلف بتاں کافر
زن زمیں زر تو ہے فساد کا گھر	لیکن اتنا کہوں گا اے اکبر
زن منکوحہ و شریفہ و غریب	کیا عجب ہے کرے جو امن نصیب
ہو جو بس آمد زر تنخواہ	تو نہیں حاجت وکیل و گواہ
ہو جو تھوڑی سی باغ ہی کی زمیں	تو کلکٹر کا ڈر زیادہ نہیں
شراب الفت سے مست ہیں یاں قناعت سے ہم ہیں سرخوش	نہیں ہے کچھ باہمی تعلق تو اپنے گھر خوش ہم اپنے گھر خوش
سخن شناس سے میں چاہتا ہوں داد سخن	خوشی کے واسطے کافی ہے مجھ کو واہ فقط
سوسائٹی نہیں ملتی کہ جس سے دل بہلے	جو کوئی مونس و ہمدم ہے اب تو آہ فقط
شرف ہے جبکہ بیرسٹری سے جن کو یہاں	مقدموں ہی کی وہ دیکھتے ہیں راہ فقط
بیاض شعر سے مطلب نہیں کلرکوں کو	رجسٹروں ہی کو کرتے ہیں وہ سیاہ فقط
رزق بااحتیاج جب دے تجھے اللہ پاک	کر عبادت میں بسر اور سر کو رکھ بالائے خاک
پالیسی مسلم کی دیکھی اور ہندو کی ترنگ	اُسمیں ہے اکثر رکاکت یہ ہے اکثر خوفناک
بیٹھا رہا میں صبح سے اُس در پہ شام تک	افسوس ہے ہوا نہ میسر سلام تک
دلوں پہ مارتے جاتے ہیں چھاپہ شکسپیر	پڑھو گے حضرت سعدی کی بوستاں کب تک

تمھیں سے اُٹھ گیا مردی کی شرم کا پردہ
اس انقلاب کا اب انقلاب ہے دشوار

تو پھر لقائے نقاب رخ زناں کب تک
رہو گے منتظر مہر آسماں کب تک

نہ نرے اونٹ ہو نہ بلڈاگ
چال ہے اعتدال کی اچھی
جس نے دیکھا ہو گیا عاشق

نہ تو مٹی ہی ہو نہ تم ہو آگ
ساز حکمت کا جوڑ ہے یہ راگ
واہ رے صورت واہ رے خالق

فیض کالج سے جوانی رہ گئی بالائے طاق
وہ چراغوں سے ہیں جلتے ایسے ہیں روشن ضمیر

امتحاں پیش نظر اور عاشقی بالائے طاق
کہتے ہیں رکھئے پرانی روشنی بالائے طاق

اپنی زباں میں شمع یہ کہتی ہے راز دل
کیوں کرنے لگے وہ مجھ گدا سے باتیں

رد شن نفس نہیں نہ ہو جس میں گداز دل
زوروں پہ ہیں کرتے ہیں ہوا سے باتیں

میں سجدے میں کہہ رہا ہوں سبحان اللہ
یہی کافی ہے مجھ کو اہل ایماں با صفا سمجھیں
رقیبوں نے بہت نظمیں پڑھیں اور دُرفشانی کی
کوئی کہتا نہیں ساحر ہوں فطرت کا ماہر ہوں
میں اپنے نوکروں کو ڈھونڈھتا پھرتا ہوں نکلے ہیں
جو محو ہیں کثرت زینت کے عقبیٰ و خدا سے غافل ہیں
ممکن نہیں ہم اُن کی کوئی بات ٹال دیں
طاعت حق پر دو میلان دل قوم اب کہاں
پتا میرا یہی ہے منزل ہستی میں اے اکبر
بصارت نے کمی کی انحطاط عمر میں اکبر
مرے ساز سخن سے پست فطرت کو تنغص ہے
جو بات مناسب ہے وہ حاصل نہیں کرتے

بٹلوں[1] میں وہ کرتے ہیں خدا سے باتیں
نہیں پروا منافق بد کہیں مرتد بُرا سمجھیں
یہ اشک آنکھوں میں بھر لایا بلاغت اسکو کہتے ہیں
یہیں تک فخر کی حد ہے میں ڈپٹی ہوں میں ناظر ہوں
کوئی ہے۔ لاکھ کہیئے کون کہتا ہے کہ حاضر ہوں
ارباب بصیرت کے آگے حشرات الارض میں داخل ہیں
دیں حکم اگر تو سینہ سے دل کو نکال دیں
وہ نماز صبح دم خیر من النوم اب کہاں
مرید حضرت دل ہوں مقیم خانۂ تن ہوں
بصیرت ہے تو آنکھیں مجھ سے اب آنکھیں چراتی ہیں
پیانو بے سرا سمجھا گیا بزم شغالاں میں
جو اپنی گرہ میں ہے اسے کھو بھی رہے ہیں

[1] غبارہ ۱۲

بے علم بھی ہم لوگ ہیں غفلت بھی ہے طاری / افسوس کہ اندھے بھی ہیں اور سوتے بھی ہیں

چہرۂ یورپ کا میں پروانہ ہوں / اس کی ہر اک بات کا دیوانہ ہوں
شب میں پیدائش ہوئی ہے پیش شمع / جلوۂ خورشید سے بیگانہ ہوں

جو حسرت دل ہے وہ نکلنے کی نہیں / جو بات ہے کام کی وہ چلنے کی نہیں
یہ بھی ہے بہت کہ دل سنبھالے رہیے / قومی حالت یہاں سنبھلنے کی نہیں

حواس و فہم میں الجھے ہوئے ہیں / برات وہم میں الجھے ہوئے ہیں
خدا تک ہے رسائی سخت دشوار / سب اپنے وہم میں الجھے ہوئے ہیں

۱۸۷۵ء

دینی پہلو کو لے برادر دیکھو / کانٹوں سے ہو محترز گل تر دیکھو
نظم اکبر ہوئی ہے منقوش قلوب / آنکھیں ہوں اگر خدا کا دفتر دیکھو

قرآن سے واقف ہیں نہ انجیل کے پیرو / باایں ہمہ ہے شوق ترقی میں تگ و دو

ادبار کے ہیں یہ دن اولوالعزم نہ ہو / ہوتی ہے شکست مائل رزم نہ ہو
رونق محفل کی اب نہیں ہے مجھ سے / گوشے ہی میں بیٹھ عازم بزم نہ ہو

خدا رکھے سلامت اُس نظر کو / کہ جس نے سیم کو چھوڑا نہ زر کو

مرشد نے کہا اُٹھ کے حضرت مسٹی لنسی جو ہے رت تو وہ ہو / گھر چھوڑ کے بیٹھے بنگلے میں طاقت نسی نیت تو وہ ہو
اُس نقش کی کر دو خیانت پوری تقدیر رہیگی پھر نہ بری / راس آئیگی تم کو بادخوری مجلس تو وہ ہو صحبت تو وہ ہو

تصدیق ادھر شوق اُدھر بالارادہ چھوٹا / اس سے زیادہ مگر نہ اس سے زیادہ چھوٹا
عارض نہ اُنکا گل ہے نہ دل میرا آئینہ / رنگین چھوٹا وہ ہے اگر یہ ہے سادہ چھوٹا

ہوا ہوں میں منحنی نہایت دبا رہا ہے فلک کا غمزہ / عرب تصرف کرے تو شاید الف کی صورت میں آئے ہمزہ

ملکی ترقیوں میں دو سالے نکال لئے / ملیں نہیں تو خیر رسالے نکال لئے
کافی ہے بہر شغل کلیسائے فکر رزق / اب دل سے مسجد اور شوالے نکال لئے

سر اسر نور تقوے سے سایہ پر قربان کر آئے
فرق کیا واعظ و عاشق میں بتائیں تم سے
یہی فتوائے نیچر ہے کہ ہم بھی ہو رہیں اُسکے
ملائیں کس طرح شرحِ صدر پر نزلہ ہے مذہب کا
مگر قومی اطبا دور ہی کر دیں گے یہ نزلہ

یہ کیا اچھا کیا تم نے اگر زر کھو کے مِس لائے
اُس کی حجت میں کٹی اسکی محبت میں کٹی
زر اُنکا زور اُنکا علم اُنکا سلطنت اُنکی
بہت اونچے سروں میں بج رہی ہے اب تو گت اُنکی
تو ہی اطفال کو کر دے گی آخر تربیت اُنکی

تھا شوق ادائے طاب اک حُسن کلیسانہ
دیوانہ تھی قوم عشق میں پریوں کے

اکبر نے جو فکر کی تو وہ بات بنی
بگڑی گئی اور غلام جنات بنی

جبتک ہے ہم میں قومی خصلت باقی
چالیس برس کی بات ہے شاید یہ

بیشک پردے کی ہے ضرورت باقی
بعد اسکے رہے گی پھر یہ حجت باقی

زاہد کی طبع دیکھ کے اُس بت کو لچ گئی
اکبر ہی تھا کہ دین میں دل کو چھپا لیا

وہ کیا تمام ملک میں اک دھوم مچ گئی
وہ بھی کہاں بچا یہ کہو جاں بچ گئی

شیخ و سید سے تو خالی نہیں ذکرِ شاعر
ذات سے اُنکی مخاطب نہیں فکرِ شاعر

طبعِ مجنوں مری ہے عاشقِ ملت اے دوست
کیوں روا رکھتا ہے ناحق مری ذلت اے دوست

رہ گئے کم عربی شعر سمجھنے والے
چل بسے گیسوئے لیلیٰ میں الجھنے والے

فتوے کفر و دنیا واعظ کی بے حسی ہے
یہ بزمِ ساقی عجب جگہ ہے کہ روح بیخود پڑی ہوئی ہے

یہ عشقِ بت نہیں ہے اکبر کی پالسی ہے
حواس و منطق کی عقل گم ہے یہ لیل حیراں کھڑی ہوئی ہے

خبر دل کی مس دل خواہ جانے
رہی اب عاقبت کی بحث اکبر

خبر ایمان کی حسبِ جاہ جانے
تو اس کا حال تو اللہ جانے

شوق شہرت بھی برا زر کی بری چاہ بھی ہے
ہاں مگر حسن بت زہرہ جبیں آفت دیں

نفرت انگیز نظر میں ہوسِ جاہ بھی ہے
اس سے مجبور تو یہ بندۂ درگاہ بھی ہے

کمال شوق میں حسرت اک نظارہ کافی ہے
کہ حسن خود ہی ہے غافل اشارہ کافی ہے

حسن نور شمع ہر محفل میں ہر شب ہے وہی
موسم باراں میں لیکن کثرت پروانہ ہے

بہ چشم غور دیکھو بلبل دیوانہ کی حالت
وہ پھنستی ہے قفس میں اور اسکا نام گلشن ہے

وہ اپنے جیں دیا کرتی ہے اور وہ جان دیتا ہے
ہوا پر خیمہ ہستی کو اک آبرتان دیتا ہے

حالت پہلی سی اب کہاں میری ہے
سینہ میرا ہے دل نہیں ہے میرا

حیرت انگیز داستاں میری ہے
میری نہیں بات گو زباں میری ہے

واعظ کا دل بھی سوز محبت سے گرم ہے
اترائے خود نمائی میں اگر دولت تو کیا اکبر

چپ رہنے پر نہ جاؤ یہ دنیا کی شرم ہے
خدا کو مان کو جو دیں وہی اہل کرم اچھے

فیض حضرت بہر نمط ہوتا ہے
ہر امر غلط کی ہوتی ہے یاں تصحیح

دل کو میرے حظ نہیں فقط ہوتا ہے
اور لطف یہ ہے کہ غم غلط ہوتا ہے

میں نے اکبر سا بھی ہمی نہیں دیکھا کوئی
کہتا ہے ان کی کمر مجھ کو نظر آتی ہے

مایوس کر رہا ہے نئی روشنی کا رنگ
تقدیس ماسٹر کی نہ لیڈر کا فاتحہ

اسکا نہ کچھ ادب ہے نہ کچھ اعتبار ہے
یعنی نہ نور دل ہے نہ شمع مزار ہے

لڑتے ہوئے کتاب سے بوس و کنار ہے
پہنی جبیں سے چین کے مالک اگر ہو تم

اپنے لئے الف ہی بس اب قد یار ہے
میں بھی ہوں شاد روں کہ دل میرا زار ہے

زندگی سے اب طبیعت سیر ہے
کون دمکاں ظہور جمال حضور ہے

موت کیوں آتی نہیں کیا دیر ہے
غافل اسیر دام فریب شعور ہے

یا امیٹیشن[1] کے صدقے جائے دودھ اور کھانڈ لے
یا قناعت اور طاعت میں بسر کر زندگی

یا ایجیٹیشن[2] کے بدلے تو چلا جا مانڈ لے
رزق کی کشتی کو تھے پتوار سے اور ڈانڈ لے

دنیا کی حرص و آز کا واعظ شہید ہے
جبتک رہے زندہ آرزومند رہے

گو پیر ہو گیا ہے مگر ذہن میں ہے
جب مر گئے ہم تو قبر میں بند رہے

[1] Imitation نقل اتارنا [2] Agitation مخالفانہ جوش

اب حشر میں خلد و نار کا ہی جھگڑا | دیکھیں یہ امید و بیم تا چند رہے

حاصل ہو کچھ معاش یہ محنت کی بات ہے | لیکن سرِ در قلب یہ قسمت کی بات ہے
آپس کی واہ واہ لیاقت کی بات ہے | سرکار کی قبول یہ حکمت کی بات ہے
وہ مخبر رقیب ہے میں ہوں شہید عشق | یہ اپنی اپنی ہمت و غیرت کی بات ہے
جاپان و روس سے نہیں کچھ واسطہ ہمیں | خرچی کی یاں تو بحث ہے تبت کی بات ہے
بی اے بھی پاس ہوں ملے بی بی بھی دلپسند | محنت کی ہے وہ بات یہ قسمت کی بات ہے
تہذیب مغربی میں ہے بوسے تلک معاف | اس سے اگر بڑھو تو شرارت کی بات ہے

بچانا نشۂ طولِ امل سے دل کا مشکل ہے | سرور بادۂ امید فردا آ ہی جاتا ہے

تان اس بت نے اڑائی ہمیں بلما بھولے | ہم تو کیا شیخ بھی توحید کا کلمہ بھولے
صنم ہند کو ہم یاد رہیں اے اکبر | غم نہیں ہے جو عرب میں ہمیں سلمیٰ بھولے

جان اب آ چکی ہے لب پر ہیں منتظر فنا کے | اب تک ہے واں تغافل قربان اس ادا کے

فغاں کرنے کا بھی یارا نہیں ہے | سوا افسوس کے چارہ نہیں ہے

ہمنشیں ظلم بتاں پر یہ چپ نہ رہنا چاہیے | بات جب کچھ بن نہ آئے شعر کہنا چاہیے

ہوا بدل گئی ہے ایسی کچھ زمانے کی | دعائیں مانگتا ہے دل ہوش میں نہ آنے کی

مجنوں کی پیاس کو بجھاتی | لیلیٰ کچھ باؤلی نہیں تھی

عمر ۲۲ سال

طے ہوئی بات نہ قیمت ابھی اسکی ٹھہری | دل مرا لے کے چلے آپ یہ اچھی ٹھہری

مشتاق تو ہستم کہ عزیزی و حبیبی | لیکن چہ تواں کرد کہ مہمان رقیبی

دست فلک سے ہند کی خلقت بہت پٹی | جو کچھ تھی اسکی عظمت و قوت وہ سب مٹی
اس کی دوا قناعت و نیکی ہے بس فقط | ہاں مشغلے کے واسطے ہو یونیورسٹی

باقی نہیں رہی وہ دنیا سے گرم جوشی | اب میں ہوں اور عزلت اور عالم خموشی

اپنے ہی دل کے ہاتھ اب میں بک گیا ہوں اکبر
سر میں نہیں رہا وہ سودائے خود فروشی

حسب فرمایش عالی جناب خان بہادر شیخ احمد حسین صاحب مذاق تعلقدار پریاواں ضلع پرتاب گڈھ

کچھ اپنا سوچا نہ کام آیا وہی ہوا جو خدا نے چاہا
عجب ہے تسلیم و صبر کی خو اگر نہ پیدا ہو لیں اب بھی
خدا سے بیگانہ تھی طبیعت دلی ارادوں پہ تھا بھروسہ
عزیمتیں فسخ ہو گئیں جب عرفت ربی

تاثیر ہوا سے باغ ہستی نہ گئی
ہوتے ہی رہے جمال دلکش پیدا
نہ گئی دل سے مرے حسن پرستی نہ گئی
صورت کی ادا نظر کی مستی نہ گئی
طبع انساں سے بت پرستی نہ گئی
بجھ گیا خون مگر روح کی مستی نہ گئی

شاخ میں پھل کا لگا رہنا ہے خامی کی دلیل
عقل پختہ ہو سکے میرے سر سے زائل ہو گئی
ہوئی جو عمر اُنکی مجھ سی تو کہنہ میں ہے ایک باقی
عجب ہے پیری کا اقتضا ہے جو کہے نیت کو نیک باقی
موت کو دیکھا تو دنیا سے طبیعت پھر گئی
اُٹھ گیا دل دہر سے دولت نظر سے گر گئی
دنیا سے تعلق رکھنے میں ہرگز نہیں بہتر امید رہی
کیا خوب کہا ہے اکبر نے احسان اچھا امید بری

فلسفہ حریف کا دین کا ہے عدو بنا
صبح و شام صدق سے کر دعا کہ ربنا
اس طرف ہے قید سخت اور ترا ہے تجھ بنا
لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا

متعلق ٹرکی

متضاد گئے جو دو طرف سے دو تار
کیا جانئے کس کو اُسنے اچھا سمجھا
لیکن اس بات کا سمجھنا تو ہے سہل
سرکار نے کس کو انمیں سچا سمجھا

بدبو مرے گھر میں نہ اے شرابی پھیلا
ہے تیرا دہن نجاستوں کا تھیلا
ہر لحظہ طلب شراب کی ہے تجھ کو
ہر دم ترے منہ سے نکلتا ہے مولا

مصحف مسلم نے کھولنا چھوڑ دیا
بنیے نے بھی ٹھیک تولنا چھوڑ دیا
حاکم نے کہا نہ بولو اُنسے ہرگز
ہم نے بھی سبب بولنا چھوڑ دیا

پیچ مذہب کا کسی صاحب نے ڈھیلا کر دیا
سادہ طبعوں کو بھی بالآخر رنگیلا کر دیا

شوق پیدا کر دیا بنگلے کا اور پتلون کا
وہ مثل ہے مفلسی میں آٹا گیلا کر دیا

تھا بنارس پہلے ہی سے اک صنم رس میں بھرا
چشم مس اینی[1] نے اور اسکو رسیلا کر دیا

مرے نزدیک یہ پنجاب کا بلوا بھی بُرا
ساتھ ہی اسکے علی گڈھ کا یہ حلوا بھی بُرا

آپ اظہار وفا کیجئے تمکین کے ساتھ
لپٹ جانا بھی بُرا ناز کا جلوہ بھی بُرا

جب اپنے ہاتھ میں لی غیر نے عنان سمند
تو پھر سوار سے اکبر پیادہ یا اچھا

سر رشتۂ اتحاد ہم سے چھوٹا
آپس ہی کے خانہ جنگیوں نے لوٹا
قرآن کے اثر کو روک دینے کیلئے
ہم لوگوں پہ راویوں کا لشکر ٹوٹا

یہ قومی ترقی بھی ہے پریوں کا فسانہ
کانوں سے سنا ہے مگر آنکھوں سے نہ دیکھا

اُٹھانا پڑتا تھا دن رات بار الفت خوباں
جوانی کیا تھی نیچر نے مجھے بیگار پکڑا تھا

اب ان قصوں کا کیا حاصل اب ان باتوں کا کیا رونا
یہی مرضی خدا کی تھی یہی قسمت میں تھا ہونا

کہاں کی دولت و ثروت کہاں کی عزت و حشمت
میسر ہیں مجھے دو روٹیاں بس گھر کا لے کونا

ہنگامۂ ترقی قومی کو دیکھ کر
اور اک حال کے لئے میں ہو گیا کھڑا

کوئی ہوا نہ مجھ سے مخاطب وہاں مگر
پیچھے سے میرے کان میں اک غیر نے کہا

اکثر وہی بزرگ ہیں جو ہیں پئے ہوئے
یا ہوش کم ہیں انکے بھی منہ ہیں سئے ہوئے

ہرگز کوئی کہے گا نہ اس انجمن کا راز
کیوں اپنے آپ کو ہو پریشاں کئے ہوئے

پہلے تھا قوم میں سب کچھ مگر اب کچھ نہ رہا
کسی شاعر نے سچ ہے واللہ یہ کیا خوب کہا

شیخ کے پاس ہے اب صرف مصلّےٰ باقی
اور مرے پاس ہے اردوئے معلّیٰ باقی

معانی قرآں کا لو کچھ مزا
پڑھو لن یّضرّوکم الا اذیٰ

نہ حرف شکوہ بہتر ہے نہ اچھا اشک کا بہنا
ہمارے دن یہی ہیں رنج سہنا اور چپ رہنا

خدا کے واسطے اکبر کوئی ذکر اور ہی چھیڑو
سنی باتوں کا کیا سننا کہی باتوں کا کیا کہنا

---

[1] یعنی مسز اینی بسنٹ صاحبہ ۱۲

کالج میں کسی نے کل یہ نعرہ لگایا
قومی خصلت کا سر سے اُٹھا سایا
کہتے تھے ولد کو لوگ سن لا بیبا
سن لکا سن کا اب وقت آیا

بڑھتا جاتا ہوں بنگالی کا درجہ ہر طرف مسابقہ
زمانے میں نیا یہ دور ہے ماہی مراتب کا

تیروں نے غم کے قلب کو کم بخت کر دیا
سوز دروں نے سینہ کو دم پخت کر دیا

طفل دل محو طلسم رنگ کالج ہو گیا
ذہن کو تپ آ گئی مذہب کو فالج ہو گیا

سعادت روح کی کن باتوں میں ہے آپ کیا جانیں
کہ کالج میں کوئی اس علم کا ماہر نہیں ہوتا

واہ اے سید پاکیزہ گہر کیا کہنا
یہ دماغ اور یہ حکیمانہ نظر کیا کہنا
قوم کے عشق میں یہ سوز جگر کیا کہنا
ایک ہی دُھن میں ہوئی عمر بسر کیا کہنا

قوم کا اوج ہو منظور خدا خواہ نہ ہو
غیر ممکن ہے کہ دنیا میں تری واہ نہ ہو

قوم کی تاریخ سے جو بے خبر ہو جائیگا
رفتہ رفتہ آدمیت کھو کے خر ہو جائیگا

بچائے جو نگاہ کو وہی رنگ اچھا
لائے جو راہ پر وہی ڈھنگ اچھا
قرآن و نماز سے اگر دل نہ ہو گرم
ہنگامۂ رقص و مطرب و چنگ اچھا

میرے منصوبے ترقی کے ہوئے سب پائمال
بیج مغرب نے جو بویا وہ اُگا اور پھل گیا
بوٹ ڈاسن نے بنایا میں نے اک مضمون لکھا
ملک میں مضمون نہ پھیلا اور جوتا چل گیا

ساتھ انکے مرا شیخ تو چل ہی نہیں سکتا
بندر کی طرح اونٹ اُچھل ہی نہیں سکتا

پوچھا کہ شغل کیا ہے کہنے لگے گرو جی
بس رام رام جپنا چیلوں کا مال اپنا

کیا شور و فغاں نے میری اسکو مضمحل کتنا
بہت شوخی شرارت تھی مگر عورت کا دل کتنا

خواہش ایماں نہ شد وخطا اسلام را
حاجت مشاطہ نیست روئے دل آرام را

جو بس کچھ بھی ہو مصیبت نفس میں کچھ نہیں سکت
اگر ہو کالج کمال سکے تم تو چھوڑ دو امتحان ایسا

پیری سے کمر خم ہو کے فرماتے ہیں ابن جابا
قابو میں نہیں ہے ہاتھ کیا ہو سکے جا

وقت ہے در علم میں ہو راہ عمل بند
ہو گئی صداقت سے گو دل یہ یقین ہو کر

کیا کہوں اسکو میں بدبختی نیشن[1] کے سوا
اس کو آتا نہیں اب کچھ امیٹیشن[2] کے سوا

اسقدر تھا کھٹملوں کا چارپائی میں ہجوم
وصل کا دل سے مرے ارمان رخصت ہو گیا

لات دُنیا نے جو ماری بنگیا دیندار وہ
تھی بُری ٹھوکر مگر شیطان رخصت ہو گیا

مری تقریر کا اُس مس پہ کچھ قابو نہیں چلتا
جہاں بندوق چلتی ہے وہاں جادو نہیں چلتا

کمر باندھی بھی یاروں نے جو راہ حب قومی میں
وہ بولے تو نہیں چلتا وہ بولے تو نہیں چلتا

کہا پیر طریقت نے اکڑ کر اپنی ٹمٹم پر
یہی منزل ہے جسمیں شیخ کا ٹٹو نہیں چلتا

لطیف الطبع ساتھی چاہیئے فیاض طینت کا
چمن سے بے ہوا کے کارواں بو نہیں چلتا

درس تھا یکساں مگر وہ تو مسیحی ہی رہے
تجھ پہ مذہب کے عوض شیطان کا قابو ہو گیا

ایک ہی بوتل بھری پی ہوٹل میں دونوں نے شراب
لطف مستی ان کو آیا اور تو الوّ ہو گیا

ہے قدم ان کا شہید لغزش مستانہ تھا
سر میں تھا سید کے قرآں زیر پا میخانہ تھا

تجھے انگلش سے جب موقع نہیں ہے گر مجوسی کا
تو پھر کیا لطف ہے اے ہم نفس اس بادہ نوشی کا

تکلف سے جواب اُسنے دیا سنکر کہ اے اکبر
ادا کرتا ہوں میں یہ حق فقط پتلون پوشی کا

چھوڑ کر رنج اپنے مٹنے کا
منتظر ہوں اب اُنکے پٹنے کا

سر سیّد کو فلک نے تننے نہ دیا
تہذیب کو پھر دوبارہ چھننے نہ دیا

ملت کی شکست میں مدد دی کامل
بننے لگی قوم جب تو بننے نہ دیا

گھر میں یہیں چرخ نے ٹہلنے نہ دیا
باہر کی طرف چلے تو چلنے نہ دیا

کالج نے بٹھا دیا جو مانند شجر
کچھ پھول چلے تھے اُسنے پھلنے نہ دیا

کچھ بھی نہیں چاہتے وہ چندے کے سوا
اس باغ میں کیا دھرا ہے پھندے کے سوا

گلچیں ہی ہر اک نہیں ہے بلبل کوئی
اس نکتے کو کون سمجھے بندے کے سوا

رئیسوں کی اُپج ہے یہ ترانہ ہے نہ عملے کا
نہ یہ پودا ہے گلشن کا نہ یہ لوٹا ہے گملے کا

ہمارے حضرت شیخ مہذب کی ذہانت ہے
خدا میں جھک دی یہ بھی اک طرّہ ہے شملے کا

[1] Nation قوم [2] Imitation نقل اُتارنا [3] یعنی رقیبوں کے

دل چھوڑ کر زباں کے پہلو پہ آ پڑے
ہم لوگ شاعری سے بہت دور جا پڑے

معنی کے ساتھ ہو تو مزہ ہے زباں کا
انجم نہ ہوں تو لطف نہیں آسماں کا
ہے صاف عیاں حرم سرا کا مطلب
بیگانوں کیواسطے ہے اک حد ادب
ممکن ہو اگر تو اسکو قائم رکھو
عزت کے نشان اور مٹ گئے سب

پنڈت نے خوب بات کہی جوش طبع میں
ناحق گذشتہ عہد پہ یوں طعنہ زن ہیں آپ
پتھر کے بدلے اب تو دھرم[1] ٹوٹنے لگا
محمود بت شکن تھا برہمن شکن ہیں آپ

محتاج در وکیل و مختار ہیں آپ
سائسے عملوں کے ناز بردار ہیں آپ
آوارہ و منتشر ہیں مانند غبار
معلوم ہوا اسے مجھے زمیندار ہیں آپ

جاتی رہی وعظ مذہبی کی قوت
ہر سر میں سمائی خودسری کی قوت
اطفال کو ناز ہے مگر قومی آنکھ
روتی ہے کہ ہے یہ خودکشی کی قوت

حاضر ہوا میں خدمت سید میں ایک رات
افسوس ہے کہ ہو نہ سکی کچھ زیادہ بات
بولے کہ تجھ کو دین کی اصلاح فرض ہے
میں چل دیا یہ کہہ کے کہ آداب عرض ہے

مہمان آ گئے تو اُس کو کھیر تو بہت
اُسکی راہ دیکھتے اُس کو کھیر دینہ بہت
مجلس ہوئی ختم اب میں گھر جاتا ہوں
دکھائی مجھے میرا حصہ دے دو بہت

عینک آنکھوں پہ منہ میں مصنوعی دانت
نیچر نے سکھا کے کر دیا جسم کو تانت
اب تک ہے مگر وہی ہوس حضرت کی
ہے طول امل ہنوز شیطان کی آنت

غیروں کی اعانت کم بزرگوں کا ادب رخصت
جو دل بدلا تو سب بدلا خدا رخصت تو سب رخصت

ڈیلی گیٹوں نے جو جلسے میں سمجھ کی ہے صلاح
بعد عمدہ کھانے کے ایسی ڈکاریں ہیں مباح
سنٹرل بھی ہو کمیٹی اور پراونشل بھی ہو
حامی پبلک بھی ہو ہر طرح جانب کونسل بھی ہو
بابوؤں کی طرح لیکن عمل سے کچھ مطلب نہ ہو
کر دیں بس توضیح جزو و کل سے کچھ مطلب نہ ہو

دلوے ایسے نہیں محتاج کچھ تصریح کے
کیوں نہ ہو دانے تو ہیں ٹوٹی ہوئی تسبیح کے

[1] یہیں ٹوٹنے لگے ۱۲

گنڈے اب قومی گلے کا ہار ہو جائینگے یہ
پالیسی کے طرۂ دستار ہو جائینگے یہ

بحث ملکی میں تو پڑنا ہے نری دیوانگی
پالسی اُن کی رہے قائم ہماری دل لگی

ہم یہ کہتے ہیں کرو جو استخارہ راہ دے
تم فقط پتلے بنا سکتے ہو جان اللہ دے

طفل مکتب کہ سخنہا ز زباں میگوید
شکوہ کم کن کہ چنیں گفت و چناں میگوید
طبع او فونوگراف است و سرودش نقشش
آنچہ بستند برو نقش ہماں میگوید

یہ بات غلط کہ ملک اسلام ہے ہند
یہ جھوٹ کہ ملک لچھمن و رام ہے ہند
ہم سب ہیں مطیع و خیر خواہ انگلش
یورپ کیلئے بس ایک گودام ہے ہند

گفتم ایران را سر جنگ نماند
آں مردی و آں ہوا و آں رنگ نماند
آغا خندید گفت رنجے دگر است
کامروز برائے ساغرم سنگ نماند

شکر چشم و گوش کرتا ہوں مگر یارب یہ کیا
آنکھ کھٹکے کے حوالے کان مچھر کے سپرد

افسوس ہے بدگماں کی آزادی پر
خالق کبھی خوش نہ ہوگا بربادی پر
طاعون سے کیوں ہے اتنی وحشت اکبر
یہ تو اک ٹکس ہے اس آبادی پر

پنڈت بیٹھا ہے اپنی پوتھی لیکر
بنیا بیٹھا ہے مونچھ موٹھی لیکر
سودا اس کو ہے جو سدھارا لندن
دولت و جنس گھر میں جو تھی لیکر

یہ وقت شکست قوم کا ہے بخدا
کرتا ہوں میں تجھ کو اسکی تنبیہ اکبر
ایسی مسجد ہو جس پہ اطلاق ضرار
قرآں کو مان لا تقم فیہ اکبر

کرو نہ تعمیر گھر کی اکبر حدود میونسپل کے اندر
یہ اہلکاران بددیانت بنیں گے بھوڑ النعل کے اندر

ہوئے اسقدر مہذب کبھی گھر کا منہ نہ دیکھا
کٹی عمر ہوٹلوں میں مرے اسپتال جا کر

میں رعیت ہوں وہ شاہانہ دلیری ہے کہاں
مجھ کو کیوں رشک آئے وضع ملت انگریز پر

کانٹے بچھ جاتے ہیں اُن لوگوں کی راہ رزق میں
خوف آتا ہے چھری چلتی ہے اُن کی نیز پر

قطعات

ممکن نہیں عبور مرے اسکے راز پر
بالفعل ہے مقام عدالت جواز پر

کیا اسکی خوشی کہ تم کو ہو عقل کثیر
ہمکو تو اسی سے کر دیا تم نے فقیر

ہرگز یہ نہیں ہے حسن قانون خدا
کہتے ہیں خدا اس کو حسن تدبیر

تہذیب نو کی رنگ پہ بلبل نہیں ہیں سب
واللہ کیا بہار ہے اس سبز باغ پر

تیغ بنتے ہی رہیں گے تجھ سے بہر اتحاد زمر
دین خود تجھ کو نہ چھوڑیگا جو تو دنیا نہ چھوڑ

جس طرح ہے تجھے الم جسم کی تمیز
دیکھے گا درد جان کو بھی اکدن تو اے عزیز

ہرگز نہیں ہمکو سلطنت کا افسوس
ہے ابتری معاشرت کا افسوس

انگریزوں پہ ہے بہت کم الزام اسکا
ہے اپنے ہی میل منفعت کا افسوس

سیاہ کرنا دلوں کا اسے ہے کیا مشکل
تمہارا ظلم لگاتا ہے آفتاب میں داغ

یار نے پوچھا کدھر جاتا ہے تو
عرض کی میں نے ہلاکت کی طرف

پوچھا اس جانب لئے جاتا ہے کون
میں نے دیکھا اسکی صورت کی طرف

بن گئی ہے خضر راہ دوستاں کید حریف
ہو نہ ناز گریہ زاہد سے خوش کیا تخفیف

ہم کو یہ سجدہ دلایا چاہتا ہے تاک میں
کون سمجھے شاعروں کے یہ اشارات لطیف

ہم کو نہیں انکے عیش و راحت پر رشک
ہے غیرت و کو دل اسپہ برساتے ہیں اشک

کافی ہے ہمیں عبادت حق کے لئے
ایک اونٹنی ایک پیال پانی اک مشک

کونسل میں شور کیسا ہوگا کل ملک
اب ٹیکس کا باندھ دیجئے بل ملک

یا رب کل سلطنت ہے تیری
تؤتی الملک اور تنزع الملک

اونچا نشتی ہے کیا گورنمنٹ
کیوں کرتا ہے اتنا شور و غل ملک

گائیں ناحق بھڑک رہی ہیں
ویران نہ کرینگے جان بل ملک

ہوتی ہے روش جو سلطنت کی
جاتا ہے اسی طرف کو چل ملک

زندہ جس سے ہے بزم قومی　وہ کون ہے حضرت محسن الملک
غنچے کی طرح سمٹ کے ابھرے　اس وقت کھلیگا قفل گل ملک

اکبر اس اندیشہ میں رہتا ہے غرق　کافر و ملحد میں ہے تھوڑا ہی فرق
کافری کا ہے علاج ایمان سے　ملحدیت تو ہے لیتی جان سے

بنام خیالات پاٹ آفریں　زبانوں پہ بسکٹ کی چاٹ آفریں

اس قوم کو یک دلی کی رغبت ہی نہیں　جو ایک کرے ادھر طبیعت ہی نہیں
اکبر کہتا ہے میل رکھو باہم　وہ کہتے ہیں میل کی ضرورت ہی نہیں

کیسا اسلام ان میں غیرت ہی نہیں　ایماں کہاں کہ جب بصیرت ہی نہیں
طرز تعلیم پر ہے لیکن الزام　وہ علم نہیں تو وہ طبیعت ہی نہیں

واں شوکت و زینت کے جو اسباب بہت ہیں　معنی کے یہاں گو ہنر نایاب بہت ہیں
صاحب کی سی محفل تو میسر نہیں لیکن　صد شکر کہ اکبر کے بھی احباب بہت ہیں

ترقی پاتے ہیں لڑکے ہمارے زر دیں کھو کر　یہ کیا اندھیر ہے بجھ لیتے ہیں تب چمکتے ہیں

دنیا میں ضرورت ترقی ہے اور اس میں مطلق ضرر نہیں　جب حضرت حالی ہی قائل ہوں تو امن کی جا جز گور نہیں
تاریخ ہم اپنی جانتے ہیں اور آپ کو بھی پہچانتے ہیں　کب آپ کی باتیں مانتے ہیں کچھ فہم تو ہے گو زور نہیں
ہو جائیو بابو صاحب سے کھنچنے کا نہیں ہے کوئی محل　گو نسل علاء الدین ہیں ہم مسکین تو تمھارا غور نہیں

مشتاق لقا ہوں در پہ حاضر ہوں میں　منظور نہیں کہ بار خاطر ہوں میں
حضرت کو جو فرصت ملاقات نہ ہو　بوسے پر آستاں کے شاکر ہوں میں

ہوئے الٹے طرح اب سر میں پیچ گو تم ہو اب نظر میں　ہوس اگر ہے تو بس یہی ہے کہ ہم بھی جیب جائیں پن بائیں میں

دلچسپ ہوائیں سن کے گلشن پہنچیں　زلفیں تجلے سے تا بہ دامن پہنچیں
درگا بابو سے راجہ جی جب رخصت ہوئے　صدقے ہونے کو بی لیصین پہنچیں

جھنجھلا کے بولے اُنسے جو لیٹا اندھیر میں　اندھیر اس طرح کا تو دیکھا کہیں نہیں

آغاز تحریک سودیشی میں یہ نظم لکھی گئی تھی مضمون شعر سے متفق نہیں

داخل مری الفت میں یہ کام ہے جن میں
پہونچیا لے گا قوت تحریک کی دھن میں
تحریک سودیشی پہ مجھے وجد ہے اکبر
کیا خوب یہ نغمہ ہے چھڑا دیس کے بن میں

عنایت مجھ پہ فرماتے ہیں شیخ و برہمن دونوں
موافق اپنا ہو جاتے ہیں میرا چلن دونوں
ترانے میرے ہم آہنگ دیر و کعبہ میں یکساں
زباں پہ میری موزوں ہوتی ہے حمد اور بھجن دونوں
مجھے الفت ہے سنی سے کبھی شیعہ سے بھی یاری ہے
اکھاڑے میں دکھا سکتے ہیں دلکش بانکپن دونوں
مجھے ہوٹل بھی خوش آتا ہے اور ٹھاکر دوارا بھی
تبرک ہے مرے نزدیک پرشاد اور مشن دونوں

ایک سید کیا کریں یا بیٹھ کر دس کیا کریں
حضرت حالی کے اشعار مسدس کیا کریں
سچ تو یہ ہے مہربانی آپ کی درکار ہے
ہم غریب و ناتوان و زار و بیکس کیا کریں

روشنی سر میں گداز غم دل مایوس میں
شمع ساں ہم جل رہے ہیں مغربی فانوس میں
روکتا ہوں زور دریا سے تو فرماتے ہیں وہ
آجکل برکت بڑی ہے خرقۂ سالوس میں

گولیوں کے زور سے کرتے ہیں وہ دنیا کو ہضم
اس سے بہتر اس غذا کیواسطے چورن نہیں

ہم نیک خصال ہیں یہ تسلیم نہیں
دنیا میں اس روش کی تکریم نہیں
لیکن یہ ہیں طریق و عادات عجم
واللہ کہ یہ عرب کی تعلیم نہیں

چو مسٹر بنا شد ترا میہماں
چہ بر میز خوردن چہ بر سفرے خواں

مہدی نے گھر کیا ہے دل شیخ و زید میں
سید کا جانشیں ہے وہ آج ہند میں

یہ بڑے لڑکے پیرو اور گیا دیں
دھرم دنیا سے اٹھا اور گیا دیں

نوکر کو سکھاتے ہیں میاں اپنی زباں
مطلب یہ ہے کہ سمجھے انکے فرماں
مقصود نہیں میاں کی سی عقل و تمیز
اس نکتہ کو وہ کیا سمجھیں جو ہیں ناداں

بہ حرمت حیثیت از دیں گم شدن
نے قمیص و کوٹ و پتلون و بٹن

بھوک سے زار ہو جسکے پاس کھانا اسکے نہیں
اتنی دولت ہے کہ رکھنے کی جگہ ملتی نہیں

ناصح نے کہا کہ جلد مذہب چھوڑو
مذہب نے کہا کہ مجھ کو چھوڑو گے تو وہ
ورنہ سائنس میں ڈالیگا تمھیں
کیا گود میں اک طرف اٹھا لیگا تمھیں

پورا سائنس تم کو آنے کا نہیں
وہ کمپنیاں ہیں اور نہ کوئی کی دوکان
کچھ آیا تو ہنسیو اپنا سنے کا نہیں
بے ختم ہوئے یہ دور جانے کا نہیں

سوچا نہیں خود غرض کو آئین جفا
واللہ یہی نتیجہ ہوگا پیدا
جتنا چھوڑوگے ہم کو تم ہوگے خراب
دنیا میں حقارت اور عقبیٰ میں عذاب

اب قوم میں زندگی کے آثار نہیں
حکام کی ہے یہ صرف عیسیٰ نفسی
جو اہل نظر ہیں اس سے شرمندہ ہیں
اعضا کالج کے کچھ اگر زندہ ہیں

صدیں قوموں کی قسمت کی کیا کرتا ہے یہ قائم
محبت کس طرح اس قوم میں باہم رہے قائم
زمانہ دیکھ کر چلئے طریق زندگانی میں
زباں میں صرف غیبت دل میں ڈیلے بدگمانی میں

میں نے کہا کہ اپنا سمجھیے نہ مجھے غلام
بولا وہ بہت ہیں اس سے فرنگی نہیں ہو تم

ہندو و مسلم ایک ہیں دونوں
ہم وطن ہم زبان و ہم قسمت
یعنی یہ دونوں ایشیائی ہیں
کیوں نہ کہدوں کہ بھائی بھائی ہیں

پڑھتے نہیں نماز یہ خود راسے کیا کروں
تو مہ نہیں تو قوم نہیں ہائے کیا کروں

باپ سے مانگو نہ عشرت نہ چچا سے مانگو
حسن تدبیر بڑی چیز ہے اس دنیا میں
سعی بازو پہ کرو تکیہ خدا سے مانگو
مدد اس کام میں تم عقل رسا سے مانگو

دل سے دھرم اٹھا ہے تو اب ذات بھی توڑو
برباد کرو خوب منوجی کے چمن کو
ویراں ہوئی کھیتی تو عمارات بھی توڑو
باقی نہ رہے پھول تو اب پات بھی توڑو

یا کس کے کمر پہ خوشامد باندھو
کیا فائدہ ہے فرنگی سے اے شیخ
یا تجربے میں گھس کے بیٹھو تہمد باندھو
بہتر ہے یہی کہ اپنی اک حد باندھو

پانیر کے صفحہ اول میں جسکا ذکر ہو
میں ولی سمجھوں جو اسکو عاقبت کی فکر ہو

سچ ہو کہ انھوں نے ملک لے رکھا ہے
لیکن ہے ادائے شکر ہم پر لازم
ہم لوگوں سے کب کو پرے رکھا ہے
کھانے بھر کو ہمیں بھی دے رکھا ہے

پوچھتے کیا ہو مسلمانوں کا حال
معتصم کب ہیں یہ حبل اللہ سے
منتشر اجزا سب ان کے ہو گئے
دیکھ لو جھاڑو سے تنکے ہو گئے

غضب ہے وہ ضدی بڑے ہو گئے
نہیں ان کو کچھ شرم لاحول قوم
میں لیٹا تو اٹھ کر کھڑے ہو گئے
یہ ملحد تو چکنے گھڑے ہو گئے

ہر ایک کو ایک دن اجل آنی ہے
لیکن مرنا جو عالم وجد میں ہو
دنیا گزراں ہے سچ ہے فانی ہے
گویا کہ شعاع نور یزدانی ہے

تم کتنے ہی محو کج ادائی رہتے
صد شکر تم آئے بڑھ گئی لذت طبع
تم پر دل و جاں سے ہم فدائی رہتے
لیکن جو نہ ملتے تب بھی بھائی رہتے

مسلمانوں نے کالج کی بری کیا راہ پکڑی ہے
نہ گئی دل سے مرے حسن پرستی نہ گئی
وہی تو اک ٹھکانا ہے وہی نقشے کی لکڑی ہے
بجھ گیا خون مگر روح کی مستی نہ گئی

مجھ کو کچھ حیرت نہ ہوگی تم کو ہو جائے اگر فخر
مغربی تہذیب میں کس کو میں سمجھوں مستند
کہہ دو اک بدمست گورے نے کہ بندہ زادہ ہے
اس تماشا گاہ میں جو ہے وہ صاحبزادہ ہے

اسیر دام زلف پالیسی مدت سے بندہ ہے
فصاحت نذر لکچر ہے ریاست نذر چندہ ہے

ان کی سب باتوں کو اکبر سیکھ لے
خود وہ فرمائیں گے پھر آ بھیک لے

جو لوگ طرفدار علی گڑھ کے رہیں گے
مفلس رہیں گمنام رہیں خیر جو کچھ ہو
اس دور میں بے شک وہی بڑھ چڑھ کے رہیں گے
کالج کے سبب علم تو ہم پڑھ کے رہیں گے

داد قرآں کی نہ دو بھائی عمل اس پہ کرو
پیش درگاہ خدا واہ کی حاجت کیا ہے

ظاہر تیں اگرچہ راز سربستہ ہے
پودا نہیں پھول کا علیگڑہ کالج
مضمون لطیف و خوب و برجستہ ہے
گلدان میں مسلموں کا گلدستہ ہے

وقت بد میں کون رکھتا ہے رفاقت کا خیال	ہم نشیں اپنے رقیبوں کے مصاحب ہو گئے
نہ ضرر جانتی ہے طبع قوم اسکو کوئی کیا جانے	بصیرت جنکو ہے وہ جانیں اکبر یا خدا جانے
طریق حق میں مجھ کو پھر خدا ذرا چلنے دو	فیشن کی راہ نہیں ہے پیادہ پا چلنے دو
کہا جب غیر کو کیوں تم نے لے کر گھر پھنسایا ہے	تو بولا دل لگی کے واسطے الو پھنسایا ہے
ادھر جادو فسوں ہے اسطرف ہیں جال گیسو کے	ہمارے دل کو اسنے کر کے بے قابو پھنسایا ہے
گلوں کو دیکھ کر کہتا ہے وہ شوخ	ہمارا رنگ بھی پھیکا نہیں ہے
تماشوں کے بھی معنی ہو گئے ہیں اب حقوق	عہد انگریزی ہے ایمان جان شاہی گئی
قوم اور سلطنت ہیں دو چیزیں	نیچرل وہ ہے یہ ہے مصنوعی
نیچرل ہیں بن نہیں سکتی	آئیں کیونکر صفات مجموعی
نہ رنگ انجمن وہ ہے نہ وہ مے کش نہ وہ ساقی	یہ دعوت کیا ہے بس ہے اک ادائے فرض اخلاقی
نہ وہ مکتب نہ وہ ملا نہ وہ صورت نہ وہ سیرت	سوا نام خدا کے اب رہا کیا قوم میں باقی
کہاں وہ دعوت احباب کی غلیا یہاں اکبر	خموشی سے ادا کرنا ہے بس اک فرض اخلاقی
بے بصیرت ہے اگر تو منکر شیخ و ولی	نا شگفتہ رہ گئی بیشک ترے دل کی کلی
چشمہ پیدا کن کہ بینی آنکہ او ہم نہاں	در قبائے گلرخاں رنگ نبی بوئے علی
بلا طاقت بہ اتفاق انساں کی نہیں چلتی	وہاں تو ریل چلتی ہے یہاں روٹی نہیں چلتی
پہلے تو دکھاتی تھی چمک اپنی گئی	اب پیش نگاہ ہیں فقط بیشتر ہنسی
کہتے ہیں حریف ہنس کے اب زر و طعن	جب دین کو کھو دیا تو دنیا بھی گئی
ہنستے ہیں واعظ کی خوب داڑھی نوچی	یہ بات مگر نہ اپنے دل میں سوچی
مذہب تو شکست دیکھ کیا پائیں گے	آخر کو رہینگے موچی ہی کے موچی
قسمت سے عزت پائی آج ہوئے ہم سی ایس آئی	شیخ نے مجھے لفظ انگریزی بولے ہوئے ہیں یہ عیسائی
اب تک جو کہیں ہماری قسمت نہ اگر رہی	ناحق تجھے ہم نشیں ہے فکر اسکی پڑی

سلہ انگریزی دانی ۔ سلہ انگریزی کی چیزیں

انگریز کے ملک میں لڑائی کیسی ؛
یہ ہند ہے یاں شورش انتظامی ہر بری

روشنی جو ہیں نئی ہے دوسری سنتے نہیں
انجم و شمس و قمر لیکن ہیں سب سے ہم طریق
لاکھ سمجھاؤ کہ صاحب ہے یہ فانی روشنی
وضع پر قائم ہیں سب ان میں ہے پرانی روشنی

انگریزوں میں عادت سحر خیزی تھی
مشرق کی ہوا سے وضع اب ہے بدلی
انداز و روش میں اک دلآویزی تھی
پہلے ابھی تھی خالص انگریزی تھی

کیک کی فکر میں سوروٹی بھی گئی
واعظ کی نصیحتیں نہ مانیں آخر
چاہی تھی شے بڑی سو چھوٹی بھی گئی
پتلون کی تاک میں لنگوٹی بھی گئی

ہمدردی کو بُرا بھلا جو چاہو وہ کہو
لاکھوں ہی کے ڈھیر کر دئے کالج میں
لیکن دکھلا دی اسنے ہمدردی اپنی
پوری کر دی یاں اسنے ڈیوٹی اپنی

حقیقت میں تو سب جلوہ تھا انکا
خدا ہی سے دعا پر تھا بھروسہ
خدا سے جب کہا فرماتے اکبر
رہی اک حالت فرضی ہماری
کہیں گذری نہیں عرضی ہماری
کہا ہم کیا کریں مرضی ہماری

اقبال کے ساتھ لے خرد تو بھی گئی
سچ کہتے ہیں حضرت کرامت[1] اکبر
غیرت کے ساتھ مذہبی بو بھی گئی
رخصت ہوئی فارسی تو اردو بھی گئی

کیا پوچھنا ہے حکمت مغرب کا واہ واہ
سمجھے تھے یہ کہ ایک ہیں ہم اور ہماری جان
فطرت بھی اس کو دیکھ کے حیران رہ گئی
دیکھا مگر کہ ہم نہ رہے جان رہ گئی

قطعہ

جو بائی ترک عبادات میں مثال بُری
جناب حضرت سید پہ کھل گیا ہوگا
یہ بحث جانے دے اکبر کچھ اور باتیں کر
خواہان نوکری نہ رہیں طالبان علم ؛
شروع ہی سے پکارا کہ ہے یہ فال بُری
کہ ہو ہی جاتی ہے بےقیدیوں میں چال بُری
عبث ہے جب تو یقیناً یہ قیل و قال بُری
قائم ہوئی ہے رسالے یہ اہل شعور کی

[1] عالیجناب مولوی کرامت حسین صاحب بیرسٹر ایٹ لا مرحوم جج ہائیکورٹ الہ آباد ۱۲

کمال لے میں قدیم مچ رہی ہے پاس پاس کی
عہدوں سے آرہی ہے صدا دور دور کی

پاؤں کو بہت جھٹکا پٹکا زنجیر کے آگے کچھ نہ چلی
تدبیر بہت کی ہے اکبر تقدیر کے آگے کچھ نہ چلی

یورپ نے دکھا کر رنگ اپنا سید کو مرید بنا ہی لیا
سب پیروں سے تو وہ بچ نکلے اس پیر کے آگے کچھ نہ چلی

جہاں نے ساز بدلا ساز نے نغموں کی گت بدلی
گئی رنگت بلا رنگت نے یاروں کی مت بدلی

فلک نے دور بدلا دور نے انسان کو بدلا
گئے ہم تم بدل قانون بدلا سلطنت بدلی

عجب حیرت آگیں ہے یہ انقلاب
ہماری سمجھ کیا سے کیا ہو گئی

سمجھتے تھے سب جس کو بیجا صریح
وہی بات بالکل بجا ہو گئی

جو کام تھا گنڈے کا نکلتا ہے وہ پل سے
خوش کیوں نہ رہیں لوگ فرنگی کے عمل سے

تاریخ تو خالدؓ کی پڑھو رات کو گھر پر
اور دن کو کچہری میں دیو نیل کمل سے

تماشا دیکھئے بجلی کا مغرب اور مشرق میں
کلوں میں ہے وہاں داخل یہاں مذہب پہ گرتی ہے

ایمان کی ہے تاب کافری ہے تو یہ ہے
تقویٰ بے دم ہے ساحری ہے تو یہ ہے

نظم اکبر ہے دافع جادو و کفر
ماشاء اللہ شاعری ہے تو یہ ہے

ظرافت

الا یا ایہا الشلفاک بجو راحت بنا دلہا
کہ قرآں سہل بود اول و لے افتاد مشکلہا

بکن تزئین پائے خود بہ بوٹ ڈاسن شیلوں
کہ مسٹر سید خبر دارد ز راہ و رسم منزلہا

دیکھیے قوال بیچارے کا اب کیا حشر ہو
شیخ صاحب کو تو پھر پر بھی وجد آنے لگا

یوں کرے گا پیش ہم پر جلوۂ حور بہشت
جب تخیل کا سماں واعظ کو تڑپانے لگا

پردے کا کیا ہے خود اڑنگا پیدا
کیا خوب کہا ہے مولوی مہدی نے
خود ہم نے کیا ازار اور لنگا پیدا
نیچر نے کیا ہے ہم کو ننگا پیدا

دیگر

مس کو دیکھا عاشق زلف چلیپا ہو گیا
مست تھا دل بھول کر وہسکی کا پیپا ہو گیا

مخمس

بکری کو ساگ پات کا سودا نہیں رہا
چوروں کو اپنی گھات کا سودا نہیں رہا
بنگالیوں کو بھات کا سودا نہیں رہا
اور شاطروں کو مات کا سودا نہیں رہا
اُلجھا ہوا ہے چندۂ اسکول میں ہر ایک

بنیوں کو اخذ سود کی فرصت نہیں رہی
لڑکوں کو کھیل کود کی فرصت نہیں رہی
منعم کو داد و جود کی فرصت نہیں رہی
کودن کو غنت ربود کی فرصت نہیں رہی
اُلجھا ہوا ہے چندۂ اسکول میں ہر ایک

گاہک کو مول بھاؤ کی پروا نہیں رہی
دل کو کہیں لگاؤ کی پروا نہیں رہی
مانجھی کو اپنی ناؤ کی پروا نہیں رہی
بدھوؤں کو نان پاؤ کی پروا نہیں رہی
اُلجھا ہوا ہے چندۂ اسکول میں ہر ایک

بچے فراغ طبع سے اب کھیلتے نہیں
ابھرے ہوئے جوان بھی ڈنڈ پیلتے نہیں
عشاق رنج ہجر بتاں جھیلتے نہیں
پاپڑ فروش پاپڑوں کو بیلتے نہیں

الجھا ہوا ہے چندہ و اسکول میں ہر ایک

لیتا ہے کون گرمی دل سے خدا کا نام
اب کون دھیان باندھ کے کرتا ہے رام رام
مذہب کو دور ہی سے کیا جاتا ہے سلام
کوٹھی کو ہے فروغ نہ رونق پہ ہے گودام

الجھا ہوا ہے چندہ و اسکول میں ہر ایک

کم ہو گیا ہے لوگوں میں آپس کا میل جول
وہ ٹولیاں نظر نہیں آتیں نہ اب وہ غول
تاشے نہ شادیانے بجتے کہیں نہ ڈھول
مخبوط بدحواس پریشان گول مول

الجھا ہوا ہے چندہ و اسکول میں ہر ایک

اسکول ہی میں علم ہے جس سے کہ ہے شرف
لڑکا نہ سیکھے علم تو کہتے ہیں ناخلف
لیکن کچھ اور دھندے بھی ہیں پیش صف بصف
یہ کیا کہ ساری قوم ہی جھک جائے اک طرف

الجھا ہوا ہے چندہ و اسکول میں ہر ایک

پنڈت پراجا کے بنارس پہ آ رہے
مرکٹ سے شیخ شہر بھی نوٹیس پہ آ رہے
حالی غزل کو چھوڑ مسدس پہ آ رہے
ہم فرد تھے سو ہم بھی مخمس پہ آ رہے

الجھا ہوا ہے چندہ و اسکول میں ہر ایک

کونسل میں نکتہ چینیوں کی ٹولی بہت بڑی
اچھا ہوا سنبھل گئی اب یونیورسٹی
بیکار کالجوں سے بھرے گا نہ ہر سٹی
اس بل سے یہ شکایت احباب بھی مٹی

الجھا ہوا ہے چندہ و اسکول میں ہر ایک

مری نظروں میں یکساں ہیں شمر ہوں یا گیو ماتا
مجھے کرتے جو مدعو تھا میں میں بھی جھوم آتا
ہم ہیں کہیں ضعف ہو جب دین سے یورپ بچھڑا
مسجدیں کہیں جھکیں جب توپ سے گرجا نہ گرا

پیر مغاں سے رات کیا میں نے یہ گلا
مغموم ہوں یہاں بھی فراکچھ نہیں ملا

[illegible]

اس نے یہ مسکرا کے کہا از رہ مزاح
جینے کی کس نے تم کو جوانی میں دی صلاح
میں نے کہا کہ بعض نود سالہ پیر مرد
اب تک اڑا رہے ہیں در میکدہ کی گرد
کہنے لگا کہ ان پہ عبث ہے تری نظر
غفلت کا ہے وہ نشہ جوانی سے تیز تر

زمانہ کہہ رہا ہے سب سے پھر جا
نہ مندر جا نہ مسجد جا نہ گرجا

ایسا شوق نہ کرنا اکبر
گورے کو نہ بنانا سالا
بھائی رنگ یہی ہے اچھا
ہم بھی کالے یار بھی کالا

کرتے تھے بتوں سے خوب جوڑا مانجھا
رہتے تھے مشیر برہمن اور اوجھا
برکت ہے اسی کی اس صدی میں حضرت
بیٹھے ہوئے کر رہے ہیں چا چھا جا جھا

رحیمن پکاری کہ نیدھا بوا
عجب جانور ہے یہ کاکا توا
بتاؤ ذرا عقل ہے میری گم
کدھر چونچ ہے اور کدھر اسکی دم

کرزن و کچنر کی حالت پہ جو کل
وہ صنم تشریح کا طالب ہوا
کہہ دیا میں نے کہ ہے یہ صاف بات
دیکھ لو تم زن پہ نر غالب ہوا

بات سید کی کچھ ایسی تھی کہ جس نے اسکو
کاٹنا چاہا زمانے میں وہ بس آپ کٹا
کہتے پھرتے ہیں یہ اب کانگرسی ہر سو
مرگیا کول کا بڈھا یہ چلو پاپ کٹا

پانی پینا پڑا ہے پائپ کا
حرف پڑھنا پڑا ہے ٹائپ کا
پیٹ چلتا ہے آنکھ آئی رہے
شاہ ایڈورڈ کی دہائی ہے

نیچر نے دیدیا ہے پٹہ رجولیت کا
کیونکر نہ ہوں بتوں سے طالب قبولیت کا

پرچہ رکھا جو اس نے میں یہ سمجھا
پاکٹ میں یہ بیس روپیہ کا نوٹ گیا
گھر پہ کھولا تو بس یہی لکھا تھا
کیا شعر تھے واہ واہ میں لوٹ گیا

اسمال[۲] نہیں گریٹ[۳] ہونا اچھا
دل ہونا برا ہے بیٹ ہونا اچھا
پنڈت ہو کہ مولوی ہو دونوں بیکار
انسان کو گریجوایٹ[۴] ہونا اچھا

۱؎ بالارادہ اصلی لفظ سے تجاوز کیا گیا ۲؎ چھوٹا ۳؎ بڑا ۴؎ سند یافتہ کالج ۱۲

حضرت اکبر سے سن کر یہ لطیفہ بزم میں
سب ہنسے کچھ رہ گئے خون جگر کے پیکے گھونٹ
شیخ جی زرق برق بنے پھرتے تھے پہلے چرچ پر
چشم بد دور اب بنے ہیں آپ کمسریٹ کا اونٹ

کودتے پھرتے ہیں یہ باغ میں ٹٹو کی طرح
باغباں دیکھے ہوئے بیٹھے ہیں الو کی طرح
ان نئی روشنی والوں سے نہیں ہے کچھ فیض
شب تاریک میں چمکا کریں جگنو کی طرح
آ گئی زلف مساں زلف بتاں پر غالب
پیچ ہوتے تھے بہم افعی و راسو کی طرح
اکبر اس عہد میں تو صبر و تحمل سے جو کام
اس سے بہتر ہے کہ غصہ کرو بابو کی طرح

سید کی طرف تو چندہ لانے کی ہے ٹخ
اور شیخ کے گھر میں بھی گانے کی ہے ٹخ
بہتر ہے یہی کہ بت پرستی کیجئے
گو اس میں بھی صبح کو نہانے کی ہے ٹخ

سحر مسلم شکایت با خدا کرد
کہ تفسیرش بادیدی جہا کرد
من از بیگانگاں ہرگز نہ نالم
کہ با من آنچہ کرد آں آشنا کرد

اکبر اگرچہ موسم باراں خوش است خوب
لیکن چو گوش و چشم دریں فصل واکنید
مچھر دود کہ گوش لفر یاد بندہ نیز
بھنگا رسد کہ گوشۂ چشمے بما کنید

بگو بہ سیٹھ کہ اورا بھرم نخواہد ماند
بگو بہ برہمن اورا دھرم نہ خواہد ماند
من ار چہ در نظر یار شرمسار شدم
رقیب نیز چنیں محترم نہ خواہد ماند

تہمد پہ ہے شبہہ و حقارت کی نظر
پتلون پہ غصہ و شرارت کی نظر
بہتر ہے یہی برہنہ پھریے اکبر
شاید پڑ جائے انکی رغبت کی نظر

جو دونوں ساتھ پڑھیں تو یہی مناسب ہے
کہ اپنے گھر میں کرسمس بھی کر تو عید بھی کر
خدا کرے کوئی بت آ کے یہ کہے مجھ سے
بٹھا بھی لے مجھے گھر میں مجھے مرید بھی کر
جو سن چکے مری غزلیں تو بولے لاچندہ
جو ہنہنایا ہے اتنا تو آج لید بھی کر

اس بت کے لئے ہے دہر میں فصل بہار
اک تخت رواں پہ پھرتا ہے لیل و نہار
کہتا ہوا اٹھا دو اس کو یہ ہے مرا عرش
کہدو اکبر کہ ہیں فرشتہ نہ کہار

انھیں شوق عبادت بھی ہے اور گانے کی عادت بھی
نکلتی ہیں دعائیں انکے منہ سے ٹھمریاں ہوکر

تعلق عاشق و معشوق کا تو لطف رکھتا تھا
مزے اب وہ کہاں باقی رہے بی بی میاں ہوکر

نہ تھی مطلق توقع بل بنا کر پیش کر دو گے
مری جاں لٹ گیا میں تو تمہارا میہماں ہوکر

حقیقت میں میں بلبل ہوں مگر چارہ کی خواہش میں
بنا ہوں ممبر کونسل یہاں مٹھو میاں ہوکر

نکالا کرتی ہیں گھر سے یہ کہہ کر تو تو مجنوں ہے
ستا رکھا ہے مجھ کو ساس نے لیلیٰ کی ماں ہوکر

رقیب سفلہ خو ٹھہرے نہ میری آہ کے آگے
بھگایا مچھروں کو انکے گھر سے دھواں ہوکر

پائے در پتلون و دل در پیشواز
چندے روزے باہمیں حالت بساز

سنتا ہوں محال ہے خدائی سے گریز
لیکن کہتا تھا مجھ سے کل اک انگریز
تم مانگ لو اپنے شاعروں سے گنجائش
فطرت کے حدود سے زیادہ ہے وہ تیز

آگے انجن کے دیں ہے کیا چیز
بھینس کے آگے بین ہے کیا چیز

ہند میں شیخ رہ گیا افسوس
اونٹ گنگا میں بہہ گیا افسوس
دیکھ کر ہم کو ایسی دلدل میں
راہ چلتا بھی کہہ گیا افسوس

عاشق کا خیال ہے بہت نیک معاش
ہونے نہیں دیتا حسن کے راز کو فاش
کیوں وصل[1] میں جستجو کمر کی وہ کرے
حاضر میں نہ حجت اور نہ غائب کی تلاش

بی شیخانی بھی ہیں بہت ذی ہوش
کہتی ہیں شیخ سے بجوش و خروش
خواہ لنگی ہو خواہ تہمد
در عمل کوش و ہرچہ خواہی پوش

دل نے یہ کہا کہ دین کے جو ہوں دوست
ہرگز رکھوں گا میں نہ ایسوں سے غرض
میں نے یہ کہا کہ خیر بہتر ہے مگر
اب شیخ کو بھی ہے چار پیسوں سے غرض

مذہب کے جو ہو رہیں تو سرکار کا خوف
مذہب سے اگر پھریں تو پھٹکار کا خوف
دونوں سے اگر بچیں تو احباب کو ہے
بے رونقی دکان و دربار کا خوف

اونچے ہیں رذیل اور ہیں زیر شریف
قسمت کا یہ دیکھتے ہیں اب پھیر شریف

---

[1] جب معشوق پیش نظر ہو وصل کے یہی معنی ہیں ۱۲

حضرت نے تو چھاؤنی میں رکھی ہے دُکان،
ہم کیوں اپنا محلّہ ٹولہ چھوڑیں

خلافِ شرع کبھی شیخ تھوکتا بھی نہیں،
مگر اندھیرے اُجالے یہ چوکتا بھی نہیں

سوپ[1] کا شائق ہوں یخنی ہوگی کیا
چاہیے کٹلٹ[2] یہ قیمہ کیا کروں

لیتھبرج کی چاہیے ریڈر مجھے
شیخ سعدی کی کریما کیا کروں

کھینچتے ہیں ہر طرف تانیں حریف
پھر میں اپنے سر کو دھیما کیا کروں

ڈاکٹر سے دوستی لڑنے سے بیر
پھر میں اپنا جان بیما کیا کروں

چاند میں آیا نظر غارِ مہیب
ہائے اب اے ماہ سیما کیا کروں

زور پر ہے شہر میں طاعون چارہ کیا کروں
لاٹ صاحب تک ہیں چپ پھر میں بچارا کیا کروں

نیچری وعظِ مہذب کو لئے پھرتے ہیں
شیخ صاحب ہیں کہ مذہب کو لئے پھرتے ہیں
ہم کو ان تلخ مباحث سے سروکار نہیں
ہم تو اک شوخ شکر لب کو لئے پھرتے ہیں

بے سود اشعار اور کبت ہوتے ہیں
مفلس سے کہاں وہ ملتفت ہوتے ہیں
گر سچ تو عشق کے اکھاڑے میں ہزار
یہ بُت تو بزورِ زر ہی چت ہوتے ہیں

سچ کہا اکبر نے ہاتھا پائی کا ہے کیا علاج
زورِ منطق سے تو ممکن ہے انھیں ساکت کریں
بدگماں ہرگز نہ ہوں وہ ہم جو انکو چت کریں
ہے فقط یہ مدعا ان کی کمر ثابت کریں
شیخ جی فربہ تھے اُنکی طبع میں جدت کہاں
مغربی جو ہیں مگر بلغم کو چاہیں پت کریں

چیکوں دنیا سے کس طرح ہیں
عورت نے کہا کہ گوند میں ہوں
قومی چندے کدھر سمائیں
کالج نے کہا کہ توند میں ہوں

ماشاء اللہ وہ ڈنر کھاتے ہیں
بنگالی بھائی اُن کا سر کھاتے ہیں
بس ہم ہیں خدا کے نیک بندے اکبر
انکی گاتے ہیں اپنے گھر کھاتے ہیں

یورپ والے جو چاہیں دلمیں بھر دیں
جس کے سر پر جو چاہیں تہمت دھر دیں
بچتے رہو ان کی تیزیوں سے اکبر
تم کیا ہو خدا کے تین ٹکڑے کر دیں

[1] انگریزی شوربا ۱۲ [2] اصلی انگریزی کباب ۱۲

کوٹھی میں جمع ہے نہ ڈپازٹ ہے بنک[1] میں
قلاش کر دیا مجھے دو چار تھینکس[2] میں

لذت چاہو تو وصل معشوق کہاں
شوکت چاہو تو زر کا صندوق کہاں
کہتا ہے یہ دل کہ خود کشی کی ٹھہرے
خیر اسکو بھی مان لیں تو بندوق کہاں

تبھو نہیں کورس ان میں فارمولا[3] ڈک کرتے ہیں
عدیم الفرصتی سے انکی لذت ترک کرتے ہیں

آپکی صورت بہت اچھی ہے اسمیں شک نہیں
پھر مجھی کیا ذہن میں اسکا جواب اب تک نہیں
مجھ سے آخر آپکو کیوں اسقدر وحشت یہ خوف
آپ بنگالی نہیں ہیں اور میں ٹنک نہیں

گو کہ وہ کھاتے بڑے ٹانک اور کیک ہیں
پھر بھی سیدھے ہیں نہایت نیک ہیں
جب میں کہتا ہوں کہ گیو می کس ڈیر[4]
سر جھکا کر کہتے یو می ٹیک اٹ[5] ہیں

تن رہے ہیں آپ فکر جاہ کے بیلون میں
میں گھلا جاتا ہوں فکر رزق کی افیون میں

حال دنیا سے بیخبر ہیں آپ
گو تقدس مآب بیشک ہیں
شیخ جی پر یہ قول صادق ہے
چاہ زمزم کے آپ مینڈک ہیں
شیخ جی کو جو آگیا غصہ
لگے کہنے یہ پھینک کر دھسّا
تم ہو شیطان کے مطیع و مرید
تم کو ہر ایک جانتا ہے پلید
ہے تمہاری نمود بس اتنی
جس طرح ہو بڑی پریڈ پہ لید

کل مست عیش و ناز تھے ہوٹل کے ہال میں
اب ہائے ہائے کر رہے ہیں سپتال میں

دنیا اُسے قرار دو اور آخرت یہ ہے
سن لو کہ ساز معنی اکبر کی گت یہ ہے

سنکے مصرع شیخ صاحب زیادہ ہنسا چکے ہیں
ہماری گردن وہ کیوں نہ ماریں جو ناک اپنی کٹا چکے ہیں

رقیبوں نے رپٹ لکھوائی ہے جا جا کے تھانے میں
کہ اکبر نام لیتا ہے خدا کا اس زمانے میں

مے کی طرف سے معذرت

قسمت وہ کہاں کہ اب وہ تقسیم نہیں
کیونکر وہ اثر ہو جب وہ تعلیم نہیں
لغزش پہ مری بُرا نہ مانو اے شیخ
وہسکی کی ہے لہر موج تسنیم نہیں

۱ بنک ۲ شکریہ ۳ انگریزی حساب کالج میں جسکی تعلیم ہوتی ہے ۴ یعنی پیاری مجھکو بوسہ دو ۵ یعنی آپ لے سکتے ہیں ۱۲

مچھروں نے بہت ستایا رات
میں نے کوسا کہ ہو تمھیں طاعون
بولے اس کا ہمارا منبع ایک
کیوں وہ کرنے لگا ہمارا خون

لگے کل حافظ محمد حسین
چودھری سے بولے یہ حاجی امن
کہ کر دیجئے ان کی دعوت ضرور
وہ ہیں صاحب دانش و علم و فن
وہ ہیں مولوی آپ بھی مولوی
ذرا دیکھ لیں رونق انجمن
وہ بولے مگر ان کا کیا جوڑ ہے
میں گلڈسٹن ہوں ہیں وہ اسٹیلین

وہ لطف اب ہندو مسلماں میں کہاں
اغیار ان پر گذرتے ہیں خندہ زناں
جھگڑا کبھی گائے کا زباں کی کبھی بحث
ہے سخت مضر یہ نسخۂ گاؤ زباں

چندوں ہی کو سوجھتے ہیں ان کو مضموں
دل شاد ہو اس سے قوم یا ہو محزوں
لڑکے انھیں دیکھ کر مچاتے ہیں دھوم
یہ ہیں نئی روشنی کے چندا ماموں

اعزاز نسب کے مٹتے جاتے ہیں نشاں
اگلے سے خیال ہند میں اب وہ کہاں
سیّد بننا ہو تو بنو مسٹر سیّد
ہونا ہو خان تو تم ہو انگریزی خواں

متفرق شعر ہیں قطعہ نہیں ہے

پردہ اٹھا ہے ترقی کے یہ ساماں تو ہیں
حوریں کالج میں پہنچ جائینگی غلماں تو ہیں
کٹ گئی ناک حرم میں تو نہیں کچھ پروا
ٹھیٹر تو دیر میں سننے کیلئے کان تو ہیں
خاصدان آگے بڑھا کر مری باتوں یہ کہا
آپ کیوں جان مری کھا رہے ہیں پان تو ہیں
انسے ملنے میں ہوا ایمان کا نقصان اکبر
خیر جو کچھ ہو نکلتے مرے ارمان تو ہیں

وہ ایسی ریش والے کو بھلا کب پان دیتے ہیں
جناب شیخ ناحق اس ہوس میں جان دیتے ہیں

کیوں کرتا ہے اعتراض بی تم ہم
اس کا جو ہیں ہم زبان نہیں ہوں
گو ہوں نئی روشنی کا شیدا
گو میں شرعی جوان نہیں ہوں
کرتا نہیں لیکن اسکی عظمت
اس کا افسانہ خوان نہیں ہوں

شیخ اس درجہ اناڑی ہیں جو گھوڑے پہ چڑھے
لات دنیا پہ نہ مارو ابھی اے حضرت شیخ
باگ گردن میں رکاب آ کے پھنسی ران میں ہو
بیٹھکیں کر لو ذرا زور تو کچھ ران میں ہو

شوقِ لیلائے سول سروس نے مجھ مجنون کو
جامۂ ہستی کے ٹکڑے اڑ رہے ہیں نزع میں
اتنا دوڑایا لنگوٹی کر دیا پتلون کو
پھینکیے اب کوٹ کو تہ کیجیے پتلون کو

دنیا کی سی طرق سے منہ موڑو
بھوکے سے کہو کہ حدِ تہذیب میں رہ
شیرازۂ مذہبی لغت کا توڑو
آنتوں سے کہو کہ قل ہو اللہ چھوڑو

فقط مذہب کا تم میں عزت و وقعت کی ہے یہ بو
وگرنہ اور کیا نسبت کجا وہ لحم کجا کلو

بے ہنر ہو کر جو بیٹھو طعنۂ جاہل سنو
ہمکو تو پیرِ طریقت نے یہی دی ہے صلاح
باہنر ہو کر جو چمکو قوم سے گالی سنو
قصۂ منصور دیکھو اور قوالی سنو

اونٹ نے گائوں کی ضد پر تیر کو ساجھی کیا
پھر کلیسا نے کسی بدتر سے پایا اونٹ کو

جیسے لکھا چاہتے ہو بانی اپنی دسترس
منہ میں ہاتھی کے بھی لے بھائی وہ گنا نہ دو

تکلفات سے للہ اپنا سر نہ پھراؤ
مجھے بھی بیٹھ کے گیا رکھ کے خوانِ نعمت پر
جو دال روٹی ہو موجود وقت پر وہ کھلاؤ
کیا بسا کرتا ہے اب مجھ کو انتظارِ پلاؤ

نیکی کے حق میں کج ادائی نہ کرو
بیٹے بھی رہیں گے اور مرو گے بھی ضرور
اللہ کے ساتھ بے وفائی نہ کرو
کہتا ہوں کہ دعویٰ خدائی نہ کرو

صاحب سے اذن لیکے کرو نگہ میں عشقِ چشم
لیسنس ہے ضرور ہرن کے شکار کا

جب پڑی قومی مصیبت تو کسی نے کیا کیا
سب ہوئے اندر نہیں خونِ جگر سب نے پیا
ہاں جو شاعر تھے انھوں نے نالۂ موزوں کے ساتھ
داغِ دل کو آسمانِ نظم پر چمکا دیا

پیتا ہوں شراب آبِ زمزم کے ساتھ
ہے عشقِ حقیقی و مجازی دونوں
رکھتا ہوں الگ اٹھنی بھی ٹم ٹم کے ساتھ
قوال کی بھی صدا ہے چھم چھم کے ساتھ

قوم سے کس کی سفارش کیا کروں
نیک کو شیطان کر دیتی ہے یہ

ایک جوہر ہے فقط اس میں مفید
خود کشی آسان کر دیتی ہے یہ

غزل میری سنتے نہیں شیخ جی
تقدس کی بھی انتہا ہو گئی
تکلف سے پکوان میں دن ڈھلا
ہماری تو پوری سزا ہو گئی
اضافہ ہوئی مجھ سے گندم پہ سے
یہ پوتے سے بھی اک خطا ہو گئی
یہ تھی قیمت رزق ٹوٹے جو دانت
غرض کوڑی کوڑی ادا ہو گئی

پیارا ہے ہمکو شیخ ہمارا بڑا ہی
پیا تو ولایتی نہیں دیسی چھپرا ہی
اکبر کا نغمہ قوم کے حق میں مفید ہو
دل کو تو گرم رکھتا ہو دیسی مزا ہی

رہا کرتا ہے مرغ فہم شاکی
نئی تہذیب کی انڈے ہیں خاکی
چھری سے انکی کٹوا کر فلک نے
خدا جانے ہماری ناک کیا کی
ابھی انجن گیا ہے اس طرف سے
کہے دیتی ہے تاریکی ہوا کی
رہی رات ایشیا غفلت میں سوتی
نظر یورپ کی کام اپنا کیا کی

ہے عجب انقلاب دنیا میں
کیا کہوں بات بھائی صاحب کی
اب وہ تسبیح پر بجا سکتے درود
پڑھ رہے ہیں دُہائی صاحب کی

ہوئی جب آمد پیری ہوا میں سر کہ پیشانی
ترشروئی کی چلتی پھرتی جڑ ہو داڑھی ہو جیسے کھچڑی

سوال اب یہ عبث ہے جب کہ پتلونوں کی ارزانی
چو کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی

مجھ میں نہیں خوش آتے نہ بھاتے ہیں انرجی
میں ذِیل کا طالب ہوں نہ خواہان انرجی
سنتا نہیں لکچر میں پڑا رہتا ہوں دن رات
لگتا ہے فقط لیڈروں میں وقت ڈنر جی

کیسا میں محروم ہوں میں لطف خاطر خواہ سے
آ گیا ہوں تنگ مذہب کی معاذ اللہ سے

وضع مغرب سیکھ کر دیکھا تو یہ کافور تھی
اب میں سمجھا واقعی ڈاڑھی خدا کا نور تھی

علم پر بھی عشق کی تاثیر آخر پڑ گئی
تخلیے کی بات بیباک کے دلوں میں گڑ گئی
وصل کی شب میں نئی اس بت کے لڑائی تھی زباں
یہ اثر اس کا ہوا اردو سے ہندی لڑ گئی

لہ سرگرمی سے سعی کی کوشش سے یعنی عربی و فارسی کے الفاظ داخل کر دئے گئے ۱۲

سینے نہ جنگ اردو و ہندی کی
بیٹھے ہوا میں لطف وصل بتاں

میں نے سمجھا یہ عالم رندی
خوب گذری زبان کے بل

اخلاق نکو و خوش تمیزی نہ سہی
میٹھے پانی سے ہے زبان شیریں کا کام

القاب حبیبی و عزیزی نہ سہی
جاں بخش حرارت عزیزی نہ سہی

بھائی مجھے کل یہ بات بیل منی کی
جیسا موقع ہو ویسا بتادو وہ نہیں

تفریق اڑا دو شیعہ سنی کی
پھر سے کی نہ شرط ہو ضد حنفی کی

پکتا نہیں گوشت خیر ہنڈی ہی سہی
موقع جو پڑے پہ قاعدہ کا نہیں

پیچ تکمیل ضرور ہے پھسند قواہی سہی
چندہ تحصیل کر کبڈی ہی سہی

ڈاڑھ کیا درج ہے مرے بھرتے کی

شکل کوٹے کی ہیئت سوٹے کی

مری فغاں پہ مس ناشناس بول اٹھی
بجائیں شوق سے ناقوس برہمن اکبر

کہ بابوؤں میں تو عادت ہو غل مچانے کی
یہاں تو شیخ کو دھن ہے بگل بجانے کی

کوئی شورش نہیں ہے ہر طرح سے خیر صلا ہے
یہ کلکتہ کی شوخی اور یہ ڈھاکہ کی ادا سجی
یہ دیسی ورزشیں ہیں مغربی جمناسٹک ہے دو

نہ سرگرمی پولیس کی ہے نہ جاری ابتلا ہے
وہ اک فرشی کبڈی ہے یہ لفظی گیند بلا ہے
تنے سن کی طنابیں ہیں کہ رسہ کا پھیلا ہے

مہمان فلک کہاں سکوں پاتا ہے
ہے ہضم کی فکر میں یہ نقل دستی

آسودہ جو ہیں انھیں بھی کھٹکاتا ہے
ظاہر ہے صریح پیٹ دوڑاتا ہے

در پر مظلوم اک پڑا روتا ہے
کہتا ہے وہ شوخ ٹال دو ٹھیک نہیں

بیچارہ بلا میں مبتلا رہتا ہے
کیا اس کی سنوں کہ بے سرا روتا ہے

ہندو ضعیف ناسہیں نہ چھٹا ہو نہ لٹا ہے

اگر ہیں محتسب کوئی قلی ہے کوئی مٹیا ہے

اٹھا تو کھادو لیکن دل میں کہ صرف خدا کرینگے
کہاں کے قبلہ کہاں کے قبلی جنید کیسے کہاں کے شبلی

سنا اگر یہ خیال آیا ملی نہ روٹی تو کیا کرینگے
سوز عشق تصوف کے ہمنصب ای شینگے سرجن فرا کرینگے

ے کانگریس، عہ کانفرنس۔

اجل سے بھی نہ بچیں گے خلافِ مزاج سے اپنی ہونگے واقف — اثر کر گئی ہو مخالف تو آپ اپنی دوا کریں گے

پوچھا میں نے کہ تیرا مذہب کیا ہے — کہنے لگا اس سے تیرا مطلب کیا ہے
میں نے یہ کہا کہ غولِ ہندی کیلئے — بولا کہ شکست کھا چکے اب کیا ہے

اپنی گرہ سے کچھ نہ مجھے آپ دیجئے — اخبار میں تو نام مرا چھاپ دیجئے
دیکھو جسے وہ پائنیر آفس میں ہے ڈٹا — بہرِ خدا مجھے بھی کہیں چھاپ دیجئے
چشمِ جہاں سے حالتِ اصلی چھپی نہیں — اخبار میں جو چاہیے وہ چھاپ دیجئے
دعوے بہت بڑا ہے ریاضی میں آپ کو — طولِ شبِ فراق کو تو ناپ دیجئے
سنتے نہیں ہیں شیخ نئی روشنی کی بات — انجن کی انکے کان میں اب بھاپ دیجئے
اس بت کے در پہ غیر سے اکبر نے کہدیا — زر ہی میں دینے لایا ہوں جان آپ دیجئے

شیخ صاحب دیکھ کر اس مس کو ساکت ہو گئے — ماسٹر صاحب بہت کمزور تھے چت ہو گئے

نہ کچھ انتظارِ گزٹ کیجئے — جو افسر کہے بس وہ جھٹ کیجئے
بہت بھاتی ہے اسکی پھرتی مجھے — دعا ہے کہ لڑکی یہ نٹ کی جیے
اکھاں کا حلال اور کیسا حرام — جو صاحب کھلائیں وہ چٹ کیجئے
سکھاتے ہیں تقلیدِ انگلش جو آپ — کہیں مفلسوں کو نہ پٹ کیجئے
بگڑ جائے گا مِس سے سارا کھیل — بس ان لعبتوں پر نہ ہٹ کیجئے
بہت شوق انگریز بننے کا ہے — تو چہرے پہ اپنے گلٹ کیجئے
اجل آئی اکبر گیا وقتِ بحث — اب اِٹ[1] کیجئے اور نہ بٹ[2] کیجئے

نہایت حکمت آگیں آپ کی اسپیچ ہوتی ہے — ذرا شربت کا دیجاتی ہے گو وہ تیز ہوتی ہے

نہ صرف آ گئی ہے سستی بدن آپ کا نرم ہے — شاید یہ چلی بیگم سے کسی بات پہ رنج ہے
پہونچا ہیں فلک پر جو نظر تم نے ملائی — شاید کہ میں تحمّل ہوں نظر آپ کی رخ ہے
اپنے شجرِ حسن کی وہ خیر منائیں — عشاق کی کثرت ہے کہ یہ فوجِ ملخ ہے

---

[1] اگر [2] مگر ۱۲

خوبی کو سدھارے ہوئے مدت ہوئی اکبر
البتہ علی گڈھ کی گلی ایک بچی ہے

رندی و شراب و بزم شاہد بھی ہے
لیکن قربان حکمت پیر مغاں
منطق بھی ہے دلیل محکم بھی ہے
دو مولوی بھی ہیں ایک مسجد بھی ہے

دشمن نوکری کی ہے تیری ہے نہ حور رہی
آئین بھی بدلتے ہیں نیت کے ساتھ رُت
اب فکر بابو کی ہے قیامت تو دور ہے
امید ہے اصول سے اب دل نفور ہے

دن تو جناب کی خدمت میں بسر ہوتا ہے
سائنس رسکیٹ کا وقت آئے کہاں سے اکبر
رات پریوں کی خوشامد میں گزر جاتی ہے
دیکھ تو غور سے دنیا کو کدھر جاتی ہے

نوکروں پر جو گزرتی ہے مجھے معلوم ہے
بس کرم کیجئے مجھے بیکار رہنے دیجئے
راہ میں لیسنس ہی کافی ہے عزت کے لیے
بس یہی لے لیجئے تلوار رہنے دیجئے
ڈاکٹر صاحب سے ملنا آپ کا اچھا نہیں
سنیئے گھر میں مجھے بیمار رہنے دیجئے
تیز ہے کا اثر تھا نزع کی آمد نہ تھی
خیر اُٹھئیے توبہ استغفار رہنے دیجئے

کامیابی کا سر لیشی پر ہر اک در بستہ ہے
چونچ طوطا رام نے کھولی مگر پر بستہ ہے

مشاعرہ آگرہ

شوخیت کری شروع جو کی اک عزیز نے
جو سلسلہ ڈالتے تھے ہمرام گور سے
پوچھا کہ بھائی تم تو تھے تلوار کے دھنی
میراث تمہارے آگئے تھے ترکِ غور سے
کہنے لگے ہو آئیں بھی اک بات ترک کی
رٹی ہم اب کاٹتے ہیں جھٹکے زور سے

موکل پاچھلے اُن کے پیچھے سے جب
پیچھے پکارا کر کے (۳) پی کہاں
آتیں تو قوم مرحوم کے مسرور ہے
اگر وہ پلیڈر سے لیڈر ہو گئے

پردے کے واسطے تو عبث بیقرار ہے
پردہ در دل کا راز تو خود آشکار ہے
آنا نقی میں حسن بتاب و شرما رہے
پردہ اٹھا کے دیکھو تو آگ کا ار ہے
زاہد ایسے بیکے خنجر ہیں ابرو کے خدا رہے
جس طرح بالوں کو ہے بیگانگت تلوار سے

لہ چڑا بنانا

پریوں کا شوق ہے نہ مجھے فکر حور ہے
کالج سے ہے نجات تو ذکر حضور ہے

بابو صاحب نے کہا اک باغ ہے میرا کلام
اسمیں کیا شک ہے مگر یہ باغ شالامار ہے

سوئے ڈاک چلے جو غبارے میں بیٹھ کر
منہ حاسدوں کے غصّہ و غیرت سے مرجھلے
احباب نے کہا کہ مبارک ہو یہ عروج
شکر خدا کہ اب تو یہ بابو بھی اڑ چلے

سینہ مس کا ابھار سے دل فساد انگیز ہے
لوگ سچ کہتے ہیں بادنجاں باد انگیز ہے
عدل انگلش مین سے تو نیند آ رہی ہے شیخ کو
بابوؤں کی شورش البتہ جہاد آمیز ہے
علم کی حد تک عقیدے سب یقیں کیسا ہے یہاں
اسکے آگے کی ہوس صرف اعتقاد انگیز ہے

شیخ جی گھر سے نہ نکلے اور مجھ سے کہہ دیا
آپ بی اے پاس ہیں اور بندہ بی بی پاس ہے

ممکن نہیں ہے مس ترا لطف نہ لیا جائے
گال ایسے پریزاد ہوں اور کس نہ لیا جائے

لندن میں بگڑ جاؤگے وسواس یہی ہے
تم پاس رہو میرے بڑا پاس یہی ہے

ہر اک ریمارک آپ کا عقرب کا نیش ہے
مجھ کو بھی رنج غیر کا سینہ بھی ریش ہے
مجھ سے کہا کہ گوز شتر ہے ترا سخن
اس سے یہ کہہ دیا کہ تو گوبر گنیش ہے

یاروں کو فکر روز جزا ابھی نہیں رہی
بس کام ہے انھیں روش و نشاط سے
کہتے ہیں حرج کیا ہے جو بارک سے دو پل
بائیسکل پہ گذریں گے ہم پل صراط سے

خلقت اسی سمت بسمت بہ سمت جاتی ہے
با عود و رباب و چنگ و دف جاتی ہے
ہے نور خدا ابھی طالب رزق کا دوست
ڈاڑھی بھی تو پیٹ کی طرف جاتی ہے

کچھ شک نہیں کہ حضرت واعظ ہیں نیک نفس
یہ اور بات ہے کہ ذرا سے بیوقوف ہیں

اردو کے تین ربع کے مالک ہیں خود ہنود
پھر کیا سبب جو اس سے انھیں انحراف ہے
یعنی اردو ہے جزو انھیں کے مذاق میں
اردو کی تین جز یہی عبارت صاف ہے

ذوق سننے نہیں مجھے اکبر
سن لے یہ بات گر تجھے شک ہے
شیخ سے چھوٹے الجھے انجن میں
اسمیں کیا بات تجھی میں [illegible]

میں نے جو کہا کل انتظام آپ کا ہے
ہے فائدہ آپ کا یہ کام آپ کا ہے
کہنے لگے مسکرا کے یہ سب ہے صحیح
لیکن خوش ہو جیے کہ نام آپ کا ہے

مذہب جس کی نظر سے بالکل گم ہے
کیونکر میں کہوں وہ داخل مردم ہے
شائستہ جو ہو تو اس کو یونٹی سمجھو
ایسا جو نہ ہو تو اک خر بے دم ہے

(آئینۂ اردو زبان کا نمونہ)

بابو جی کا وہ بت ہوا نوکر
غیر اسکو پیام دیتا ہے
بابو کہتے ہیں وہ نہ جائے گا
میرے انڈر میں کام دیتا ہے

واسطہ کم ہو گیا اسلام کے قانون سے
دب گئی آخر مسلمانی مری پتلون سے

اب کہاں تک بتکدے میں صرف ایماں کیجئے
تا کجا عشق بتان سست پیماں کیجئے
ہے یہی بہتر علیگڈھ جا کے سید سے کہوں
مجھ سے چندہ لیجئے مجھ کو مسلماں کیجئے

جب اگلا کورس خارج ہو گیا تعلیم اطفال سے
تو اب اغراض ہم کیونکر کریں تعلیم نسواں سے

ان کو کیا کام ہے مروت سے
اپنے رخ سے یہ منہ نہ موڑینگے
جان شاید فرشتے چھوڑ بھی دیں
ڈاکٹر فیس کو نہ چھوڑیں گے

اس اکھاڑے میں اڑنگے دیکھ کر قانون کے
شیخ نے تہمد سے ہجرت کی طرف پتلون کے

نہیں کچھ گفتگو اس میں یقیناً تیز ہیں حضرت
بس اتنی بحث باقی ہے یہ پہیا ہے کہ انجن ہے
چمک تیغوں کی ہاتھوں کی صفائی واہ کیا کہنا
مگر یہ دیکھ لو کٹھار برکا ہے کہ گردن ہے
مدار کار جب ہو اتفاق عقل و حکمت پر
تو اس میں جو کرے غفلت وہ اپنا آپ دشمن ہے

راہ تو مجھ کو بتا دی خضر نے
اونٹ کا لیکن کرایہ کون دے
اب تو جاگو ایشیائی بھائیو
نیند میں غفلت کی صدیوں سو لئے
ہو مبارک جستجوئے خضر انھیں
ہم تو اب انجن کے پیچھے ہو لئے
اب تھیٹر میں ہنسینگے جا کے خوب
خانقاہوں میں تو برسوں رو لئے

ہوتا ہے نفخ یورپین نان پاؤ سے
ایمان بیچنے پہ ہیں اب سب تلے ہوئے
دھمکا کے بوسہ لوں گا رخِ رشکِ ماہ کا

چٹھی اس مس کی ہے کہ یہ جادو ہے
ایسی پری اور مجھ کو پیارا لکھے

ہندی مسلم میں ہند کی بو بھی ہو
اللہ اللہ ہے زباں پر بیشک

برا ہوا کہ رقیبوں میں بڑھ گئے بابو
حریص زر کی بیعت پر یہ بولا طالب قوت

ہیں لیمپ عزیز شمع بیگانہ ہے
سکی ہو مسوں کو رشکِ روشن یہ نگاہ

عبث انکا گلہ ہے مستغیثہ بولتی کیوں ہو

آپ کی انجمن کی ہو کیا بات
حکمتوں سے ہوئی ہے جزو حکم
اس غرض سے کہ سینہ پوش نہ ہو
پائے خامہ ٹھہر نہیں سکتا

جو عقل کھری تھی کی وہ کھوٹی اسنے
مستوں پہ شراب فاقہ مستی لائی

کہا جو میں نے کہ ان کی ادا انوکھی ہے

نکتہ یہ سنا ہو ایک بنگالی سے
خالی ہو جگہ تو اپنے بھائی کو دلاؤ

میں خوش ہوں ایشیا کے خیالی پلاؤ سے
لیکن خرید ہو جو علیگڑھ کے بھاؤ سے
چندہ وصول ہوتا ہے صاحب دباؤ سے

دل جوش مشاخرت سے بے تاب ہے
القاب میں دیکھیئے ڈیر کلو ہے

افطار میں ہے کھجور تو سیو بھی ہو
لیکن اک رنگ بم ہوا و بکی ہو

ذرا سی بات ہوئی اور یہ سمجھے تھانہ چلے
جو ملجائے تو اسکو کھاؤں یہ سونے کا کشتہ ہو

جلتا ہو چراغ سے جو فرزانہ ہو
جو ہو نئی روشنی کا پروانہ ہو

کوئی پوچھے تو ناحق تمنے ڈالی ادلی کیوں ہو

آہ چھپتی ہے واہ چھپتی ہے
روح بھی اب تو کورس جپتی ہے
شیخ کی ریش روز بنتی ہے
کس قدر یہ زمیں تپتی ہے

اچھے اچھوں سے چھینی روٹی اسنے
پتلون کو کر دیا لنگوٹی اسنے

کہا بتوں نے کہ اردو میاں کی چوکھٹی ہے

کرنا ہو بسر جو تم کو خوش حالی سے
غصہ آسکے تو کام لو گالی سے

انکی تحریکوں سے یوں رہتی ہے دنیا بے چین
جس طرح پیٹ میں بیمار کے بادی دوڑے
ممبری کے لئے لپکا مری جانب یہ غول
گائے موٹی نظر آئی تو قصائی دوڑے

مار کر دم رہ گئے کیڑے مکوڑے رہ گئے
صورتیں تو ہیں مگر انساں تھوڑے رہ گئے
خضر عنقا ہو گئے موذی بنے ہیں سد راہ
گر گئے سنگ نشاں سڑکوں پہ روڑے رہ گئے
پردہ در کی رائے سنکر بیبیاں کہنے لگیں
اب ہمارے وارث ایسے ہی نگوڑے رہ گئے
شیخ صاحب چل بسے کالج کے لوگ ابھرے ہیں اب
اونٹ رخصت ہو گئے پولو کے گھوڑے رہ گئے

جو وقت ختنہ میں چیخا تو نائی نے کہا ہنسکر
مسلمانی میں طاقت خون ہی بہنے سے آتی ہے

عاشقی کا ہو برا اُسنے بگاڑے سارے کام
ہم تو اے بی میں رہے اغیار بی اے ہو گئے

پردہ کا مخالف جو سنا بول اٹھیں بیگم
اللہ کی مار اس پہ علیگڈھ کے حوالے

کھائی مژگاں نے نظر کی جو قسم بولا وہ شوخ
آپ انہیں بھی کھاتے ہیں چھری کانٹے سے

دیکھ لو حال مرا آہ کی حاجت کیا ہے
دو اور اک تین یہ واللہ کی حاجت کیا ہے
پیچھے انجن کے بس اب ہو لیں مسلماں بھائی
اب انہیں خضر کی اور راہ کی حاجت کیا ہے
داد قرآں کی نہ دو بھائی عمل اس پہ کرو
پیش درگاہ خدا واہ کی حاجت کیا ہے

ناک رگڑی برسوں اس ارمان میں
سن لیں میری بات اک دن کان میں[1]

قصۂ منصور سنکر بول اٹھی وہ شوخ مس
کیسا[2] احمق لوگ تھا پاگل کو پھانسی کیوں دیا
کاش اے اکبر وہی حالت مجھے بھی پیش آئے
اور یہ کافر پکارے در ہیناہ مِن پیا

کہتے ہیں اکبر یہ تیری عقل کا کیا پھیر ہے
طبع تیری اس نئی تہذیب سے کیوں سیر ہے
عرض کرتا ہوں کہ میں بھی ہونگا حاضر عنقریب
ہو چکا ہوں سیر بس نابالغی کی دیر ہے

ملتا نہیں گھی تو خشک روٹی ہی سہی
نعمت جو بڑی نہیں تو چھوٹی ہی سہی
میں قوم کی فربہی کا مشتاق نہیں
بس جائیے میری عقل موٹی ہی سہی

نفرت تھی مجھ کو بیشک مچھر کے بولنے سے
کہتا تھا اپنے دل میں بیچارہ کیا بُرا ہے

[1] واہ کیا ناک اور کان ہیں اب بھی شاعری ہے ۱۲ [2] نقل کفر کفر نباشد ۱۲

آخر کھلا یہ عقدہ نفرت کا مجھ کو اکبر
چند ذرّے کیمیا سے رنگ کی پڑیا بنے
آواز سب سے کی ہے نفرت سب سے مزا ہے
شیخ صاحب خوش ہی کھو بیٹھے اور گڑیا بنے

مغربی کل نے مجھ کو پیسا ہے
آپ ہی گا کے جھوم لیتے ہیں
سرا چڑھا ہے اور کلیسا سے
باربد ہے نہ اب نکیسا ہے

نکالا شیخ کو مجلس سے اُس نے یہ کہہ کر
یہ بے وقوف ہے مرنے کا ذکر کرتا ہے

تم ناک چڑھاتے ہو میری بات پہ اے شیخ
کھینچو نہ کسی روز میں اب کان تمہارے

عادت جو پڑی ہو ہمیشہ سے وہ دور کہاں کب ہوتی ہے
رکھی ہو جیبی گھڑی پاکٹ میں پتلون کے نیچے دھوتی ہے

نہ تو انگریز بنے ہم نہ مسلمان رہے
عمر سب مفت میں کھویا کئے نادان رہے
طاقت اسلام کی کہتی تھی مسلمانوں سے
جب میں جانوں کہ مرے بعد مرا دھیان رہے
انکی سب سنتے ہیں اپنی نہیں کہہ سکتے کچھ
کیا قیامت ہے زباں کٹ گئی اور کان رہے
تھی بہت انکو مسلمانوں کی تہذیب کی فکر
بولے مسجد کے تلے مے کا بھی سامان رہے
راحت جاں ہے تری نظم دلاویز اکبر
تندرستی رہے ایمان رہے جان رہے
ہم تو کالج کی طرف جاتے ہیں اے مولویو!
کس کو سوجھیں تمہیں اللہ نگہباں رہے

انگریز میں عظمت جہانبانی ہے
لیکن تم لوگ تو کسی میں بھی نہیں
ہم میں اک شان علم روحانی ہے
بازو نہ قوی نہ قلب نورانی ہے

باہتمام حاجی حافظ خواجہ قطب الدین احمد پرنٹر
نامی پریس لکھنؤ میں چھپا
جولائی ۱۹۳۶ء